علماء اور طلبہ کے لئے

فکر انگیز اور کار آمد باتیں

محدث العصر، بقیۃ السلف، سماحۃ الشیخ محمد عوامہ الحلبی حفظہ اللہ

کی معرکۃ الآراء کتاب "معالم ارشادیۃ" سے علمی و اصلاحی جواہر پاروں کا انتخاب

تلخیص و ترجمانی:

محمد سلمان منصورپوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر: المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء اور طلبہ کے لئے

فکر انگیز اور کار آمد باتیں

محدث العصر، بقیۃ السلف، سماحۃ الشیخ محمد عوامہ الحلبی حفظہ اللہ
کی معرکۃ الآراء کتاب ''معالم اِرشادیہ'' سے علمی و اِصلاحی جواہر پاروں کا انتخاب

تلخیص و ترجمانی:

محمد سلمان منصور پوری

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : علماء اور طلبہ کے لئے فکر انگیز اور کار آمد باتیں
○ اِفادات : الشیخ محمد عوامہ حلبی حفظہ اللہ
○ تلخیص وترجمانی: محمد سلمان منصور پوری
○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری
○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی
○ اشاعتِ اول : ربیع الاول ۱۴۴۳ھ مطابق اکتوبر ۲۰۲۱ء
○ صفحات : ۳۴۴
○ قیمت : ۳۰۰/روپئے

رابطہ:

مفتی سید محمد ابوبکر صدیق منصور پوری لال باغ مرادآباد

8791034667 - 6395055757

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

''سماحۃ الشیخ محمد بن محمد بن عبد القادر عوامہ الحلبی حفظہ اللہ تعالیٰ'' اِس دور میں سلفِ صالحین کی یادگار اور عالم اِسلام کے جلیل القدر محدث ہیں۔ موصوف محدث کبیر ''فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ'' کے خاص شاگرد اور جانشین ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ، استغناء ومروت اور اشتغال بالعلم میں ہم جیسوں کے لئے بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع شدہ کتابوں سے آج علماء اور طلبہ بڑی تعداد میں فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

موصوف کے بارے میں ایک بڑے عالم شیخ محمد سعید الطنطاویؒ کا تبصرہ ہے کہ: ''لَا أَعْلَمُ عَلىٰ وَجْهِ الْأَرْضِ أَعْلَمَ مِنْهُ فِيْ عِلْمِ التَّحْقِيْقِ'' (یعنی میری نظر میں اس وقت روئے زمین پر کتابوں کی تحقیق (ایڈیٹنگ یعنی مخطوطہ کتابوں کے مقارنہ وغیرہ) کے معاملہ میں شیخ محمد عوامہ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے)

موصوف نے خاص طور پر فقہاء کے مابین اختلافی مسائل کی بحثوں میں اعتدال اور حقیقت پسندی کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور بعض نادان طبقوں کی طرف سے فقہاء پر جو بے جا تبصرے کئے جاتے ہیں، اُن کی مدلل اور مؤثر تردید فرمائی ہے۔ اِس بارے میں آپ کی دو کتابیں: (۱) أَثَرُ الْحَدِيْثِ الشَّرِيْفِ فِيْ اِخْتِلَافِ الْأَئِمَّةِ وَالْفُقَهَاءِ (۲) اور أَدَبُ الْاِخْتِلَافِ فِيْ مَسَائِلِ الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ بہت مشہور اور نافع ہیں۔

اِس کے علاوہ آپ نے ''سنن ابی داوٗد''، ''شمائل ترمذی''، ''القول البدیع للسخاوی''، ''مسند عمر بن عبد العزیز'' وغیرہ پر تحقیقی کام کیا ہے، اور ''المصنف لابن ابی شیبہ'' پر آپ کی تحقیق ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہم ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۰ء میں شام کے شہر حلب میں پیدا ہوئے، ابتداء میں آپ نے فضیلۃ الشیخ عبداللہ سراج الدینؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، بعدازاں آپ کو سماحۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی معیت ومصاحبت نصیب ہوئی؛ تا آں کہ آپ اُن کے سب سے عظیم شاگرد اور جانشین قرار دئے گئے۔

۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں آپ نے ''كلية الشريعة حلب'' سے فراغت حاصل کی، اور ''مدرسہ شعبانیہ'' وغیرہ میں ۱۴۰۰ھ تک تدریسی خدمات انجام دیں، اور آپ کو اپنے اساتذہ کی موجودگی میں کامیاب مدرس کا مقام حاصل ہوا۔

۱۴۰۰ھ میں آپ حلب سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے، اور ''جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ'' میں ''مركز خدمة السنة والسيرة النبوية'' کے شعبہ سے وابستہ ہوکر متعدد کتابوں کی تحقیق وتعلیق کی خدمت میں منہمک ہوگئے، اور اسی دوران ۱۴۰۶ھ میں آپ نے ''تراث اسلامی ریسرچ سینٹر'' کی بنیاد رکھی۔

آپ آج کل ترکی میں مقیم ہیں؛ لیکن مدینہ منورہ آمد ورفت جاری رہتی ہے۔ آپ نے چند سال قبل ہندوستان کا بھی دورہ فرمایا، اور دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر مراکز دینیہ کو تشریف آوری سے نوازا، اور علماء ہند کی قدردانی فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں، آمین۔

کئی سال قبل سفر برطانیہ کے دوران برمنگھم میں محبّ گرامی جناب مولانا محمد صاحب زید کرمہم نے احقر کو آپ کی ایک شان دار تصنیف ہدیہ میں پیش کی، جس کا نام ''معالم إرشادية لصناعة طالب العلم'' (یعنی طالب علم بننے کے لئے رہنما خطوط) اِس کتاب میں فضیلۃ الشیخ محمد عوامہ مدظلہم نے اپنی زندگی بھر کے تجربات اور حصولِ علم کے بارے میں اَسلاف واَکابر فقہاء ومحدثین کی نادر ونایاب باتیں بڑی خوبی کے ساتھ جمع فرمادی ہیں۔

احقر سمجھتا ہے کہ طلبہ اور علماء کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے، کتاب کے مطالعہ

کے دوران احقر نے محسوس کیا کہ اگر اِس کی منتخب باتوں کو اُردو زبان میں منتقل کیا جائے، تو مزید فائدہ ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اِسی مقصد سے ''ندائے شاہی'' میں ''**طلبہ اور علماء کے لئے فکر اَنگیز اور کار آمد باتیں**'' کے عنوان سے سلسلہ وار مضمون شروع کیا گیا، جس کی اَب تک ۳۳ رقسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

واضح ہو کہ یہ لفظ بلفظ ترجمہ نہیں ہے؛ بلکہ مفہوم کی ترجمانی ہے، دوسرے یہ کہ مکمل کتاب کے مشمولات کو نہیں لیا گیا ہے؛ بلکہ صرف ایسی باتوں کو منتخب کیا گیا ہے جو دوسری کتابوں میں عام طور پر یکجا نہیں ملتیں، اور بہت سی مشہور باتوں سے صرف نظر کیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین بالخصوص طلبہ عزیز اور علماء کرام کے لئے یہ باتیں سرمۂ بصیرت بنیں گی، اور اُن کے مطالعہ سے عزم و ہمت میں پختگی پیدا ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس مجموعہ کی اِشاعت سے قبل حضراتِ اَکابر و اَساتذۂ کرام دامت برکاتہم و مدظلہم کی خدمت میں اُس کا مسودہ پیش کیا گیا، سبھی حضرات نے مضامین پڑھ کر اُن کی اِفادیت کو محسوس کیا اور حوصلہ اَفزاء کلمات تحریر فرمائے، فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

بہت اَفسوس ہے کہ اِس کی اِشاعت کے وقت ہمارے اِنتہائی مشفق و محسن اور مربی والد ماجد، اَمیر الہند حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث و معاون مہتمم دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں۔

حضرتؒ کی خدمت میں کئی ماہ قبل مسودہ کا اکثر حصہ پیش کر دیا گیا تھا، جس کو ملاحظہ فرما کر آپ نے پسندیدگی کا اِظہار بھی فرمایا تھا؛ لیکن مشغولیت کے سبب کچھ تحریر نہ فرما سکے؛ تا آنکہ وقت موعود آ پہنچا اور مؤرخہ ۸ رشوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ رمئی ۲۰۲۱ء عین جمعہ کے وقت رحمتِ خداوندی کے آغوش میں پہنچ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اِس کتاب میں ایک ماہر اور مشفق اُستاذ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ اُن سے پوری طرح متصف تھے، اِس لئے اِس کتاب کو مطبوعہ

شکل میں دیکھ کر آپ کو بے حد خوشی ہوتی؛ لیکن بہر حال ’’مرضیٔ مولیٰ اَز ہمہ اَولیٰ‘‘۔ بس یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی قبر مبارک کو نور سے منور فرمائیں، آپ کے درجات بے حد بلند فرمائیں، اور آپ کے احسانات کا بھرپور بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔

محبِّ گرامی جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب قاسمی زید کرمہم شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر نے کتاب کے مسودہ پر گہری نظر ڈالی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اِسی طرح جناب مولانا محمد اسجد قاسمی مظفر نگری رفیق کتابت ’’ندائے شاہی‘‘ نے کمپیوٹر کتابت اور تزئین میں اپنی بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کیا، فجز اہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

احقر کو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا بہت احساس ہے، عین ممکن ہے کہ عربی مضامین کی اُردو ترجمانی میں کوتاہی یا غلطی واقع ہوئی ہو۔ بریں بنا قارئین سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اگر ایسی کوئی بات نظر سے گذرے، تو اُس سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب میں مذکور نصائح اور ہدایات پر ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اِس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اُس کے نفع کو عام اور تام فرمائیں، اور کتاب کے مؤلف ومترجم، اُن کے والدین کریمین، اَساتذۂ کرام، محبین ومحسنین اور جن کتابوں سے اِستفادہ کیا گیا ہے، اُن کے مصنفین کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔
قارئین سے بھی دعاؤں کی گذارش ہے۔ والسلام

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
خادم مدرسہ شاہی مرادآباد
یکم ربیع الاول ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰۲۱/۱۰/۸ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

کلماتِ عالیہ:

جگر گوشۂ شیخ الاسلام، مخدومِ مکرم، اُستاذِ معظم، اَمیر الہند، حضرت اَقدس

مولانا سید اَرشد صاحب مدنی دامت برکاتہم

اُستاذ حدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أحمده و أصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

معلم اور متعلم، اُستاذ اور شاگرد کا رشتہ بہت عظیم اور پاکیزہ رشتہ ہے، بالخصوص مذہبی علوم کے اندر اِس رشتے کی پاکیزگی اور عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

دنیا کے علوم میں علم کا مقصد صرف دنیا کا حصول ہے؛ لیکن مذہبی علوم میں تعلیم کا مقصد اللہ کی رضا کے لئے قرآن وحدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے، طالبِ علم اِسی غرض کے لئے پڑھتا ہے، اور اُستاذ اِسی غرض کے لئے پڑھاتا ہے۔

یہ مقصد یعنی قرآن وحدیث کو طالب علم کا اپنی زندگی میں اُتارنا، صرف کتاب کے پڑھنے سے ہی میسر نہیں ہوگا؛ بلکہ اُس کو حاصل کرنے کے لئے ایسے اُستاذ کی تلاش ضروری ہے جس کی زندگی خود قرآن وحدیث کا نمونہ ہو؛ تاکہ زبان سے تعلیم کے ساتھ وہ اپنے عمل سے نمونہ کو طالب علم کے سامنے پیش کرسکے۔ ہمیشہ وہی طالب علم کامیاب ہوتا ہے جس کو خوش قسمتی سے ایسا اُستاذ میسر ہوگیا، پھر اگر طالب علم کے اندر حصولِ علم کی طلبِ صادق ہوگی تو وہ اپنے اُستاذ کی طرح باکمال بن کر ایسا ہی معلم بنے گا، اور اپنے شاگردوں کے سامنے علومِ نبوت کو زبان اور اپنے عمل سے پیش کرے گا۔

گذشتہ زمانے میں کامیاب علماء کا وجود اور دینی علوم کی ترقی اور اِسلامی زندگی کی

مضبوطی اساتذہ اور شاگردوں کی اِسی مذکورہ نہایت قیمتی صفت کی بنیاد پر رہتی تھی، پھر اگر یہ کہا جائے کہ اِس دور میں انحطاط کا سبب معلم و متعلم کے درمیان اِسی صفت کا فقدان ہے، تو اِس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔

لیکن اُمت کے علماء کاملین ہر دور میں اس کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ علومِ نبوت کا یہ چراغ گل نہ ہو، اور ایسے مخلص اَفراد پیدا ہوتے رہیں جن کے سینے اور جوارح یعنی روح اور جسم دونوں قرآن وحدیث کے پابند ہوں، اور اُن کی یہ صفتِ کمال دنیا کو برابر روشن کرتی رہے، اور اُن کے مخلص شاگرد برابر اُن کے علم وعمل سے اپنی زندگی کو بناتے رہیں، اور اپنے سینے کو روشن کرتے رہیں۔

ایسے ہی باکمال لوگوں میں اِس کتاب "معالم اِرشادیة" کے مصنف "فضیلة الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ" بھی ہیں۔

شام کی نُصیری حکومت نے جب علماء اہل سنت والجماعت پر شام میں بود وباش کو تنگ کردیا، تو وہاں کے بڑے بڑے علماء یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے عالَم عرب کے دوسرے ملکوں میں منتقل ہوتے رہے، موصوف بھی اُن میں سے ایک ہیں، ایک زمانے تک مدینہ منورہ میں قیام رہا، تمنا تھی کہ ساری زندگی یہیں گذر جائے اور جنت البقیع کو اپنا آخری اور مستقل مسکن بنالیں؛ لیکن قضاء وقدر کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا، وہاں سے بھی شیخ کو اپنوں ہی کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے ترکِ سکونت کرنی پڑی، تو موصوف اپنے عائلہ کے ساتھ ترکی میں جا کر مقیم ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ وہاں رہتے ہوئے بھی علمی خدمات انجام دیتے ہیں، اور شاگردوں کا ایک بڑا طبقہ استفادہ کر رہا ہے۔

خاص طور پر علم حدیث میں شغف کے ساتھ شیخ کا ایک خاص وصف جس نے میرے دل میں اُن کو خاص جگہ دی ہے، وہ اُن کی "کم گوئی" اور "صفتِ تواضع" ہے، جو اِس زمانے میں کم نظر آتی ہے، جب کہ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفات ہیں، اور اِنسان کے لئے نجات اور سربلندی کی ضامن ہیں۔

راقم الحروف دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ محمد عوامہ مدظلہ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائیں اور اُن کی عمر میں برکت عطا فرمائیں، آمین۔

چوں کہ یہ کتاب از اول تا آخر اُستاذ اور شاگرد دونوں کے لئے نہایت قیمتی نصائح پر مشتمل ہے، متقدمین علماء کے اُن واقعات کا اِس کتاب میں ذکر ہے جن کو اختیار کر کے اُن کو علم میسر ہوا ہے، اور وہ اپنے اپنے وقت کے اِمام بن گئے۔

اِس لئے عزیزم مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری سلمہ نے شیخ محمد عوامہ کی کتاب "**معالم اِرشادية**" کا ترجمہ اُردو زبان میں "فکر انگیز اور کار آمد باتیں" کے عنوان سے کیا ہے؛ تا کہ اِس زمانے کے اُستاذ اور شاگرد دونوں اِس سے اِستفادہ کر کے اپنے آپ کو متقدمین علماء کا صحیح کفش بردار بنا سکیں، اور اپنی دنیا و آخرت کو آباد بنا سکیں۔

راقم الحروف بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہے کہ وہ کریم کارساز موصوف کو اِس سعی مشکور کے صلے میں اجر جزیل اور ثوابِ جمیل سے نوازے، اور اِس تصنیف جلیل سے طالبانِ علوم نبوت کو متقدمین علماء کے نقش قدم پر چل کر کامیاب و کامران فرمائے، اور عند اللہ قبولیت سے نوازے، آمین ثم آمین۔ فقط والسلام

(حضرت مولانا سید) ارشد مدنی (صاحب مدظلہم)

خادم دار العلوم دیوبند

۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ

۲۸ر جنوری ۲۰۲۱ء

تقریظ:

بحر العلوم، محدثِ کبیر، اُستاذ الاساتذہ

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہم

اُستاذ حدیث وصدر شعبۂ تخصص فی الحدیث دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

علماء ومشائخ نے تعلیم وتعلم کے سلسلے میں اور اِس بارے میں کہ ایک شخص کا علم دوسرے کی طرف کیسے منتقل ہو؟ اور وہ صراطِ مستقیم پر قائم بھی رہے، اُس کے لئے چند آداب کو ضروری قرار دیا ہے۔ اِس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، مثلاً: "آداب الفقيه والمتفقه" "الجامع لأداب الراوي وأخلاق السامع" (للخطيب البغدادي) "جامع بيان العلم وفضله" (لابن عبد البر) "تعليم المتعلم" (للزرنوجي) "أدب الدنيا والدين" (للإمام الماوردي) "صفحات من صبر العلماء" (للشيخ عبد الفتاح أبي غدة) "الحث على طلب العلم" (للإمام أبي هلال العسكري) وغيره.

اور احقر نے اپنے اُستاذِ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مطبوعہ "درسِ بخاری" کے مقدمہ میں حضرت کے علمی فیض کے عام ہونے اور اپنے اُستاذِ گرامی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے حقیقی جانشین ہونے کی وجوہات لکھتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت موصوفؒ نہ صرف یہ کہ عالم باعمل تھے؛ بلکہ اِتباعِ سنت میں آپ کا قدم اِس قدر راسخ تھا کہ لوگ آپ کے طرزِ عمل اور معمولات سے کسی عمل کے سنت ہونے کی سند حاصل کرتے تھے۔ نیز آپ ماہرین علم کے تربیت یافتہ اور اُن کی صحبت سے پوری طرح فیض یاب اور اُن کے طور طریقوں کی کامل اتباع کرنے والے تھے۔

اور یہی بات دراصل ''علماء اہل السنۃ والجماعۃ'' کو اہلِ بدعت علماء سے ممتاز کرتی ہے کہ اہل بدعت عموماً صحبت یافتہ نہیں ہوتے، یا اپنے اَساتذہ کی اتباع میں سرگرم نہیں ہوتے۔

احقر نے اِسی ضمن میں علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی نقل کی ہے، جس میں عالم محقق کی اَہم علامات کی طرف نشان دہی کی گئی ہے، جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ علامہ موصوفؒ فرماتے ہیں:

''للعالم المتحقق بالعلم أَمارات وعلامات، وهي ثلاث:

الأولیٰ:— العمل بما علم حتى يكون قوله مطابقًا بفعله.

والثانية:— أن يكون ممن ربّاه الشيوخ في ذلک العلم لأخذه عنهم وملازمته لهم فهو الجدير لأن يُتصف بما اتصفوا به من ذلک، هٰكذا كان السلف الصالح، فأول ذلک ملازمة الصحابة رضي اللّٰه عنهم لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأخذهم بأقواله وأفعاله، واعتمادهم على ما يصدر منه كائنًا ما كان وعلى أي وجه صدر، وإنما ذلک لكثرة الملازمة وشدة المثابرة، وصار مَثَل ذلک أصلا لمن بعدهم، التزم التابعون في الصحابة سيرتَهم مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم حتى فقهوا ونالوا ذروة الكمال في العلوم الشرعية وحسبک من صحة هذه القاعدة أنک لا تجد عالمًا اُشتُهر في الناس الأخذ عنه إلا وله قدوة اُشتهر في قرنه بمثل ذلک، وقلما وُجدت فرقة زائغةٌ ولا أحدٌ مخالف للسنة إلا وهو مفارق لهذا الوصف.

الثالثة:— الاقتداء بمن أخذ عنه والتأدب بأدبه كما علمت من اقتداء الصحابة بالنبي صلى اللّٰه عليه وسلم واقتداء التابعين بالصحابة، وهكذا في كل قرن. وبهذا الوصف امتاز مالکؒ عن أضرابه أعني بشدة الاتصاف، وإلا فالجميع ممن يهتدي به في الدين كذلک كانوا؛ لكن مالكًا اُشتهر بالمبالغة

في هـذا الـمعنـى، فـلـمـا تُـرك هـذا الوصفُ رَفعت البدع رؤوسَها''.
(الموافقات، المجلد الأول / المقدمة الثانية عشر بحذف يسير)

[ترجمہ:- ''عالم محقق کی کئی علامتیں اور نشانیاں ہیں، جن میں سے تین قابل ذکر ہیں:

(۱) اپنے علم کے مطابق عمل کرنا؛ تا آں کہ اُس کا قول اُس کے عمل کے موافق ہو جائے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ مشائخ نے اُس کی علمی تربیت کی ہو؛ بایں طور کہ اُس نے نہ صرف یہ کہ اُن سے علم حاصل کیا ہو؛ بلکہ مسلسل اُن کی صحبت میں بھی رہا ہو۔ پس وہی شخص اِس لائق ہے کہ اُسے اُن صفات سے متصف قرار دیا جائے، جن سے علماء سابقین متصف رہے ہیں، اور یہی سلف صالحین کا طریقہ تھا۔ چناں چہ اُس کا اولین نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا التزام اور آپ کے اَقوال واَفعال کو اختیار کرنا، اور جو کچھ بھی آپ کی طرف سے جس طور پر بھی وارد ہو؛ اُس پر اُن کا اعتماد کرنا ہے۔ اِسی کثرتِ ملازمت اور کامل پیروی کی وجہ سے یہ بات بعد والوں کے لئے ایک اہم اُصول قرار پائی؛ چناں چہ حضراتِ تابعین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ علم کی تحصیل میں وہی طریقہ اپنایا، جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اختیار فرمایا تھا۔ اور اِسی راہ کو اپنا کر حضراتِ تابعینؒ علومِ شرعیہ میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔

اور اِس اُصول کی صحت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ آپ جتنے بھی بافیض مشہور علماء کو دیکھیں گے، تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اُن کے مقتدیٰ بھی وہی لوگ ہیں جو اپنے ہم عصروں میں اِسی طرح مشہور رہے ہیں۔ اِس کے برخلاف جتنے بھی گمراہ فرقے ہیں، یا جو شخص بھی سنت کی مخالفت کرنے والا ہے، وہ اِس صفت سے یقیناً دور ہوگا۔ (یعنی اُن کا اپنے اَساتذہ سے ایسا ربط نظر نہیں آئے گا)

(۳) علماء محققین کی تیسری اہم نشانی یہ ہے کہ وہ جن اَساتذہ سے علم حاصل کرتے ہیں، اُن کی کامل اقتداء بھی کرتے ہیں، اور اُن کے ساتھ نہایت اَدب واحترام کا معاملہ کرتے ہیں؛ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تابعین کی صحابہ کی پیروی کے بارے میں آپ جانتے ہیں، اور پھر یہی سلسلہ قرناً بعد قرنٍ جاری رہا۔

اور اِس معاملے میں حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم عصروں میں امتیازی مقام کے حامل ہیں۔ یعنی اگر چہ سبھی علماء - جن سے دین میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے - اِسی راستے پر رہے؛ لیکن اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ اِس سلسلے میں انتہائی اہتمام کی وجہ سے ممتاز قرار دئے گئے؛ لیکن جب سے یہ طریقہ متروک ہوا ہے تو بدعات نے سر اُٹھانے شروع کر دئے ہیں''۔]

بہر حال آج کل اِس بات کی بہت ضرورت ہے کہ اُستاذ اور طالب علم کے رشتے کو مضبوط کیا جائے، اور اِس بارے میں سلف صالحین سے منقول آداب کو عام کیا جائے؛ اِس لئے کہ موجودہ دور میں اسکول اور کالج کی تعلیم نے اُستاذ اور شاگرد کے رشتے کو تار تار کر کے رکھ دیا ہے، اور اِس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے؛ حالاں کہ طالب علم کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے اُستاذ کے ساتھ ربط وضبط اور تعلق بہت ضروری ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین نے اِسی طرز کو اپنایا اور بہت سے لوگوں کو اپنے خیالات اور نظریات سے متأثر کیا ہے۔

ہمارے زمانے کے مشہور محدث ''شیخ محمد عوامہ الحلبی الحنفی حفظہ اللہ'' نے اِس موضوع پر ایک نہایت مفید کتاب **''معالم إرشادیة''** کے نام سے مرتب فرمائی ہے، جو علماء اور طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری سلمہ اُستاذ مدرسہ شاہی مرادآباد نے اِس کتاب کے منتخب مضامین کو آسان اُردو زبان میں عنوان لگا کر مرتب کیا ہے، جس کی بنا پر کتاب سے اِستفادہ بہت آسان ہو گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اِس خدمت کو قبول فرمائیں، اور اس سے اُمت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائیں، آمین۔ والسلام

(حضرت مولانا) نعمت اللہ غفرلہ (مدظلہ العالی)

خادم دار العلوم دیوبند

۱۲/۷/۱۴۴۲ھ

حوصلہ اَفزا کلمات:

بقیۃ السلف، مخدومِ مکرم، حضرت اَقدس

مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم

ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل اِنڈیا مسلم پرنسل لاء بورڈ

باسمہٖ سبحانہ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین، وخاتم النبیین، سیدنا محمد، وعلی آلہ وصحبہٖ أجمعین، وبعد!

جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد پورے ہندوستان کے لحاظ سے ایک اچھا اور وقیع جامعہ ہے، اِس میں ذی علم اور اَچھے اَساتذہ رکھے جانے کا اہتمام ہے۔ یہاں کے اَساتذہ دوسرے علماء وماہرین تعلیم سے بھی اِستفادہ کرتے رہے ہیں۔

اُنہی میں شام کے چوٹی کے عالم اور حدیث شریف میں اختصاص رکھنے والے شہرۂ آفاق فاضل ومحقق ''شیخ محمد عوامہ حلبی حفظہ اللہ'' بھی ہیں، جن کو اِس وقت علماء عرب میں بڑا مقام دیا جاتا ہے، جن کی ایک کتاب ''**أثر الحدیث الشریف في اختلاف الأئمۃ والفقہاء**'' اہم کتاب ہے، وہ ہمارے دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصابِ درس میں بھی شامل ہے۔ وہ اپنے ہندوستان کے دورے میں دار العلوم اور دار العلوم ندوۃ العلماء اور دوسرے مقامات ومراکزِ دینی وعلمی میں بھی تشریف لے گئے۔ اُن کے مدینہ منورہ میں قیام سے بھی فائدہ اُٹھایا جاتا رہا ہے۔

اُن کی طلبہ واَساتذہ کے لئے ایک رہنما کتاب ''**معالم إرشادیۃ**'' ہے؛ اُس کو سامنے رکھ کر جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد کے ممتاز وباتوفیق اُستاذ مولانا مفتی سید محمد سلمان حسینی

منصور پوری (زادہ اللہ توفیقا وسعادۃً) نے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں، ''علماء وطلبہ کے لئے فکر انگیز و کار آمد باتیں'' کے عنوان سے کتاب مرتب کی ہے، اور جیسا کہ اُنہوں نے اپنے پیش لفظ میں تحریر کیا ہے کہ:

''یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے؛ بلکہ مفہوم کی ترجمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ مکمل کتاب کے مشمولات کو نہیں لیا گیا ہے؛ بلکہ صرف ایسی باتوں کو منتخب کیا گیا ہے جو دوسری کتابوں میں عام طور پر یکجا نہیں ملتیں اور بہت سی مشہور باتوں سے صرفِ نظر کیا گیا ہے''۔

اِس کتاب میں ایسے مضامین آگئے ہیں جن کی ضرورت طلبائے علومِ نبوت اور خادمینِ علم کو ہے؛ تاکہ یہ علومِ نبوت نورِ نبوت کے ساتھ ہماری نسلوں میں منتقل ہوں۔

مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب حسینی منصور پوری نے لفظ بہ لفظ ترجمہ نہ کر کے ترجمانی اور وضاحت کے ساتھ اُسے پیش کرنے اور زیادہ مفید بنانے کا کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں اِس پر بہتر سے بہتر جزاء عطا فرمائے اور اُن کی اِس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا کرے۔ اور وہ جو علمی، دینی، اصلاحی و تعلیمی کام انجام دے رہے ہیں، اُن کا سلسلہ جاری رکھے، جن میں دینی و اِصلاحی اور علمی کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے، اور فقہ وفتاویٰ کے تعلق سے کئی گراں قدر کتابیں بھی ہیں، جن سے لوگ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

جہاں تک تعلیم و تعلم کا تعلق ہے، تو وہ اِنسانی زندگی کے لئے بنیادی اور اہم ترین وسیلہ ہے، اس کے ذریعے سے اِنسان اُن معلومات کو حاصل کرتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اِنسان کے فائدے کے لئے جو اِس زمین اور اِس کی فضا میں رکھے ہیں، اُس میں اِنسان کو اپنا ذہن لگا کر معلوم کرنا ہے، اور دوسروں کی معلومات سے جنہوں نے اس میں کمال حاصل کیا ہے، اُن سے اِستفادہ کرنا ہے، اور یہ اِستفادہ علم کے پھیلنے اور اُس کے بقا کا ذریعہ بنتا ہے؛ اِس لئے کہ اِنسان کی عمر محدود ہوتی ہے، اُس میں وہ تنہا اپنی تحقیقات پر اکتفا نہیں کر سکتا، اُس کو کسی سے لینا ہوتا ہے، جس نے اپنے دائرے میں فائدہ اُٹھایا ہو، اور تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے علم کے پھیلنے اور

جاری رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اُس کی طرف پوری توجہ کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی عمر میں سیکھنے کی صلاحیت زیادہ رکھی ہے اور وہ زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

ہمارے اَسلاف نے حصولِ علم اور اُس کے ساتھ علم کو دوسروں میں منتقل کرنے کے لئے جس فکرمندی، اَمانت ودیانت اور مشقت وتوجہ کو ملحوظ رکھا، جس سے ہمارے دینی علم کا وہ ذخیرہ ہمارے سامنے ہیں، جس سے آج فائدہ اُٹھایا جارہا ہے۔ آج بھی ہمارے شائقینِ علم وطالبین ومعلمین کو اُن صفات وخصوصیات کا پاس رکھنے کی ضرورت ہے، اور اُس کی اہمیت واِفادیت ہر دور میں رہی ہے، اور برابر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ مصنف ومترجم دونوں کا یہ عمل جو قلم وکتاب کے ذریعہ ہمارے سامنے ہے، زیادہ سے زیادہ مفید اور ثمر آور ہو۔ **واللّٰـه ولي التوفيق وهو يهدي السبيل۔**

(حضرت مولانا سید) محمد رابع حسنی ندوی (صاحب) ۲۶/۵/۱۴۴۲ھ
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۱/۱/۲۰۲۱ء

تقریظ:

مکرم ومحترم، اُستاذ الفقہ والحدیث

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی زید مجدہم

مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

عالم اِسلام کے مشہور ترین عالم دین اور محدث حضرت اَقدس شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی کتاب "**معالم إرشادية**" جو طلبہ اور علماء کے لئے بہت ہی مفید ترین کتاب ہے، یہ کتاب درحقیقت عربی میں ہے۔ جس کا حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی نے سلیس اُردو میں ترجمہ کیا؛ لیکن پوری کتاب کا حرف بحرف ترجمہ نہیں فرمایا ہے؛ بلکہ مضامین کو منتخب کر کے آسان اُردو میں ترجمانی فرمائی ہے۔

احقر نے حضرت مفتی صاحب کی اِس کتاب سے کافی اِستفادہ کیا ہے۔

الحمد للہ حضرت مفتی صاحب موصوف مضامین کا انتخاب اور اِحاطہ کر کے اُردو ترجمہ کرنے میں بڑے کامیاب ثابت ہوئے۔

دورِ حاضر کے چند علماء جن کو علمی کارنامے انجام دینے میں اُنگلیوں پر گنا جاسکتا ہے، اُن میں ہمارے مفتی صاحب موصوف کا نامِ نامی سرفہرست آتا ہے۔

یہ بھی مفتی صاحب کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی زیر نظر کتاب کا خوب صورت ترجمہ کر کے مفتی صاحب نے اپنے آپ کو حضرت شیخ حفظہ اللہ کے ساتھ دوستی کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اِس کتاب کے سارے مضامین علماء، طلبہ اور عوام وخواص کی اصلاح کے لئے بہت مفید اور مؤثر ہیں۔ احقر یہ سمجھتا ہے کہ یہ کتاب عوام کے مقابلے میں حلقہ علماء وطلبہ میں زیادہ مقبول ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے مالا مال فرمائیں، اور مصنف موصوف اور مترجم دونوں کے لئے ذریعہ نجات بنائیں، آمین۔ والسلام

(حضرت مولانا مفتی) شبیر احمد قاسمی (زید مجدہم)

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۶ رمحرم الحرام ۱۴۴۳ھ

مطابق ۱۶/اگست ۲۰۲۱ء بروز پیر

تأثرات:

خادم الحدیث النبوی الشریف، برادر عزیز

مولانا مفتی قاری سید محمد عفان صاحب منصورپوری سلمہ اللہ تعالیٰ

صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

ہم نے عالم عرب کے مشہور ومعروف با فیض عالم دین فضیلۃ الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ نور اللہ مرقدہ کو تو نہیں دیکھا؛ البتہ اُن کے صحبت یافتہ اور علمی وروحانی وراثت کے امین ''فضیلۃ الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ ورعاہ'' کی خدمت میں متعدد مرتبہ حاضر ہو کر آپ کی بابرکت مجلس سے استفادہ کا موقع میسر ہوا۔

شیخ کی جلالتِ شان، علمی گہرائی و گیرائی، محدثانہ وفقیہانہ ذوق، مسلکِ حق واعتدال پر تصلب اور اکابر دیوبند سے عقیدت مندانہ تعلق وہ حقیقت ہے کہ جس کا ہر شخص معترف اور قائل ہے۔

اُن کا دولت خانہ نادر و نایاب اور قدیم وجدید کتابوں کا مرکز، اُن کی مجلس علمی جواہر پاروں کا خزینہ اور اُن کا مشغلہ صبح سے رات تک صرف اور صرف بحر علوم میں غوطہ زنی کرتے ہوئے معارف وحِکم کے موتیوں کو گلدستے میں سجا کر اَصحابِ ذوق تک پہنچانا ہے۔

''معالم إرشادية لصناعة طالب العلم'' کے نام سے موسوم فضیلۃ الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی ایک بڑی نافع، معرکۃ الآراء اور اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مفید کتاب ہے، جس میں علم دین کی عظمت اور قدر ومنزلت، علماء اور اَساتذہ کی فضیلت اور اُن کی مجالسِ علمیہ کی اَہمیت وافادیت کو ذکر کرتے ہوئے دین اور عقیدے کے تحفظ اور اِشاعتِ حق کی راہ میں اُن

کے قابلِ فخر کارناموں اور علمی مصروفیات میں اِنہماک کے قابلِ تقلید جذبات کو واقعات کے آئینہ میں اُتار کر ایسے خوبصورت اور محقق انداز میں پیش کیا ہے، جس کو پڑھ کر ذوقِ علم پروان چڑھتا ہے اور اَصحابِ علم کی عظمت کا سکہ بھی دل میں بیٹھتا چلا جاتا ہے۔

اِس کے ساتھ ساتھ شیخ نے طالبانِ علومِ نبوت کے لئے وہ رہنما اُصول تحریر فرمائے ہیں جن پر عمل کر کے ایک طالبِ علم اپنے وجود کو نافع اور کار آمد بنا سکتا ہے، جس میں بنیادی طور پر دو باتوں کو بڑی اَہمیت اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے:

(۱) اُستاذِ کامل اور عالم ربانی کی صحبت اختیار کرتے ہوئے اُن کی رہنمائی میں زندگی گذارنا، یعنی کسی کو اپنا بڑا ماننا۔

(۲) اپنے آپ کو علمی کاموں میں مشغول رکھنا اور تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کو تحصیلِ علم کی خاطر بروئے کار لانا۔

اِس سلسلے میں اَکابر واَسلاف کے جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں، وہ واقعۃً باذوق طلبہ کے لئے مہمیز کا کام کرنے والے ہیں۔

اِس کے علاوہ معلمین واَساتذہ کے کیا فرائض ہیں؟ اُن کو طلبہ کے تئیں کس درجہ شفیق ہونا چاہئے؟ اور اپنے تلامذہ کے مستقبل کی تابناکی اور کامیابی کے حوالے سے اُنہیں کیسے فکر مند رہنا چاہئے؟ یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ آیاتِ قرآنیہ، اَحادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور واقعاتِ سلف کی روشنی میں بڑے مؤثر پیرائے میں ذکر کی گئی ہیں۔

کتاب کیا ہے؟ ایک ایسی علمی سوغات ہے جس کا مطالعہ علماء وطلبہ کے لئے علمی تشنگی کی سیرابی کا باعث اور حد درجہ فائدہ کا سامان ہے۔ باری تعالیٰ مؤلف محترم حفظہ اللہ کو جزائے خیر مرحمت فرمائیں اور اُن کے سایۂ عاطفت کو ہم سب پر دراز فرمائیں، آمین۔

اَب تک اِس کتاب سے اِستفادہ کا دائرہ عربی داں طبقہ تک محدود تھا؛ لیکن اَب یہ کتاب بحمدہ تعالیٰ ''علماء اور طلبہ کے لئے **فکر اَنگیز اور کار آمد باتیں**'' کے نام سے اُردو کے قالب میں بھی طبع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔

برادر بزرگوار حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم مفتی واُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے ''معالم اِرشادیہ'' کے اَہم مضامین کو اُردو کا خوب صورت جامہ پہنا کر ایسے مرتب انداز میں پیش کیا ہے جس سے بلا مبالغہ کتاب کی اِفادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں اور استفادہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی نظر انتخاب اگر اِس کتاب کی خدمت پر پڑی ہے تو وہ یوں ہی نہیں؛ بلکہ یہ عمل **''قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری''** کا مصداق ہے۔ حضرت مفتی صاحب میدانِ تعلیم وتعلم کے کامیاب ترین اور فیض رساں مسافر ہیں۔ والد ماجد حضرت اَقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کی زیر تربیت رہنے کی وجہ سے وہ راہِ علم کے آداب سے خوب واقف اور اُس کو بجالانے والوں میں سے ہیں، اِسی قدر دانی اور حفاظت وقت کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا حضرت کی علمی خدمات سے خوب خوب فیض یاب ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ آپ کو قائم ودائم رکھیں اور سلسلہ فیضانِ علمی کو روز اَفزوں فرمائیں، آمین۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی اِس علمی شاہکار کو منظر عام پر لانے کی وجہ سے اَربابِ علم بالخصوص اُردو داں طبقہ کی جانب سے شکریہ اور مبارک بادی کے مستحق ہیں، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

ہماری نظر میں یہ کتاب اِس لائق ہے کہ اِس کو اہتمام کے ساتھ مدارس میں علماء وطلبہ کی مجلس میں سنا اور سنایا جائے؛ تاکہ کتاب کے مشمولات پر کما حقہ عمل کا موقع نصیب ہو سکے۔

باری تعالیٰ ہمیں بھی آدابِ علم کو بجالانے کی توفیق بخشیں اور کتاب کی اِشاعت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں، آمین یارب العالمین۔ فقط والسلام

احقر محمد عفان منصور پوری غفرلہ
خادم تدریس مدرسہ اِسلامیہ عربیہ جامع مسجد اَمروہہ
۲ ربیع الاول ۱۴۴۳ھ
مطابق ۹ راکتوبر ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ

پہلا باب

علم دین کی اہمیت وفضیلت

پہلی فصل:

علم شرعی مقصودِ اصلی ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اِس کتاب میں میرے پیش نظر وہ شرعی نفع بخش علم ہے جس کا اَولین معلّم خود اللہ رب العالمین ہے، جس نے اِنسان کو قلم کے ذریعہ سے ایسی باتیں سکھلائیں جو پہلے اُس کے علم میں نہ تھیں۔ اور اُسی نے ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے معلّم بنا کر مبعوث فرمایا؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مشن کتاب اللہ اور حکمت یعنی سنت مطہرہ کی تعلیم دینا تھا۔ اور یہی کتاب وسنت کا علم اصل مقصود ہے، اور اِس کے علاوہ جو علوم ہیں وہ صرف وسائل وذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کے سامنے وحی کا نزول ہوا، وہ چوں کہ خود اہل زبان تھے، اور آیتوں کے شانِ نزول اور اَحادیثِ شریفہ کے شانِ ورود سے واقف تھے، اِس لئے اُنہیں دیگر علومِ عقلیہ کی چنداں ضرورت نہ تھی؛ بلکہ براہِ راست قرآن وسنت کا علم اُن کے لئے کافی تھا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۱-۱۲)

علم کی بقا کا مدار

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں علم دین کی بقا کا مدار چار چیزوں پر ہے: (۱) کتاب وسنت کا علم (۲) طالب علم (۳) اُستاذ (۴) تعلیم وتدریس کا نظام۔

علم کی بقا کے لئے اِن چاروں چیزوں کا وجود ضروری ہے، اگر یہ باقی نہ رہیں تو علمی تسلسل باقی نہیں رہ سکتا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۲-۱۳)

علم کے مصادر

حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ ”علم کے بغیر حلال وحرام کے بارے میں کوئی بات کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور علم وہ ہے جو کتاب وسنت یا اِجماع سے ثابت ہو، اور اگر ان میں نہ ملے تو ان کے اُصول پر قیاس سے حاصل ہو“۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴)

علم صحیح کی چار بنیادیں

حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں کہ علم دین کے حصول کی چار بنیادیں ہیں:

(۱) جو صراحۃً یا دلالۃً کتاب اللہ سے ثابت ہو۔

(۲) جو صراحۃً یا دلالۃً سنت رسول اللہ سے ثابت ہو۔

(۳) جس پر صحابہؓ نے اتفاق کرلیا ہو یا اختلاف ہو؛ لیکن ان کے مجموعی اقوال سے خروج نہ ہو۔

(۴) جس کو جمہور فقہاء امت نے اختیار کیا ہو، اور اس کی نظیر اُصول میں موجود ہو۔

مذکورہ وجوہ سے عموماً علم صحیح خالی نہیں ہوسکتا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴)

علم وحکمت روشنی ہے

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ”علم وحکمت محض زیادہ مسائل جاننے کا نام نہیں ہے؛ بلکہ وہ نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں“۔ (معالم اِرشادیہ ۱۵)

علم کا اثر خشیت خداوندی ہے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ: ”زیادہ احادیث جاننے کا نام علم نہیں ہے؛ بلکہ علم دراصل اللہ کی خشیت کا نام ہے“۔ (معالم اِرشادیہ ۱۵)

علم دین ہی علم نافع ہے

جس سے اللہ کی خشیت پیدا ہو، یہی وہ علم ہے جس میں اِضافے کی دعا کا پیغمبر علیہ السلام

کو حکم دیا گیا ہے؛ چناں چہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طه: ١١٤] (یعنی اے پیغمبر علیہ السلام آپ اِس طرح دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اِضافہ فرمایئے) چناں چہ آپ اکثر علم نافع کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر صبح کی نماز سے فارغ ہوکر یہ دعا مانگتے تھے: "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا". (المصنف لابن أبي شيبة حديث: ٢٩٨٧٥) (یعنی اے اللہ! میں آپ سے نفع بخش علم، پاکیزہ روزی اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں)

واقعۃً یہ ایسی دعا ہے جس کا ہر مسلمان خصوصاً ہر طالب علم کو اہتمام رکھنا چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۵-۱۶)

عمل مقبول

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سجدے میں یہ دعا فرماتے تھے: "اَللّٰهُمَّ لَکَ سَجَدَ سَوَادِي وَبِکَ آمَنَ فُؤَادِي. اللّٰهُمَّ أَرْزُقْنِي عِلْمًا يَّنْفَعُنِي وَعَمَلاً يَرْفَعُنِي". (یعنی اے اللہ! میرا بدن تیرے سامنے سجدہ ریز ہے اور میرا دل آپ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے، اے اللہ آپ مجھے ایسا علم عطا فرمایئے جو مجھے نفع دے، اور ایسے عمل سے نوازیئے جو مجھے سر بلندی عطا کرے) (مصنف ابن ابی شیبہ رقم: ۴۴۰۶، معالم اِرشادیہ ۱۶)

غیر نافع علم سے دُور رہیں

طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ بے فائدہ علم کے جال میں پھنسنے سے پوری طرح احتراز کرے، اور ایسے مشاغل سے دور رہے جو اُس کے اصل مقصود میں رکاوٹ بنے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶)

اپنی نیت درست رکھیں!

نیز طالب علم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی نیت درست رکھے، اور صرف اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی اور دینی خدمت کو ہی پیش نظر رکھ کر تمام علمی سرگرمیوں کو انجام دے؛ حتیٰ کہ سبق میں حاضری اور دینی کتابوں کی خریداری کے لئے آمدورفت اور اَساتذہ کی خدمت میں حاضری میں بھی نیت کا استحضار رکھے۔ اور ایسے اَساتذہ کو منتخب کرے جو حسن نیت اور حسن تربیت میں اُس کے لئے مفید ہوں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸-۱۹)

بے فائدہ مشاغل سے بچیں!

طالب علم کو خاص کر درج ذیل باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے:

(۱) بے فائدہ قیل وقال۔

(۲) بے جا سوال وجواب۔

(۳) فضول گفتگو۔

(۴) کٹھ حجتی اور بحث بازی۔

(۵) نادر ونایاب مسائل میں دلچسپی۔

(۶) غیر معتبر کتابوں کے حوالوں سے دلچسپی۔

(۷) اَساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے بجائے محض اپنے مطالعہ پر اعتماد۔

مذکورہ باتوں سے خصوصاً ہر طالب علم کو احتیاط کرنی چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۹)

کثرتِ معلومات کا نام علم نہیں

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل بہت سے لوگوں نے محض کثرتِ معلومات کو علم سمجھ رکھا ہے، مثلاً: فلاں مسئلے کے کتنے مصادر ہیں؟ اور پھر اُن کو جمع کر کے کتابوں کے حواشی میں چھاپ دیا جاتا ہے، اور اِس کام کو انجام دینے والا ''العلامۃ المحقق'' اور ''عالم الوقت'' اور ''محدث العصر'' سمجھا جاتا ہے۔ یا اِس زمانے میں رائج کمپیوٹر کے پروگراموں سے اِستفادہ کر کے لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ بہت بڑے عالم، حافظ حدیث اور مجتہد بن گئے ہیں، اور اَب

اُنہیں اَساتذہ ومشائخ سے براہِ راست استفادے کی ضرورت نہیں رہی؛ حالاں کہ اُنہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ کمپیوٹر کے ڈیجیٹل پروگرام اگر نااہل لوگ چلائیں گے (اور اُن پر ہی اعتماد کریں گے) تو یہ انجام کار اُس حدیث کے مصداق ہوں گے، جس میں پیغمبر علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالاً، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا''.

(سنن ابن ماجة، المقدمة / باب اجتناب الرأي والقياس رقم: ٥٢) (لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا بنالیں گے، پھر اُن سے مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے، پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)

اور اِس سے بھی زیادہ علم سے دور وہ لوگ ہیں جو صرف اِس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کون سی کتاب کب اور کہاں سے شائع ہوئی؟ اور کس نے اُس کو ایڈٹ کیا، اُس کے مخطوطات کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟ تو اِن باتوں کو جان کر وہ اپنے کو ''مرجع العلماء'' سمجھنے لگتے ہیں۔

حالاں کہ علم کا مقام اِن سب باتوں سے اُوپر اور الگ ہے، اور وہ یہ ہے کہ علم شرعی تو دراصل قوتِ حافظہ، فہم وفراست، علم وعمل میں توافق، اللہ تعالیٰ کی بندگی، برائیوں سے حفاظت ہمیشہ اپنے نفس کے محاسبے، اللہ تعالیٰ کے دھیان میں مشغول ہونے، کامل اتباعِ سنت اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کی بہترین طریقے پر پیروی کا نام ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۹-۲۰)

علم نافع تھوڑا بھی بہت ہے

مشہور محدث اور عظیم تابعی اِمام الشعبی رحمۃ اللہ علیہ علم نافع کی قدر ومنزلت اور اہمیت بتاتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں کہ: ''اگر کوئی شخص ملک شام کے کنارے سے یمن کا سفر کرے، اور اِس سفر کے دوران اُسے کوئی ایسی بات مل جائے، جو اُس کے لئے اگلی عمر میں نفع بخش ہو، تو میں سمجھتا ہوں کہ اُس کا سفر ضائع نہ ہوگا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳)

❍❖❍

دوسری فصل:

علم سیکھنا بڑی بڑی عبادتوں پر بھاری ہے

اِمام محمد ابن سحنونؒ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ اُن کے پاس پڑھنے آتا تھا، تو ایک دن بچے کا باپ اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ''میں نے گھر کا سب کام کاج اپنے ذمے میں لے لیا ہے، اور اِس بچے کے پڑھنے میں مشغولی کی وجہ سے میں اُس سے کوئی کام نہیں لیتا ہوں''۔ تو حضرت ابن سحنونؒ نے اُس باپ سے کہا کہ ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ اِس بچے کو پڑھانے کا اجر وثواب نفلی حج اور جہادِ کفایہ وغیرہ سے بھی زیادہ ہے؟''

لہٰذا والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو علم دین پڑھانے کا اہتمام کریں، اور بقدرِ وسعت اُن کو معاش سے مستغنی رکھنے کی کوشش کریں؛ تاکہ وہ یکسو ہو کر علم حاصل کرسکیں۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵-۳۶)

علم چراغ ہے

اَئمہ اَربعہ سے منقول ہے کہ ''علم دین سیکھنا نفل نماز پڑھنے سے افضل ہے''؛ کیوں کہ علم ایک روشن چراغ ہے، جس کے ذریعہ سے جہالت اور نفسانی خواہشات کی اندھیریوں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور جو شخص تاریک راستے میں چراغ کے بغیر چلے، تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ہلاکت خیز کنویں میں گر کر ہلاک ہو جائے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۶)

علم دین سیکھنا فرض ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ''. (سنن ابن ماجة رقم: ٢٢٤) (یعنی علم دین کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے)

پھر فرض دو طرح کے ہیں:

(۱) فرضِ عین:- یعنی اُن مسائل ومعلومات کا جاننا جن پر فرائض اور عبادات کی اَدائیگی کا مدار ہے۔ جیسے: ضروری مسائل طہارت ونماز وغیرہ۔

(۲) فرضِ کفایہ:- یعنی اُس علم کا جاننا جسے اگر کچھ لوگ حاصل کرلیں تو بقیہ کی طرف سے کفایت ہوجاتی ہے۔ جیسے: علومِ تفسیر وحدیث وفقہ میں کمال حاصل کرنا وغیرہ۔

بہر حال اُمتِ مسلمہ کو چاہئے کہ وہ حسبِ ضرورت دونوں طرح کے علوم کو حاصل کرنے میں کوئی کمی نہ کریں؛ تاکہ کوئی بھی مسلم معاشرہ اور شہر ماہر علماء سے خالی نہ رہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۷-۳۹)

ماہر علماء کا وجود اُمت پر فرضِ کفایہ ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ ''مختلف علومِ دینیہ کے الگ الگ ماہرین کا وجود مجموعی حیثیت سے اُمت پر فرض کفایہ ہے، اور اِس صفت کے حاملین کی نشو ونما اور تیاری کے اسباب فراہم کرنا اُمت پر لازم ہے؛ تاکہ اُمت کی دینی ضروریات کی تکمیل ہو اور گمراہی اور ضلالت سے حفاظت ہو''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹-۴۰)

علم دین انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے

مختلف روایات سے ثابت ہے کہ علم دین انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے۔

اِمام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ چند شاگردوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، تو وہاں سے ایک دیہاتی شخص کا گذر ہوا، تو اس نے مجمع دیکھ کر پوچھا یہ لوگ یہاں کس بات پر جمع ہو رہے ہیں؟ تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ: ''یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی میراث پر اکٹھا ہو رہے ہیں'' (گویا کہ علمی مذاکرہ یہی نبوی میراث ہے) (معالم اِرشادیہ ۴۲-۴۳)

علم دین خوشبو ہے

حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''بعض حضرات نے یہ خواب دیکھا کہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں اور بہت سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد جمع ہیں، جب کہ اِمام دار الہجرۃ اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں، اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس میں سے ایک مٹھی اُٹھا کر اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو دے رہے ہیں، اور اِمام مالکؒ اُس خوشبو کو سب لوگوں میں تقسیم فرما رہے ہیں، تو اِس خواب کی تعبیر یہ دی گئی کہ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو علومِ نبوت اور اتباعِ سنت سے بڑا حصہ نصیب ہوا ہے۔ (جو اُن کے واسطے سے دنیا میں پھیلے گا)۔ (معالم اِرشادیہ ۴۴-۴۵)

علمی مجلس یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے سے اَفضل ہے

احمد بن عبدالرحمٰن بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ”میں اپنے چچا عبداللہ بن وہبؒ“ کے ساتھ مصر کے شہر اسکندریہ میں سرحد کی حفاظت کی غرض سے مقیم تھا، جب شہر کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ابن وہبؒ یہاں تشریف لائے ہیں، تو علم سیکھنے کے لئے ان کی طرف لوگوں کا رجوع ہونے لگا، تو ابن وہبؒ نے سوچا کہ ہم تو یہاں عبادت کی غرض سے آئے ہیں، اور علمی مجالس کی وجہ سے عبادت میں یکسوئی حاصل نہ ہوگی، اِس لئے اُنہوں نے مجالس کا سلسلہ بند کر دیا اور کامل یکسوئی کے ساتھ عبادت اور سرحد کی حفاظت میں مشغول ہو گئے، تو ابھی دو ہی دن گذرے تھے کہ ایک شخص ابن وہبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنا خواب بیان کیا کہ ”میں نے دیکھا ہے کہ میں مسجد حرام مکہ معظّمہ میں ہوں اور وہاں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں، اور آپ کے دائیں جانب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بائیں جانب سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور آپ (ابن وہبؒ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہیں، اور وہاں کچھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، جو بہت ہی چمک دار اور روشن ہیں، ان میں سے ایک قندیل اچانک بجھ گئی، تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”عبداللہ بن وہب جاؤ، اسے جلا دو“! چناں چہ آپ نے جا کر اسے جلا دیا، پھر کچھ عرصہ گذرا تو وہ ساری قندیلیں بجھنے لگیں، تو خواب ہی میں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ان قندیلوں کو دیکھ رہے ہیں کہ (بجھتی جا رہی ہیں) تو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''یہ دراصل عبداللہ بن وہبؒ کے اعمال ہیں جنہیں وہ خود بجھانے کا ارادہ کر رہے ہیں''۔

یہ خواب سن کر حضرت عبداللہ بن وہبؒ پر بہت زیادہ گریہ طاری ہو گیا تو خواب دیکھنے والا آدمی آپ کو روتا دیکھ کر بہت پریشان ہوا، اور اس نے عرض کیا کہ میں نے بشارت سمجھ کر یہ خواب بیان کیا تھا، اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ اس سے آپ کو تکلیف ہوگی تو میں یہ خواب آپ سے بیان نہ کرتا، تو حضرت عبداللہ بن وہبؒ نے فرمایا کہ یہ خواب تو اچھا ہے؛ لیکن اس میں مجھے نصیحت کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ علم کی نشر و اشاعت کے مقابلے میں عبادت کرنا افضل ہے (لیکن اس خواب سے اشارہ ملا کہ اشتغال بالعلم کی فضیلت زیادہ ہے) چناں چہ اس کے بعد عبداللہ بن وہبؒ نے اپنے اوقات کا زیادہ حصہ علم کی نشر و اشاعت کے لئے فارغ کر دیا، اور لوگ ان کے پاس کتابیں پڑھنے اور مسائل جاننے کے لئے آنے جانے لگے؛ تا آں کہ ان کی وفات بھی علمی مشغلے ہی میں ہوئی۔ وہ اس طرح کہ وہ اپنی مجلس میں قیامت کے حالات پر مشتمل لکھی ہوئی کتاب سنا رہے تھے، اسی درمیان بے ہوش ہو کر گر پڑے، اور اسی حالت میں چند روز کے بعد انتقال ہو گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (معالم إرشادیہ ۴۵-۴۶)

عبادت پر علم کو ترجیح

قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ ''اسد بن فراتؒ'' تحصیل علم کے لئے قیروان سے مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ پھر وہاں سے بغداد پہنچے، اور اِمام ابویوسفؒ سے وہاں ملاقات کی، تو اِمام ابویوسفؒ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''انہیں اپنے پاس رکھ لو، امید کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائیں گے''۔ الغرض میں اُن صاحب کے ساتھ ان کے گھر پہنچا، تو پتہ چلا کہ ''وہ اِمام محمد بن الحسن الشیبانیؒ ہیں''۔ چناں چہ میں اُن سے استفادہ کرتا رہا؛ یہاں تک کہ ان کے شاگردوں میں مناظرہ کرنے والوں میں شامل ہو گیا''۔
(یعنی ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو دلائل کی معرفت اور علم کی روشنی میں بحث و مباحثہ کر سکیں)

اسد بن فراتؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام محمدؒ سے عرض کیا کہ میں پردیسی ہوں اور آپ کی مصروفیت کی وجہ سے براہِ راست آپ سے علم سیکھنا میرے لئے مشکل ہوتا ہے، تو حضرت امام محمدؒ نے ان سے فرمایا کہ تم دن میں دیگر عراقی علماء سے علم حاصل کیا کرو، اور رات میں میرے پاس آجایا کرو، اور رات میرے ساتھ گذارا کرو، تو میں تمہیں رات میں پڑھایا کروں گا، چناں چہ وہ مجھے پڑھاتے اور جب یہ دیکھتے کہ مجھ پر اونگھ طاری ہے تو میرے چہرے پر پانی کا چھینٹا دیتے تھے۔

نیز اسد بن فراتؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ نے سفرِ حج میں مجھے اپنا رفیق سفر بنانے کی خواہش ظاہر فرمائی، تو شروع میں مجھے کچھ تردد تھا؛ لیکن ساتھیوں کے ترغیب دلانے پر میں حضرت کے ساتھ سفر پر گیا، تو دورانِ سفر میں حضرت سے جو چاہتا سوالات کرتا رہتا تھا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں نے ایسے وقت سوال کیا جب حضرت نماز کی نیت باندھے ہوتے، تو آپ زور سے قرأت فرماتے؛ تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ نماز میں ہیں، تو میں عرض کرتا کہ میں تو اتنی دور سے سفر کر کے آپ کے ساتھ آیا ہوں اور آپ نماز میں مشغول ہو کر مجھے محروم فرما رہے ہیں، تو حضرت میری بات سن کر نماز مختصر فرما کر سلام پھیر کر میرے سوال کا جواب دیتے (گویا کہ عبادت کے مقابلے میں علمی اشتغال کو ترجیح دیتے تھے)

یہی اسد بن فراتؒ مصر پہنچے اور علامہ ابن القاسم سے علمی استفادہ کا اِرادہ کیا، تو انہوں نے ان کے جذبہ علم کی قدردانی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دن رات میں دو مرتبہ قرآن ختم کرتا ہوں؛ لیکن تمہاری خاطر ایک مرتبہ قرآن ختم کیا کروں گا، اور جو فارغ وقت ہے اسے تمہیں پڑھانے میں لگاؤں گا۔ (اللہ اکبر! یہ ہے عبادت پر علم کی ترجیح کا بے مثال مظاہرہ)

حضرت اِمام اَحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ جب محدث کبیر اِمام ابوزرعہ دازی ابا جان (اِمام اَحمد بن حنبلؒ) کے یہاں مہمان ہوتے، تو اکثر علمی مذاکرے میں مشغول رہتے، تو ایک دن میں نے اپنے ابا جان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

میں ابوزرعہ سے علمی مذاکرے کو اپنی نفلی نمازوں پر ترجیح دیتا ہوں، اور فرض نمازوں پر اکتفا کرتا ہوں، جب کہ صحت وقوت کے زمانے میں حضرت اِمام اَحمد بن حنبلؒ کا ہر روز تین سو رکعت نوافل پڑھنے کا معمول تھا، اور جب صحت کمزور ہوگئی تو بھی آپ ڈیڑھ سو رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔(معالم اِرشادیہ ۴۶-۴۷)

علم میں مشغولی عبادت ہے

ایک مرتبہ صحابی رسول سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس تشریف لائے، حضرت نے پوچھا کہ اس وقت آنے کا کیا سبب ہے؟ تو حضرت ابوموسیؓ نے فرمایا کہ کچھ فقہی مذاکرہ کرنا ہے؛ چناں چہ دیر رات تک علمی گفتگو جاری رہی، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب نماز پڑھ لی جائے، تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "إِنَّـا فِيْ صَـلاةٍ" (گویا کہ ہم نماز ہی میں مشغول ہیں) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم فجر کے قریب تک علمی مذاکرے میں مشغول رہے۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقولہ مشہور ہے: "اَلـدِّرَاسَةُ صَلاةٌ"۔(پڑھنا لکھنا بھی عبادت ہے)

اور اِمام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے: "أَيُّ عَـمَلٍ أَفْضَلُ مِنْ طَلَبِ الْعِلْمِ"؟ (طلب علم سے اَفضل کونسا عمل ہوسکتا ہے)(معالم اِرشادیہ ۴۸-۴۹)

علماء ستاروں کے مانند ہیں

خادمِ رسول سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "روئے زمین میں علماء کی مثال آسمان میں چمکنے والے ستاروں کے مانند ہے، جن کے ذریعہ سے بحر وبر کی اندھیریوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، پس اگر ستارے بے نور ہوجائیں تو عنقریب راہ گیر گمراہ ہوسکتے ہیں"۔(معالم اِرشادیہ ۵۳)

❑❖❑

دوسرا باب

طلبہ عزیز کے لئے نشانِ راہ

تمہید:

علم کی تحصیل کے لئے چند ضروری باتیں

حضرت اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب علم میں جب تک تین صفات نہ ہوں اسے علم میں کمال حاصل نہیں ہوسکتا:

(۱) علم کا ذوق وشوق۔

(۲) قدرتی فہم وذکاء۔

(۳) بقدر ضرورت معاش کا انتظام۔

اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طالب علم کے اندر تین صفات پائی جانی ضروری ہیں:

(۱) لمبی عمر (یعنی لمبی مدت تک تحصیل علم میں اشتغال)

(۲) مالی آسودگی (یعنی طالبِ علمی کے دوران ذرائع معاش اختیار کرنے سے بچا جائے، اور قناعت اختیار کی جائے)

(۳) فہم وذکاوت (یعنی جس شخص کو مباحث سمجھنے کے لئے من جانب اللہ ذہانت وذکاوت عطا کی جائے وہی اپنے مقصد تک جلدی پہنچ سکتا ہے)

یہ تینوں باتیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ آپ کی عمر کل ۵۴ رسال کی ہوئی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے علم میں بے مثال برکت عطا فرمائی تھی۔ (معالم اِرشادیہ ۵۹-۶۰)

اور علامہ ماوردیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ شرائط جن کے ذریعہ سے طالب علم کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے علم میں کمال حاصل ہوتا ہے اور مدد ملتی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) عقل (۲) فہم (۳) ہونہاری (۴) علم حاصل کرنے کا شوق (۵) بقدر کفایت مال (۶) کام کاج سے بے نیازی (۷) ہموم وغموم سے یک سوئی (۸) طویل عمر (۹) مشفق اور مہربان اُستاذ۔ (معالم اِرشادیہ ۶۱)

حافظ ابن النجارؒ نے اِمام الحرمین کے حوالے سے یہ اَشعار نقل فرمائے ہیں:

أَخِي لَنْ تَنَالَ الْعِلْمَ إِلَّا بِسِتَّةٍ ❖ سَأُنْبِئُكَ عَنْ تَفْصِيلِهَا بِبَيَانٖ

ذَكَاءٌ وَ حِرْصٌ وَ افْتِقَارٌ وَ غُرْبَةٌ ❖ وَ تَلْقِينُ أُسْتَاذٍ وَ طُولُ زَمَانٖ

(۱) میرے بھائی تم چھ باتوں کے بغیر علم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے، جن کو میں تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

(۲) فہم وذکاء، شوق، ناداری، پردیس، اُستاذ کی تلقین وتربیت اور لمبی مدت۔ (معالم اِرشادیہ ۶۲)

اِمام ابن العربی المالکیؒ فرماتے ہیں کہ ویسے تو تعلیم وتعلم کی شرائط اور ذمہ داریاں بہت ساری ہیں؛ لیکن بنیادی طور پر درج ذیل ۷؍ باتوں کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے:

(۱) اخلاص (۲) علم کے لئے تواضع (۳) اُستاذ کے سامنے تواضع (۴) اُستاذ کے مشورہ کی تعمیل (۵) بتدریج علم کا حصول (۶) علم کا مذاکرہ (۷) علم پر عمل۔ (معالم اِرشادیہ ۶۲)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چند چیزیں حصولِ علم میں بہت معاون بنتی ہیں:

(۱) اچھی طرح تیز عبارت پڑھنا (۲) خوش خطی کے ساتھ تیز رفتار تحریر (۳) اچھے طلبہ کی صحبت (۴) اُمراء اور بڑے لوگوں کے پاس آمد ورفت سے بچنا (۵) وقت کو کار آمد بنانا۔ (معالم اِرشادیہ ۶۲-۶۳)

کم فہمی کا کوئی علاج نہیں

امام عبداللہ بن شبرمہؒ جو بڑے فقہاء تابعین میں سے ہیں، ان کے پاس ایک شخص مسئلہ

پوچھنے آیا، آپ نے مسئلہ بتا دیا، اُس شخص نے کہا کہ میں سمجھ نہیں سکا، حضرت نے دوبارہ مسئلہ سمجھایا، تو پھر وہ سمجھ نہیں پایا، تو آپ نے اس شخص سے کہا کہ ''اگر تم اس لئے نہیں سمجھ سکے کہ تمہیں سمجھ میں نہیں آیا، تو دوبارہ سمجھانے سے سمجھ میں آ سکتا ہے؛ لیکن اگر بات یہ ہے کہ تمہارے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو یہ لاعلاج مرض ہے''۔ (یعنی جس شخص کی فہم میں قصور ہو اس کو سمجھانے سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے) (معالم اِرشادیہ ۶۰)

پہلی فصل:

اخلاص کا ایک عجیب واقعہ

علامہ ابن قتیبہؒ نے ''عیون الاخبار'' میں نقل کیا ہے کہ سپہ سالار مسلمہ بن عبدالملک نے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، تو اس قلعہ میں داخلے کے لئے ایک سرنگ تھی، مسلمہ بن عبدالملک نے لوگوں کو سرنگ میں داخلے کی ترغیب دی، تو کسی کو ہمت نہیں ہورہی تھی کہ اچانک لشکر میں شامل ایک معمولی سا شخص نمودار ہوا، جس کو کوئی پہچانتا بھی نہ تھا، وہ سرنگ میں داخل ہوگیا، جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے وہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح فرمادیا، فتح کے بعد مسلمہ نے اعلان کیا کہ ''سرنگ میں داخل ہونے والا شخص کون ہے؟ وہ سامنے آئے''؛ لیکن کوئی سامنے نہیں آیا۔ تو اُس نے کہا کہ میں نے حفاظتی افسر کو حکم دے دیا ہے کہ وہ جب بھی آنا چاہے، میری طرف سے ملاقات کی اجازت ہے، چناں چہ ایک شخص اس افسر کے پاس آیا اور ملاقات کی اجازت چاہی، افسر نے کہا ''کیا سرنگ والے آدمی تمہیں ہو؟'' اس نے کہا میں اس کے بارے میں بتاؤں گا، چناں چہ اس کو امیر لشکر مسلمہ سے ملنے کی اجازت مل گئی، جب وہ مسلمہ کے پاس پہنچا تو اس نے یہ کہا کہ سرنگ میں داخل ہونے والا شخص آپ لوگوں سے تین باتوں کی شرط کرنا چاہتا ہے:

(۱) اس کا نام لکھ کر خلیفہ کے پاس نہ بھیجا جائے۔

(۲) اس کے لئے کسی مالی انعام دینے کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

(۳) اس کے نام ونسب اور خاندان کے بارے میں نہ پوچھا جائے، یہ سن کر امیر مسلمہ نے کہا کہ اس کی سب شرطیں منظور ہے، تو اس شخص نے کہا کہ ''میں ہی سرنگ والا ہوں''۔ (اللہ اکبر! یہ ہے کمالِ اخلاص)

چناں چہ اس واقعہ کے بعد امیر مسلمہ جب بھی نماز کے بعد دعا کرتے تو یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مَعَ صَاحِبِ النَّقَبِ. (یعنی اے اللہ! میرا حشر اسی سرنگ والے کے ساتھ فرما)
(معالم اِرشادیہ ۶۵)

اخلاص کی تعریف

حضرت امام غزالیؒ نے ''اخلاص'' کی تعریف کرتے ہوئے امام ابو یعقوب السوسیؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ ''اَلإِخْلَاصُ فَقْدُ الْإِخْلَاصِ''، یعنی اخلاص کی پہچان یہ ہے کہ آدمی اپنے کو کبھی مخلص نہ سمجھے (واقعی یہ بڑی عجیب اور جامع تعریف ہے)(معالم اِرشادیہ ۶۵-۶۶)

اخلاص کے بغیر طلبِ علم موجبِ ذلت ہے

حضرت اِمام حماد بن سلمہؒ کا مقولہ ہے کہ: ''مَنْ طَلَبَ الْحَدِيْثَ لِغَيْرِ اللّٰهِ مُكِرَ بِهٖ'' یعنی جس شخص نے اخلاص کے بغیر کسی دنیوی غرض سے علم دین سیکھا ہے، تو وہ اللہ کی طرف سے آزمائش میں ڈالا جائے گا اور خیر کی توفیق سے محروم رہے گا، اور دنیا وآخرت میں ذلیل ہو جائے گا۔(معالم اِرشادیہ ۶۶-۶۷)

شروع میں استحضار نیت نہ ہو تو کیا کریں؟

مشہور تابعی حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ابتداء میں ہم نے یہ علم بغیر کسی خاص نیت کے حاصل کیا؛ لیکن بعد میں نیت درست ہوگئی'' (گویا کہ علم کی برکت سے تصحیح نیت کی توفیق میسر آئی)(معالم اِرشادیہ ۶۸)

❍❖❍

دوسری فصل:

حضرت اِمام شافعیؒ کی طالب علم پر مثالی محنت

علامہ قفالؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ اِمام ربیع بن سلیمان المرادیؒ (جو حضرت اِمام شافعیؒ کے خاص شاگرد ہیں) کچھ کم فہم تھے، تو حضرت اِمام شافعیؒ اُن کو سمجھانے کے لئے کبھی کبھی سبق میں ایک مسئلہ چالیس چالیس مرتبہ دہراتے، مگر ربیع ابن سلیمانؒ کی سمجھ میں نہ آتا، اور شرم کے مارے مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے، تو حضرت اِمام شافعیؒ انہیں تنہائی میں طلب فرماتے، اور پھر وہی مسئلہ اُنہیں اچھی طرح سمجھاتے رہتے؛ تا آں کہ اُنہیں سمجھ میں آجاتا، اور آپ ربیع بن سلیمانؒ سے فرماتے کہ ''تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو''۔ اور کبھی فرماتے کہ ''ربیع ابن سلیمان نے میری جتنی خدمت کی اتنی کسی نے نہیں کی''۔

اور ایک دن حضرت نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''يَا رَبِيعُ! لَوْ أَمْكَنَنِي أَنْ أُطْعِمَكَ الْعِلْمَ لَأَطْعَمْتُكَ'' (یعنی اے ربیع! اگر میرے بس میں ہوتا کہ تمہیں علم (کھانے کی طرح لقمہ بنا کر) کھلا دوں، تو ضرور کھلا دیتا)

(سبحان اللہ! کیا شانِ شفقت ہے) (معالم اِرشادیہ ۷۷-۷۸)

علم میں انہماک کے عجیب واقعات

سلف صالحین محدثین اور فقہاء پر اشتغال بالعلم کا کس قدر غلبہ تھا، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل عجیب وغریب اور دلچسپ واقعات سے لگایا جا سکتا ہے:

(۱) اِمام ابو العباس محمد بن یعقوب الاصمؒ کے بارے میں اِمام نیشاپوریؒ فرماتے ہیں کہ

میں ایک مرتبہ ان سے ملنے کے لئے ان کی مسجد میں پہنچا، عصر کا وقت ہو چکا تھا، تو شیخ ابوالعباس الاصم اَذان دینے کے لئے ''مئذنة'' (اذان دینے کی اونچی جگہ) پرتشریف لے گئے؛ لیکن وہاں پہنچ کر اذان دینے کے بجائے بہت بلند آواز سے یہ پڑھنا شروع کر دیا کہ ''أخبرنا الربیع بن سلیمان أخبرنا الشافعي'' پھر جب خیال آیا تو خود بھی ہنسے اور جنھوں نے سنا وہ بھی خوب محظوظ ہوئے، پھر اذان دی۔

(۲) خطیب بغدادیؒ نے ابن شاہینؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اِمام الحافظ ابوبکر محمد بن محمد الباغندی ایک مرتبہ نماز پڑھانے کے لئے مصلیٰ پر پہنچے، اور تکبیر تحریمہ کہی، اور پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بجائے ''حدثنا لوین'' اور ''أنبأنا شیبان بن الفروخ الأیلي'' پڑھنا شروع کر دیا، تو پیچھے سے مقتدیوں نے سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا، تو سورۂ فاتحہ شروع کی۔

(۳) علامہ ابن الجوزیؒ نے لکھا ہے کہ قاضی ابوجعفر محمد بن احمد بن محمود النسفی الحنفیؒ فقہ کے بڑے عالم تھے، اور زاہد فی الدنیا اور تنگ دست شخص تھے، ایک رات انتہائی تنگ دستی کے زمانہ میں مطالعہ میں مشغول تھے کہ فقہ کے جس جزئیہ کی تلاش تھی، وہ اَچانک اُنہیں مل گیا، جسے دیکھ کر اُن پر ایسا حال طاری ہوا کہ کھڑے ہو کر گھر میں رقص کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ''کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ اور شہزادے؟'' تو اُن کی بیوی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی۔

(۴) حضرت امام محمد ابن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ رات بھر جاگ کر مشکل مسائل کے حل میں مشغول رہتے؛ لیکن راتوں رات جاگنے کے باوجود کچھ بھی تھکاوٹ کا احساس تک نہ ہوتا۔ اور زبان پر یہ جملہ ہوتا تھا: ''أَیْنَ أَبْنَاءُ الْمُلُوْکِ مِنْ هٰذِهِ اللَّذَّاتِ'' (شہزادوں کو یہ لذتیں کہاں نصیب ہیں) (معالم اِرشادیہ حاشیہ ۸۰)

دنیا میں اولیاء اللہ کا قلبی سکون قابل رشک ہے

ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ مشہور عارف باللہ حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس دنیا میں ہم کو جو قلبی سکون اور نعمتیں میسر ہیں، اگر بادشاہوں اور

شہزادوں کو ان کا پتہ چل جائے تو وہ تلوار لے کر ان نعمتوں کے حصول کے لئے ہم سے لڑائی جھگڑا کرنے لگیں''۔(معالم اِرشادیہ حاشیہ ۸۰)

وقت کی قدر اور علم کا شوق

صاحب تصانیف کثیرہ علامہ ابن الجوزیؒ وقت کے بڑے ہی زیادہ قدرداں تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ ''میں لوگوں سے میل جول صرف بقدر ضرورت رکھتا ہوں، خاص طور پر بیکار لوگوں کی مجلسوں میں جا کر اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتا، اور اگر کوئی مجھ سے ملنے آتا ہے تو کم سے کم گفتگو کرتا ہوں؛ تا کہ وہ زیادہ دیر بیٹھ کر میرے کاموں میں مخل نہ ہو۔ اور لوگوں سے ملنے کے دوران بھی میں اکثر ایسے کام کرتا رہتا ہوں جس میں زیادہ دماغ لگانے کی ضرورت نہ پڑے، مثلاً کاغذ کاٹنا، قلم چھیلنا، کاپی تیار کرنا وغیرہ۔ گویا بات چیت کا وقت بھی کار آمد بنانے کی کوشش کرتا ہوں''۔

نیز فرمایا کہ ''میں کبھی بھی کتابوں کے مطالعہ سے اکتایا نہیں ہوں، اگر کوئی نئی کتاب میرے سامنے آتی ہے تو مجھے ایسی خوشی حاصل ہوتی ہے گویا کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہو، میں اگر یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ میں نے بیس ہزار جلدوں سے زیادہ کا مطالعہ کیا ہے، اس کے باوجود بھی میں مزید کتابوں کے مطالعہ کا شوق اپنے دل میں رکھتا ہوں''۔(معالم اِرشادیہ ۸۴-۸۵)

شمعِ علم پر پگھلے بغیر رونق نہیں آسکتی

مشہور صاحبِ حکمت عالم دین ''اِمام ابن عطاء اللہ الاسکندریؒ'' کا مشہور مقولہ ہے، جو ہر عالم اور طالب علم کو ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ: مَنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ بِدَايَةٌ مُحْرِقَةٌ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِهَايَةٌ مُشْرِقَةٌ (یعنی جس کی ابتدائی طالب علمی کی زندگی محنت و مشقت میں نہ گذری ہو اس کی آخری زندگی روشن اور چمک دار نہیں ہوسکتی)(معالم اِرشادیہ ۸۶)

دورانِ طواف علمی مشغلہ

حضرت اِمام اَحمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ طواف کے

دوران علمی افادہ اور استفادہ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، اوران کی زبان سے یہ جملے سنے جاتے تھے کہ ’’فلاں راوی قوی اور فلاں ضعیف ہے‘‘، گویا کہ ایک ہی وقت میں علم اور طواف کی عبادتیں جمع فرماتے تھے۔ (معالم اِرشادیہ ۸۹)

علمی مجلس میں ذکر کا اہتمام

صاحب فتح الباری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بارے میں آپ کے شاگرد رشید علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ آپ جب علمی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو اپنی آستین میں تسبیح چھپا کر رکھتے تھے اور دورانِ مجلس چپکے چپکے تسبیح پڑھتے رہتے تھے، کبھی کبھی وہ تسبیح ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر جاتی، تو آپ کو بہت احساس ہوتا تھا کہ اخفاء حال باقی نہ رہا۔ (معالم اِرشادیہ ۸۹)

حافظ ابن حجرؒ کا تصنیف وتالیف اور مطالعہ میں حیرت انگیز اشتغال

علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ ’’حافظ ابن حجرؒ نے ۲۱ر رمضان المبارک ۸۰۲ھ سے یکم محرم ۸۰۳ھ تک کل سو دن دمشق میں قیام فرمایا، اس مختصر مدت میں آپ نے جو کتابیں پڑھیں اور سنیں ان کی کل مقدار ۳۰ر ضخیم جلدیں ہیں جو ساڑھے پانچ سو حدیثی اجزاء پر مشتمل تھیں، اور جو اجزاء الگ سے پڑھے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے تقریباً آٹھ جلدوں کے بقدر صفحات لکھے اور علامہ ضیاء البانی مقدسی کی کتاب ”المختارہ“ کے اَطراف حدیث پر ایک ضخیم جلد میں کام کیا۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس مدت میں یہی ایک کام کیا ہوتا تو وہی آپ کی جلالتِ شان کے لئے کافی تھا‘‘۔ (معالم اِرشادیہ ۹۰)

قوتِ حافظہ کی کامیاب تدبیر

عرب کے اندر ’’بلاذر‘‘ نام کی ایک دوا قوتِ حافظہ کے لئے لوگ استعمال کیا کرتے تھے، تو جب امام بخاریؒ کے حافظہ کا شہرہ ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ انہوں نے ’’بلاذر‘‘ کا پھل کھایا ہے، جس کی بناء پر ان کا حافظہ قوی ہوگیا ہے۔ تو ایک بڑے عالم محمد بن ابی حاتم

الوراقؒ نے خود حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تنہائی میں پوچھا کہ کیا قوتِ حافظہ بڑھانے کے لئے کوئی دوا مفید ہے، تو امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں ہے، پھر خود ہی فرمانے لگے کہ "میرے نزدیک دو باتوں سے زیادہ کوئی چیز قوتِ حافظہ کے لئے نفع بخش نہیں:

(۱) نَهْمَةُ الرَّجُلِ (یعنی آدمی کے دل میں علم کا انتہائی شوق وذوق)

(۲) مُدَاوَمَةُ النَّظَرِ (اور مسلسل تکرار ومطالعہ) (معالم اِرشادیہ ۹۰-۹۱)

(حضرت نے جو فرمایا وہ بالکل تجربہ سے صادق ہے، ذوق وشوق اور مسلسل اشتغال کے بغیر کوئی بھی بات دل میں محفوظ نہیں رہتی؛ بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ذہن سے محو ہوجاتی ہے) (مرتب)

قوتِ حافظہ کیسے بڑھے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سا عمل ہے جس سے حافظہ کی قوت پیدا ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: "البذر – البذر" (یعنی چراغ کا تیل) مطلب یہ ہے کہ جو شخص راتوں کو جاگ کر جتنا زیادہ مطالعہ کرے گا، اسی اعتبار سے اس کے حافظہ میں قوت پیدا ہوگی۔

منقول ہے کہ سقراط سے پوچھا گیا کہ آپ نے اتنا زیادہ علم کیسے محفوظ رکھا؟ تو آپ نے جواب دیا: "أَوْقَدْتُ مِنَ الزَّيْتِ أَكْثَرَ مِمَّا شَرِبْتُ مِنَ الْمَاءِ"۔ (یعنی میں نے زندگی میں جتنا پانی پیا ہے اس سے زیادہ (علم کی تحصیل کے لئے) چراغ میں تیل جلایا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۹۳)

جیل خانے میں علمی افادہ کا حیرت انگیز نمونہ

مشہور حنفی فقیہ علامہ شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی: ۴۹۰ھ) کو "اوزجند" کے حاکم نے ایک کنواں نما جیل خانہ میں قید کردیا تھا؛ لیکن اس حالت میں بھی آپ نے علمی افادہ کا حیرت انگیز سلسلہ جاری رکھا، وہ اس طرح کہ آپ کے شاگرد کنویں کی مینڈھ پر آکر جمع ہوجاتے، اور آپ کنویں کے اندر ہی سے حاکم شہید کی مشہور کتاب "الکافی" (جو کتب ستہ ظاہر الروایہ کا ملخص مجموعہ ہے) کی شرح کا املاء فرماتے تھے، اور یہ املاء صرف اپنی قوتِ حافظہ سے ہوتا تھا، کوئی

کتاب آپ کے سامنے نہ رہتی تھی؛ چناں چہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ شرح مکمل ہوئی، جو تیس اجزاء پر مشتمل ہے، اور ''مبسوط سرخسی'' کے نام سے مشہور ہے، جس کو فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قید ہی کے زمانے میں آپ نے اصولِ فقہ کی ایک کتاب کا املاء کرایا، جو دو جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

نیز اِمام محمدؒ کی کتاب ''السیر الکبیر'' کی دو جلدوں میں شرح بھی املاء کرادی، جس کی تکمیل رہائی کے بعد ہوئی۔ (معالم اِرشادیہ ۹۳)

شیخ ابو محمد الجوینیؒ کی عجیب دعاء

مشہور شافعی عالم اور فقیہ ''شیخ ابو محمد الجوینیؒ'' ہر روز فجر کی قنوت میں یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''**اَللّٰھُمَّ لاَ تَعقَّنَا عَنِ الْعِلْمِ بِعَائِقٍ وَلاَ تَمْنَعْنَا عَنْهُ بِمَانِعٍ، آمین**''۔ (یعنی اے اللہ! علم کی تحصیل اور اشتغال میں کسی مانع اور رکاوٹ سے ہمیں محفوظ رکھئے، آمین) (معالم اِرشادیہ ۹۶)

زندگی کے آخری لمحات تک علمی مذاکرہ

سلفِ صالحین کا علمی شغف اِس درجہ کا تھا کہ وہ نزع کے عالم میں بھی اسی مبارک مشغلہ میں لگے رہے۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

الف:- مشہور محدث ''شیخ ابو نعیم الفضل بن دُکینؒ'' فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد ''حضرت امام زفر بن ہذیلؒ'' کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کہ وہ نزع کے عالم میں تھے؛ لیکن اس وقت بھی ان کی زبان پر فقہی مسائل کا ذکر جاری تھا، اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ: ''فلاں صورت میں عورت کو پوری مہر ملیگی، اور فلاں صورت میں دو تہائی مہر ملے گی'' الخ۔

ب:- ابراہیم بن الجراحؒ کہتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں مزاج پرسی کی غرض سے حضرت امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہے، کچھ دیر

میں آپ کو ہوش آیا تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ ''ابراہیم! حج کے اس مسئلے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ اس نزع کی حالت میں مسئلہ کا استفسار کا کیا موقع ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں، بہت ممکن ہے کہ اس سے کوئی مبتلا بہ شخص فائدہ اٹھائے''۔ پھر آپ نے ابراہیم ابن الجراحؒ کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا کہ ''یہ بتاؤ! رمی جمار میں پیدل رمی کرنا افضل ہے یا سواری پر؟'' تو میں نے کہا کہ ''سواری پر''۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''غلط کہا''۔ پھر میں نے کہا کہ ''پیدل رمی کرنا افضل ہے''۔ تو آپ نے فرمایا کہ ''یہ بھی غلط ہے''۔ تو میں نے عرض کیا کہ ''حضرت پھر آپ ہی بتایئے کیا صحیح ہے؟'' تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ''جس رمی کے بعد دعا کے لئے ٹھہرنے کا حکم ہے اس میں پیدل چلنا افضل ہے (یعنی پہلے دو جمرات کے بعد) اور جس رمی کے بعد ٹھہرنے کا حکم نہیں ہے (یعنی تیسرے جمرہ) اس میں سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہے''۔

حضرت ابراہیم بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اِس گفتگو کے بعد میں ابھی حضرت کے مکان سے باہر ہی نکل رہا تھا کہ میں نے آپ کی وفات کی خبر سنی''۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (معالم اِرشادیہ ۹۷)

ج:- شام کے مشہور فقیہ اور شافعی عالم ربانی شیخ محمد سعید الادلبی (المتوفی ۱۳۷۰ھ) سے پوچھا گیا کہ ''نزع کے عالم میں آدمی کو کیا کرنا چاہئے؟'' تو آپ نے جواب دیا کہ ''اس حالت میں بھی طلب علم میں مشغول رہنا چاہئے''۔

چناں چہ اُنہوں نے خود اس پر عمل کر کے دکھلایا کہ جب ان پر سکرات کا عالم طاری ہوا، تو جب بھی کچھ افاقہ ہوتا تو فرماتے کہ کتاب لاؤ! چناں چہ ان کی موت اس حالت میں آئی کہ کتاب ان کے سینے پر رکھی ہوئی تھی۔ (معالم اِرشادیہ ۹۸)

تیسری فصل:

○

بلند ہمتی کے معنیٰ

سابق شیخ الازہر شیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٢٩٣ھ) بلند ہمتی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هُوَ اِسْتِصْغَارُ مَا دُوْنَ النِّهَايَةِ مِنْ مَعَالِي الْأُمُوْرِ" (یعنی بلند ہمتی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی آخری درجے کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کو بھی اپنی نظر میں ہلکا سمجھے) (معالم اِرشادیہ ٩٩)

طلب علم میں استقامت کامیابی کی دلیل

مشہور امام النحو علامہ ابن ہشامؒ (المتوفی ٧٦١ھ) فرماتے ہیں:

وَمَنْ يَّصْطَبِرْ لِلْعِلْمِ يَظْفُرْ بِنَيْلِهٖ ❖ وَمَنْ يَّخْطِبِ الْحَسْنَاءَ يَصْبِرُ عَلَى الْبَذْلِ

وَمَنْ لَّمْ يُذِلَّ النَّفْسَ فِيْ طَلَبِ الْعُلٰى ❖ يَسِيْرًا، يَعِشْ دَهْرًا طَوِيْلًا أَخَا ذُلٍّ

ترجمہ:- جو شخص تحصیل علم میں مسلسل لگا رہے وہ ضرور اپنی مراد کو پہنچے گا، اور جو حسین عورت کو پیغامِ نکاح دے تو اُسے اس پر مال خرچ کرنے میں تسلسل رکھنا پڑے گا۔

اور جو شخص بلند مقصد کی طلب میں تھوڑی دیر اپنے نفس کو ذلیل نہ کر سکے تو اس کو لمبے زمانے تک ذلت اٹھانی پڑے گی۔ (معالم اِرشادیہ ١٠٠-١٠١)

آرام طلبی کے ساتھ علم نہیں آ سکتا

معروف ثقہ تابعی عالم ابونصر یحییٰ ابن کثیر الیمامیؒ - جو صحاح ستہ کے مشہور رواۃ میں سے ہیں - سے ایک بڑا ہی ہمت افزاء اور فکر انگیز مقولہ منقول ہے، آپ فرماتے ہیں: "لَا يُسْتَطَاعُ

اَلْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ" (یعنی جسمانی راحت (میں پڑے رہنے) کے ساتھ علم کا (واقعی) حصول نہیں ہوسکتا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت امام مسلمؒ جو اپنی کتاب میں صرف اور صرف احادیث شریفہ ہی نقل کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں، اُنہوں نے باقاعدہ "یحییٰ بن یحییٰ تیمی" کی سند سے حضرت یحییٰ بن کثیرؒ کا مذکورہ مقولہ بڑے اہتمام سے نقل فرمایا ہے۔

تو شارح مسلم حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض اساتذہ کے حوالہ سے بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت اِمام مسلمؒ نے مواقیت الصلوٰۃ سے متعلق صحابیِ رسول سیدنا حضرت ابو مسعود بدریؓ کی روایتیں اپنے ۱۳/ اساتذہ سے جمع فرمائی ہیں، اور یہ اساتذہ بھی کسی ایک شہر کے نہ تھے؛ بلکہ افغانستان، نیشاپور، کوفہ، بغداد، رقہ، بصرہ اور مصر وغیرہ شہروں کے رہنے والے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سب اساتذہ سے روایات کے حصول میں کس قدر مشقت آپ کو اٹھانی پڑی ہوگی؟ غالباً اسی جانب قارئین کو متنبہ فرمانے کے لئے آپ نے مذکورہ مواقیت والی روایتوں کو جمع کرنے کے بعد سند کے ساتھ یہ قیمتی اور یادگار مقولہ نقل فرمایا؛ تاکہ طلبہ علوم نبوت کے لئے عبرت کا سامان ہو؛ گویا کہ یہ مقولہ بنیاد کے پتھر کی حیثیت رکھتا ہے (جو اس کا خیال رکھتے ہوئے محنت و مشقت کا راستہ اپنائے گا وہی طلب علم میں کامیاب ہوگا، اور جو ہر وقت اسی دھن میں مست رہے کہ کیا کھاؤں اور کیا پہنوں؟ تو اسے علم نصیب ہونا مشکل ہے) (معالم ارشادیہ ۱۰۳-۱۰۵)

اور علامہ یحییٰ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں پورا مقولہ یہ ہے: "مِيْرَاثُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ مِيْرَاثِ الذَّهَبِ وَالنَّفْسُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ مِنَ اللُّؤْلُؤِ، وَلَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ"۔ (یعنی علم دین کی میراث سونے (چاندی وغیرہ) کی میراث سے کہیں بہتر ہے، اور نیک انسان موتی سے زیادہ قیمتی ہے، اور علم جسمانی راحت کے ساتھ نصیب نہیں ہوتا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۰٦)

علم میں انہماک کی وجہ سے مچھلی پکانے کا موقع ہی نہ ملا

حضرت امام ذہبیؒ نے امام ابن ابی حاتم زہریؒ سے نقل فرمایا ہے کہ ہم لوگ سات مہینے مصر میں اس حالت میں مقیم رہے کہ ہم نے سالن کا ذائقہ بھی نہیں چکھا، ہم نے پورا دن مختلف اساتذہ ومشائخ کی مجالس ودروس سے استفادہ کے لئے تقسیم کر رکھا تھا، اور رات کا وقت دن بھر کے پڑھے ہوئے علوم واحادیث کو لکھنے اور صاف کرنے کے لئے مقرر تھا، تو ایک دن ہم اور ہمارا ایک ساتھی ایک شیخ سے استفادہ کے لئے ان کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، تو معلوم ہوا کہ وہ آج بیمار ہیں، تو ہم وہاں سے واپس ہو رہے تھے، راستہ میں ہم نے ایک مچھلی فروخت ہوتے دیکھی، وہ ہمیں پسند آئی، تو ہم نے اسے خرید لیا اور کمرے پر لے آئے، جب ہم کمرے پر پہنچے تو دوسرے اُستاذ کی مجلس میں حاضری کا وقت ہو گیا، اس لئے ہم مچھلی نہیں پکا سکے، اور مجلس میں حاضر ہو گئے، پھر پے در پے دروس کا سلسلہ جاری رہا؛ تا آں کہ تین دن گذر گئے اور مچھلی خراب ہونے لگی، چناں چہ ہم نے اسے جیسے تیسے کھالیا، اور اس کا موقع نہ ملا کہ ہم کسی سے وہ مچھلی بھنوا لیتے۔

اس واقعہ کو بیان کر کے علامہ ابن ابی حاتم رازیؒ نے بھی یہی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ”لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ“ (یعنی جسمانی راحت کو جو ترجیح دے اسے علم نصیب نہیں ہو سکتا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۰۵-۱۰۶)

جس نے مشقت کا مزا نہ چکھا ہو وہ علم کی قدر نہیں کر سکتا

علامہ ابوبکر محمد بن الامام داؤد الظاہریؒ فرماتے ہیں: ”مَنْ لَمْ يَشْرَبْ مَاءَ الْغُرْبَةِ وَلَمْ يَضَعْ رَأْسَهُ عَلىٰ سَاعِدِ الْكُرْبَةِ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ الْوَطَنِ وَالتُّرْبَةِ وَلَمْ يَعْرِفْ حَقَّ ذِي الْعِلْمِ وَالشَّيْبَةِ“۔ (یعنی جس شخص نے پردیس کا پانی نہ چکھا ہو اور اپنا سر تکلیف اور پریشانی کے سامنے نہ رکھا ہو، وہ نہ تو اپنے وطن عزیز کا حق پہچان سکتا ہے، اور نہ ہی اہل علم اور مشائخ کی قدر جان سکتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۱۰۷)

تمیں سال تک رات کا کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا

مشہور محدث علامہ عبید بن یعیش الکوفی رحمۃ اللہ علیہ بخاری و مسلم کے اساتذہ میں سے ہیں، خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''میں نے تیس سال تک رات کا کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا، میری ایک بہن لقمہ بنا کر مجھے کھلاتی تھی، تو میں کھاتا تھا''، یعنی رات میں گھر آ کر جب وہ دن بھر کے مشائخ سے سنی ہوئی روایات صاف کرتے تھے، تو خود کھانے کا موقع ہی نہ ملتا، بس جو بہن کھلا دیتی وہی کھالیا کرتے تھے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۰۷)

جنت میں علمی مشغلہ کی تمنا

علامہ شریف الدین الملتانی کے بچپن کا واقعہ ہے کہ وہ مشہور مالکی عالم علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الملتانی کے درس تفسیر میں حاضر تھے، تو گفتگو کے دوران جنت کی نعمتوں کا ذکر ہوا تو علامہ شریف الدین نے سوال کیا کہ کیا جنت میں تعلیم و تعلم کا بھی مشغلہ ہوگا؟ تو حضرت عبدالرحمٰن نے عمومی طور پر جواب دیا کہ جنت میں ہر خواہش پوری ہوگی اور ہر لذت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، تو علامہ شریف الدین نے فرمایا کہ اگر آپ یہ کہہ دیتے کہ جنت میں علمی مشغلہ نہ ہوگا تو میں یہ کہتا کہ پھر تو جنت میں کوئی لذت نہ ہوگی، ان کا یہ جواب سن کر شیخ عبدالرحمٰن کو بڑا تعجب ہوا (کہ یہ جواب بچپن ہی میں ان کے علمی شغف کی دلیل تھا) (معالم اِرشادیہ ۱۰۷)

اُستاد کی ہمت افزائی کا اثر

علامہ یاقوت رحمۃ اللہ علیہ نے ''معجم البلدان'' میں مشہور شافعی عالم اور فقیہ ''ابوبکر عبداللہ بن احمد قفال مروزیؒ'' کی طلب علم میں بلند ہمتی اور جدوجہد کا عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ وہ تالا بنانے کا ہنر جانتے تھے (عربی میں قفال کے معنی تالا بنانے والے کے آتے ہیں) تو اُنہیں معلوم ہوا کہ ''قفال شاشی'' (جو تالا سازی میں ایک معروف شخص تھے) نے ایک چابی اور تالا صرف ایک دانگ (درہم کا چھٹا حصہ) کے وزن کا بنایا ہے، جس کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی،

اور لوگ اتنا چھوٹا اور کم وزن تالا بنانے پر حیرت میں پڑ گئے، اور ان کی بڑی تعریف ہوئی۔ تو یہ سن کر ''ابو بکر قفالی مروزیؒ'' نے اپنی صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے اس سے بھی چھوٹا تالا اور اُس کی چابی بنائی، جس کا وزن دانگ کا بھی چوتھائی حصہ تھا، اسے بھی جس نے دیکھا تو پسندیدگی کا اظہار کیا؛ لیکن اس کی شہرت اتنی نہ ہوئی جتنی ''قفال شاشی'' کی تالا سازی کی ہوئی تھی۔ تو ایک دن ''قفال مروزی'' نے اپنے بعض دوستوں سے اس کا تذکرہ کیا کہ ہم نے ''قفال شاشی'' کے تالے سے بھی چھوٹا تالا بنایا، مگر ہماری کوئی شہرت نہ ہوئی، تو اُن کے دوست نے کہا کہ ''اصل شہرت وقبولیت تو علم دین سے ملتی ہے تالا سازی سے نہیں''۔

دوست کی یہ بات ''قفال مروزی'' کے دل کو لگ گئی اور اُنہوں نے چالیس سال کی عمر میں علم دین میں مہارت پیدا کرنے کا عزم کیا، اور ''مرو'' کے ایک بڑے عالم کے پاس جا کر اپنی رغبت کا اظہار کیا، اُنہوں نے آپ کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور علامہ مزنی شافعیؒ کی کتاب کا پہلا سبق پڑھایا اور اسے یاد کر کے لانے کو کہا، قفال مروزی رات میں اپنے مکان کی چھت پر ٹہلتے ہوئے کتاب کا پہلا سبق یاد کرتے رہے، جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے: ''هٰذَا كِتَابٌ اِخْتَصَرْتُهٗ'' لیکن صبح جب آنکھ کھلی تو بڑی عمر ہونے کی بنا پر سارا سبق بھول چکے تھے، تو بڑے پریشان ہوئے کہ استاذ کو جا کر کیا سناؤں گا؟

یہ ابھی اسی سوچ میں تھے کہ مکان کے پڑوس میں رہنے والی ایک عورت نے ان سے کہا کہ ''میاں ابو بکر! تم پوری رات ''هٰذَا كِتَابٌ اِخْتَصَرْتُهٗ'' رٹتے رہے، جس کی وجہ سے ہماری نیند میں خلل پڑا، عورت کی بات نے اُنہیں بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا، اور اپنے اُستاذ کو جا کر سنایا اور ساتھ میں عورت کے یاد دلانے کا قصہ بھی سنایا، تو اُستاذ نے آپ کو بڑی ڈھارس دلائی اور کہا کہ: ''کوئی بات نہیں، تم ہمت مت ہارو اور یاد کرتے رہو، اور علمی مشغلہ میں لگے رہو، اِن شاء اللہ بامراد ہوگے''۔ چناں چہ موصوف پوری توجہ سے طلب علم میں مشغول رہے؛ تا آں کہ اپنے وقت کے اِمام اور مرجع ومقتداء بن گئے۔ اُنہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ۴۰ رسال

جاہل ہونے کی حالت میں اور بقیہ ۵۰ سالہ زندگی عالم ہونے کی حالت میں گذاری، اور ۱۴۷ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (معالم اِرشادیہ ۱۱۱-۱۱۵)

حضرت اِمام عامر شعبیؒ کا اِمام اَعظم اَبوحنیفہؒ کو قیمتی مشورہ

اِمام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں محدث کبیر حضرت امام شعبیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اُنہوں نے پوچھا کہ ''تم کن حضرات کے پاس آتے جاتے ہو؟'' تو میں نے کہا کہ ''میں زیادہ تر فلاں شخص کی رہبری میں بازار آتا جاتا ہوں''۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ''میرے پوچھنے کا مقصد بازار جانے آنے کے بارے میں نہیں ہے؛ بلکہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کن علماء کی مجلس میں حاضری دیتے ہو؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''علماء کی مجالس میں میری حاضری بہت کم ہوتی ہے''۔ یہ سن کر حضرت شعبیؒ نے تاکید فرمائی کہ ''اِس بارے میں غفلت مت کرو، اور علم دین میں رسوخ حاصل کرو، اور علماء کی صحبت سے فائدہ اٹھاؤ؛ اس لئے کہ میں تمہارے اندر ذہانت وفطانت اور فعّالیت دیکھ رہا ہوں''۔

حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شعبیؒ کی یہ بات میرے دل میں جاگزیں ہوگئی اور میں بازار کی آمد ورفت چھوڑ کر علم کی تحصیل میں مشغول ہوگیا، اور حضرت اِمام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت نفع پہنچایا۔

(اِس سے معلوم ہوا کہ اَساتذہ کو ذہین طلبہ پر گہری نظر رکھنی چاہئے، اور ان کی خیر خواہی ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے) (معالم اِرشادیہ ۱۱۵-۱۱۶)

ایک مخلصانہ مشورہ جس نے امام شافعیؒ کی زندگی کا رخ بدل دیا

ربیع بن سلیمان مرادیؒ کہتے ہیں کہ اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''میں خالص عربی زبان واَدب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مکہ معظّمہ سے نکل کر قبیلہ ہذیل کے دیہاتوں میں ایک عرصہ تک رہا؛ کیوں کہ یہ قبیلہ پورے عرب میں فصاحت وبلاغت میں معروف تھا، چناں چہ میں نے وہاں رہ کر عربی ادب میں کمال حاصل کرلیا، اور جب میں مکہ معظّمہ واپس

آیا تو عربی کے اشعار اور تعبیرات میری زبان پر رواں تھے، تو قبیلہ زُہریین کے ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی، اس نے مجھ سے کہا کہ: ''میرے لئے یہ بات بڑی ناگواری کا باعث ہے کہ آپ کی فصاحت و بلاغت علم وفقہ میں استعمال نہیں ہورہی''؟ (یعنی مناسب یہ ہے کہ آپ محض عربی دانی اور قدیم اشعار میں دلچسپی لینے کے بجائے علم وفقہ میں بھی مہارت پیدا کریں؛ تاکہ آپ سے امت فائدہ اُٹھا سکے)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس زہری شخص سے پوچھا کہ اچھا یہ بتائیے کہ اس وقت وہ کون سی شخصیت ہے جس کی طرف تحصیل علم کے لئے رجوع کیا جائے؟'' تو اُس شخص نے کہا کہ ''رئیس العلماء حضرت امام مالک بن انسؒ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہیں''۔ چناں چہ اس شخص کا مشورہ میرے دل میں اتر گیا، اور میں نے اَولاً ''مؤطا اِمام مالک'' کا ایک نسخہ ایک مکی شخص سے عاریت پر لیا، اور پوری مؤطا یاد کرلی۔

(اور پھر علم میں ایسے مشغول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ متبوعین میں آپ کو شامل فرمایا، گویا کہ بظاہر اسباب اس نامعلوم زہری شخص کا ایک چھوٹا سا مشورہ آپ کی زندگی کا رخ تبدیل کرنے کا ذریعہ بن گیا، فالحمد کلہ للہ) (مرتب) (معالم اِرشادیہ ۱۱۶)

رات میں بار بار اُٹھ کر علمی اشتغال

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت اِمام محمد ابن اسماعیل بخاریؒ کے سفر وحضر کے خادم اور ورقہ نویس ''محمد بن ابی حاتمؒ'' فرماتے ہیں کہ ''میں بعض مرتبہ سفر کے دوران ایک ہی کمرے میں حضرۃ الامامؒ کے ساتھ سوتا تھا، تو بسا اوقات رات میں پندرہ سے بیس مرتبہ آپ بیدار ہوتے، پھر اپنے دست مبارک سے چراغ جلاتے، پھر احادیث کا فائل نکال کر ان پر نشانات وغیرہ لگاتے، پھر (چراغ بجھا کر) آرام فرمانے لگتے، اور ہر مرتبہ مجھے نہیں جگاتے تھے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ خود کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، مجھے بیدار کیوں نہیں فرماتے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: ''تم ابھی جوان ہو میں تمہاری نیند خراب نہیں کرنا چاہتا''۔

اور اِمام بخاریؒ کے دوسرے مشہور شاگرد ''محمد بن یوسف العزیریؒ'' فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ میرا حضرت امام بخاریؒ کے گھر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، تو میں نے ایک رات میں اٹھارہ مرتبہ آپ کو اُٹھ کر چراغ جلاتے اور کاغذات پر تعلیقات لکھتے ہوئے دیکھا ہے''۔

حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ ''بعض مرتبہ ایک رات میں کم وبیش تیس مرتبہ اِمام شافعیؒ کے سامنے چراغ لایا جاتا، اور واپس لے جایا جاتا، آپ اندھیرے میں کچھ غور فرماتے، پھر خادمہ کو آواز دیتے کہ چراغ لاؤ، جب وہ چراغ جلا کر لاتی تو آپ کچھ تحریر فرماتے، پھر کہتے کہ چراغ اُٹھالو''۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی فاطمہ فرماتی ہیں کہ ''ایک مرتبہ میں نے رات میں ستر مرتبہ حضرت والد ماجدؒ کے لئے چراغ روشن کیا، اور آپ فرماتے تھے کہ ''اَلظُّلْمَةُ أَضْوَأُ لِلْقَلْبِ'' (تاریکی دل کی روشنی کا سبب ہے)

(گویا کہ مسلسل چراغ جلا کر نہ رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اندھیرے میں غور وفکر میں یکسوئی زیادہ نصیب ہوتی ہے) (معالم اِرشادیہ ۱۱۹-۱۲۰)

ایک بچہ میں طلب علم کا حیرت انگیز جذبہ

سلمہ بن شبیبؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ محدث کبیر یزید بن ہارونؒ کی خدمت میں حاضر تھے، اور لوگوں کا بڑا اژدحام تھا، اس بھیڑ میں ایک بچہ لوگوں کے پیروں کے نیچے آ گیا، حضرت یزید بولے: ''اَرے لوگو! اللہ سے ڈرو دیکھو بچے کا کیا حال ہے؟'' اَب جو ہم نے بچہ کو اُٹھایا تو دیکھا کہ پیروں میں دبنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں گویا نکلنے کے قریب تھیں؛ لیکن عجیب حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ بچہ اس حالت میں بھی بڑی لجاجت سے اِمام یزید بن ہارونؒ سے کہہ رہا تھا ''اے ابوخالد (یہ یزید کی کنیت ہے) آپ ہمیں اور حدیثیں سنائیے!''۔ بچہ کا یہ شوق دیکھ کر حضرت یزیدؒ نے فرمایا کہ ''کیسی عجیب بات ہے کہ یہ بچہ اس تکلیف کی حالت میں ہونے کے باوجود علم میں زیادتی کی درخواست کر رہا ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ وہی بچہ کرسکتا ہے جس کو ذوق علم رضاعت کے ساتھ دودھ کی طرح پلایا گیا ہو، گویا کہ علم کی محبت اور شوق اس کی گھٹی میں ڈال دی گئی تھی۔ (معالم اِرشادیہ ۱۲۱)

کاغذ نہیں ملا تو ساتھی کی گدی پر سبق لکھ دیا

محدث عبید بن عبد الواحدؒ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک استاذ کی مجلس میں حاضر تھا، مجمع بہت تھا تو میں دورانِ درس اپنی گدی پر کچھ حرکت محسوس کرتا رہا، جب سبق ختم ہوا اور میں اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو میرے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے مجھے بٹھایا اور کہا کہ: ''تھوڑی دیر آپ تشریف رکھیں میں نے (کاغذ وغیرہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے) آج کا سبق آپ کی گدی پر لکھ دیا ہے، ذرا میں اُسے نقل کرلوں''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۲۲)

(اللہ اکبر! یہ ہے اُستاذ کے اِفادات کی قدر و قیمت، کہ کاغذ نہیں ملا تو ساتھی کی گدی ہی پر لکھ دیا کہ کہیں سبق نہ چھوٹ جائے اور دوسرے ساتھی کا سبق سننے میں انہماک بھی قابل رشک ہے)

دورانِ درس ایک اشرفی میں قلم خریدا

شیخ الاسلام محمد بن سلام البیکندیؒ ایک استاذ سے درس لے رہے تھے کہ ان کا قلم ٹوٹ گیا (واضح ہو کہ اِس دور میں لکڑی اور نرسل کے قلم ہوا کرتے تھے) تو اُنہوں نے بلا تاخیر وہیں اعلان کیا کہ ''قَلَمٌ بِدِیْنَارٍ'' یعنی کسی کے پاس زائد قلم ہو تو مجھے دے، میں اس کے بدلہ میں ایک اشرفی دوں گا، چناں چہ دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے قلم اُن کے پاس جمع ہوگئے، اور آپ نے اپنی ضرورت کا ایک قلم ایک اشرفی میں خریدلیا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۲۳)

(اِس سے جہاں یہ شوق معلوم ہوا کہ قلم نہ ہونے سے کہیں استاذ کے اِفادات سے محرومی نہ ہوجائے، وہیں گراں قیمت پر قلم خریدنے سے اہل علم کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا بھی بہتر انداز میں اظہار ہوا، فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء) (مرتب)

بعینہ اسی طرح کا واقعہ امام عصام ابن یوسف حنفیؒ سے بھی منقول ہے۔

ایک مقولہ کے لئے پندرہ سو کلومیٹر کا سفر

شیخ ہارون بن المغیرۃ الرازیؒ فرماتے ہیں کہ محدث کبیر حضرت عبد اللہ بن المبارکؒ اپنے وطن ''مرو'' سے میرے پاس صرف حضرت حسن بصریؒ کے ایک مقولہ ''لَا تَشْتَرِ مَوَدَّةَ أَلْفِ رَجُلٍ بِعَدَاوَةِ رَجُلٍ وَاحِدٍ'' (یعنی ایک آدمی کی دشمنی کے بدلہ میں ہزار لوگوں کی محبت مت خریدو) سننے کے لئے سفر فرمایا، اور جب میں نے یہ مقولہ آپ کو سند کے ساتھ سنا دیا تو فرمایا کہ ''میں نے اپنے وطن سے سواری پر کجاوہ صرف اسی مقولہ کی سند حاصل کرنے کے لئے باندھا تھا، اور ''مرو'' (سے رازی کے وطن) کی مسافت پندرہ سو کلومیٹر ہے۔ (معالم ارشادیہ ۱۲۴-۱۲۵)

عظیم راحت مشقت کے پل سے گذر کر ہی ملتی ہے

دنیا یا آخرت میں جو بڑی راحت اور اونچا مقام چاہتا ہو، اُسے اپنے آپ کو محنت ومشقت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ایک شاعر (ابو التمام) کہتا ہے:

بَصُرْتُ بِالرَّاحَةِ الْكُبْرٰى فَلَمْ أَرَهَا ❖ تُنَالُ إِلَّا عَلٰى جِسْرٍ مِّنَ التَّعَبِ

ترجمہ:- جب میں نے بڑی راحت کو تلاش کیا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ مشقت کے پل سے گذرے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ (معالم ارشادیہ ۱۲۰)

علم کی محبت فقر و فاقہ پر غالب ہونی چاہئے

سچا طالب علم وہ ہے جو طلب علم کا سفر پوری استقامت کے ساتھ جاری رکھے، اور معاشی تنگی سے دل برداشتہ نہ ہو؛ کیوں کہ عموماً اس طرح کی آزمائش کے بغیر آدمی درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے:

إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَنْ يُّنَالَ حَتّٰى يُذَاقَ فِيْهِ طُعْمُ الْفَقْرِ. (یعنی علم میں اونچا مرتبہ (عموماً) اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ آدمی فقر و ناداری کا کچھ ذائقہ نہ چکھ لے)

(معالم ارشادیہ ۱۳۳)

طلب علم کے شوق میں گھر کی کڑیاں تک بیچ ڈالیں

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ معظم محدث کبیر حضرت امام ربیعۃ الرائے رحمۃ اللہ علیہ کے اَحوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اُنھوں نے طلب علم کے دوران فقر و فاقہ کے سبب اپنے گھر کی کڑیاں تک بیچ ڈالی تھیں، اور اپنے گذارے کے لئے گری پڑی چیزیں اُٹھا کر (دھوکر) استعمال کرتے تھے''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۳۳)

فقہاء و محدثین کی نظر میں فقر و غنا کا معیار

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''وہ فقہاء و محدثین جنہوں نے سخت مشقت اور تنگی کی حال میں علمی مشغلہ جاری رکھا، اُن کی نظر میں یہ تکلیفیں مشقت نہیں؛ بلکہ عین راحت کا سبب تھیں؛ کیوں کہ اگر وہ ان باتوں کو مصیبت سمجھتے تو علمی مشاغل چھوڑ کر اپنی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کو دنیا کے حصول اور تجارت وغیرہ میں صرف کرتے، اور یقیناً اپنے آپ کو تنگیوں والی زندگی سے بچالیتے؛ لیکن بات اصل میں یہ تھی کہ وہ تحصیل علم کے لئے راستہ میں پیش آمدہ تکالیف کو اپنے لئے خوش نصیبی اور سعادت سمجھتے تھے، اور اس پریشانی میں بھی راحت محسوس کرتے تھے؛ بلکہ وہ ذاتی طور پر قناعت اور دلی سکون کے باعث اپنے کو غنی سمجھتے تھے۔ اور جو لوگ اپنے نفس کو ذلیل کر کے دنیا کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، انہیں فقیر اور محتاج قرار دیتے تھے، جیسا کہ مشہور دانش مند امام خلیل ابن احمد الفراہیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ:

اَلْـفَـقْرُ فِيْ النَّفْسِ لا فِيْ الْمَالِ نَعْرِفُهُ ❖ وَمِثْلُ ذَاکَ الْغِنٰی فِيْ النَّفْسِ لَا الْمَالِ

ترجمہ:- ہم جانتے ہیں کہ اصل میں فقر دل میں ہوتا ہے نہ کہ مال میں، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اصل مال داری نفس کا غنی ہونا ہے نہ کہ مال کا (زیادہ ہونا)

نیز آپ ہی کا شعر ہے:

إِنَّ الَّــذِيْ شَــقَّ فَـمِـيْ ضَـامِـنٌ ❖ لِـلـــرِّزْقِ حَـتّٰـى يَـتَـوَفَّــانِـيْ

ترجمہ:- جس ذات (اللہ تعالیٰ) نے میرا منہ کھولا ہے وہی وفات تک میری روزی کا ضامن ہے۔

بلاشبہ ان علماء ربانیین نے صبر وتوکل، استقامت اور جذبۂ عبادت کے ذریعہ ہر طرح کی تنگیوں کا مقابلہ کیا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد میں ان حالات سے نجات دی، اور لوگوں کے دل ان کی طرف مائل فرمادئے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۳۳-۱۳۴)

طلبہ علم کے لئے غیبی نصرت کا عجیب واقعہ

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام ابوالحسن الصفارؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ محدث کبیر شیخ حسن بن سفیان النسویؒ کی خدمت میں حاضر تھے، جب کہ ان کی مجلس میں دنیا کے مختلف علاقوں سے علمی استفادہ کے لئے آئے ہوئے اربابِ فضل وکمال جمع تھے، تو امام موصوف ایک دن مجلس درس واملاء میں تشریف لائے اور فرمایا کہ:

''آج املاء شروع کرنے سے پہلے میں جو بات کہنے جارہا ہوں، اُسے بغور سماعت کرو، میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم لوگوں میں سے اکثر لوگ ناز ونعم میں پرورش پانے کے باوجود اپنے وطن سے ہجرت کرکے آئے ہو اور تم لوگوں نے صرف طلب علم اور احادیث کی تلاش میں سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، تو ان تمام باتوں کے باوجود تمہارے دل میں کبھی بھی یہ خیال نہیں گذرنا چاہئے کہ تم نے یہ قربانی دے کر علم کا حق ادا کردیا ہے، اور مشقتیں برداشت کرکے اپنی ذمہ داری پوری کردی ہے؛ اِس لئے کہ میں تمہیں خود اپنی طالب علمی کے زمانہ کی مشقت اور تکلیف کے بارے میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ کس طرح ہم نے قربانیاں دیں؟ جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے علم کی برکت اور عقیدہ کی پختگی کی بدولت ہمیں پریشانیوں سے نجات عطا فرمائی اور برکتوں سے مالامال کیا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شروع جوانی کے زمانہ میں طلب علم اور احادیث شریفہ جمع کرنے کے مقصد سے اپنے وطن سے مغرب اقصیٰ تک طویل سفر کیا، اسی درمیان میں نے نو عدد محنتی اور طلب علم کے شوقین ساتھیوں کے ساتھ ایک مدت تک مصر میں قیام کیا، اور ہم روزانہ اپنے ایک بلند پایہ استاذ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، جو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور احادیثِ شریفہ کے بارے میں سب سے زیادہ درک رکھنے والے تھے، اور ان کی سند بہت عالی اور روایتیں بہت صحیح تھیں؛ لیکن وہ ہر روز ہم لوگوں کو بہت کم مقدار میں احادیث کا املاء کراتے تھے، جس کی وجہ سے ہمیں وہاں لمبی مدت تک قیام کرنا پڑا، جس کی بنا پر ہمارا توشہ اور زادِ راہ سب ختم ہوگیا، حتیٰ کہ ہمیں مجبوری کی حالت میں اپنا سامان اور کپڑے تک بیچنے پڑ گئے، اور رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت آ گئی کہ کچھ بھی کھانے کو نہ رہا، اور تین دن رات ہم نے اس طرح گذارے کہ کھانے پینے کی کوئی بھی چیز نہیں چکھی تھی، جب چوتھے دن کی صبح ہوئی تو اتنی کمزوری ہوچکی تھی کہ ہمارے لئے ہاتھ پیر ہلانا بھی مشکل ہورہا تھا؛ لیکن اس اضطراری حالت میں بھی لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے پر ہمارے دل تیار نہ تھے، اور ہم میں سے ہر شخص سوال کرنے سے انکاری تھا، اور حالت ایسی تھی کہ سوال کئے بغیر چارۂ کار بھی نہ تھا، بالآخر یہ طے ہوا کہ قرعہ اندازی کی جائے اور قرعہ میں جس کا نام نکلے، وہ لوگوں میں جا کر سوال کرے اور اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے کھانے کا انتظام کرے۔ تو اتفاق یہ کہ قرعہ میں میرا ہی نام نکل آیا، تو میں انتہائی حیرت اور وحشت میں مبتلا ہوگیا، اور میرا دل کسی بھی طرح سوال کرنے کی ذلت اٹھانے کو تیار نہ تھا، چناں چہ میں نے مسجد کے کونے میں جا کر طویل رکوع اور سجدہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی، اور پھر انتہائی اخلاص اور یقین کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسماء عظیمہ اور کلمات رفیعہ کے توسل سے پریشانی سے نجات اور مشکل کے حل کے لئے دعا میں مشغول ہوگیا۔

ابھی میں اس سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ مسجد میں ایک خوبصورت شخص داخل ہوا، جس

کے کپڑے بہت صاف ستھرے تھے، اور اس سے خوشبو مہک رہی تھی، جس کے پیچھے ایک خادم تھا، اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا، اس نے مسجد میں داخل ہوکر پوچھا کہ ''تم میں سے حسن بن سفیان کون ہیں؟'' تو اس کی یہ بات سن کر میں نے سجدہ سے سر اُٹھایا، اور کہا کہ ''میں ہی حسن بن سفیان ہوں، تمہیں اس سے کیا کام ہے؟'' تو اس جوان نے کہا کہ امیر مصر (غالباً ابن طولون) نے آپ لوگوں کو بہت بہت سلام عرض کیا ہے، اور آپ کی کما حقہ خبر گیری نہ کرنے پر معذرت پیش کی ہے، اور سر دست آپ کے خرچ واخراجات کے لئے کچھ ہدیہ بھیجا ہے، اور وہ آئندہ کل بنفس نفیس آپ سے ملنے آئیں گے، اور بذاتِ خود معذرت پیش کریں گے۔ پھر اُس نے ہم میں سے ہر ایک آدمی کے سامنے ایک ایک تھیلی رکھی، جس میں سو سو اشرفیاں تھیں، تو ہمیں اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور ہم نے اس جوان سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں امیر ابن طولون کے خصوصی لوگوں میں ہوں، اور آج رات انہوں نے مجھے فوری طور پر اپنے گھر طلب کیا، اور یہ امانت آپ کے سپرد کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ امیر موصوف نے آج رات ایک عجیب خواب دیکھا کہ ایک گھوڑ سوار شخص ہوا میں ایسے چل رہا ہے جیسے کہ زمین پر چلا جاتا ہے، اور اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہے، اور امیر اسے حیرت سے دیکھ رہے ہیں؛ تا آں کہ وہ گھوڑ سوار خواب ہی میں امیر کے دروازے پر آکر اُترا، اور اس نے امیر کی کوکھ کی طرف نیزے سے اشارہ کرکے یہ کہا کہ چلو اُٹھ کر حسن بن سفیان اور ان کے ساتھیوں کی خبر لو؛ کیوں کہ وہ لوگ تین دن سے بھوکے پیاسے ہیں، اور فلاں مسجد میں مقیم ہیں، تو امیر نے ان گھوڑ سوار سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ ''میں فرشتہ رضوان جنت کا محافظ ہوں''۔

شیخ حسن ابن سفیان نے آگے فرمایا کہ: ''ہمیں اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے؛ لیکن ہماری طبیعتوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ ہم مزید اس مسجد میں قیام کریں اور امیر ابن طولون کی ملاقات کی وجہ سے لوگوں میں ہماری شہرت نہ ہو جائے؛ چناں چہ ہم راتوں رات چپکے سے وہاں سے نکل گئے، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر شخص کو علم

وفضل میں اپنے ہم عصروں میں امتیازی مقام عطا فرمایا۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ اگلے دن امیر موصوف نے اس محلے کا دورہ کیا، اور جب ہماری ملاقات نہ ہوسکی تو پورے محلے کو خرید کر نو وارد طلبہ علوم نبوت پر وقف کر دیا''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۳۵-۱۳۸)

اِسی سے ملتا جلتا واقعہ علامہ تاج الدین السبکیؒ نے شیخ ابوالعباس البکریؒ کے حوالے سے امام محمد بن جریر طبری، محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، محمد بن نصر المروزی اور محمد بن ہارون الردیالیؒ کے بارے میں نقل کیا ہے۔

اِن واقعات کو نقل کرنے کے بعد شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ (مؤلف کتاب) فرماتے ہیں کہ:

''اِس سے معلوم ہوا کہ فقر وفاقہ صرف کمزور اِرادے والے طلبہ کے لئے ہی علم سے مانع بن سکتا ہے، جو آزمائش اور مشقتوں کو نہ جھیل سکیں، ورنہ عالی ہمت لوگوں کے لئے یہ باتیں ان کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کا سبب نہیں بن سکتیں، یہ حقیقت اساتذۂ کرام کو طلبہ کے سامنے بیان کرنی چاہئے؛ تاکہ طلبہ کے سامنے جب آزمائشیں آئیں تو وہ ثابت قدم رہ سکیں، اور یہ یقین کریں کہ یہ تھوڑا مختصر وقت ہے، جو بہرحال گذر جائے گا۔ بالآخر سلفِ صالحین کی طرح کامیابی ان کا قدم چومے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴۰)

مخلص عالم کی روزی کی ضمانت

محدث کبیر حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: ''مَنِ ابْتَغٰی شَیْئًا مِنَ الْعِلْمِ یَبْتَغِيْ بِہٖ وَجْہَ اللّٰہِ تَعَالٰی آتَاہُ اللّٰہُ بِمَا یَکْفِیْہِ'' ۔یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے علم دین حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بقدر کفایت روزی سے نوازیں گے۔ (گویا کہ علم دین کی برکت سے وہ دنیا میں بھی نوازا جائے گا) (معالم اِرشادیہ ۱۴۰)

چوتھی فصل:

علم بڑا خوددار ہے

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے تھے کہ: ''جب تک تم اپنی پوری ذات کو علم کے حوالے نہ کردو، اس وقت تک یہ علم تمہیں اپنا بعض حصہ بھی نہ عطا کرے گا؛ بلکہ پوری طرح حوالہ کرنے کے بعد بھی یہ خطرہ لگا رہے گا کہ ابھی بعض علم بھی حاصل ہوا یا نہیں؟ (معالم اِرشادیہ ۱۴۲-۱۴۳)

درس چھوٹنے کے خوف سے بیٹے کے جنازہ میں شرکت نہیں کی

علامہ موفق مکیؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ میرا ایک بیٹا وفات پا گیا، تو میں نے محض اس وجہ سے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی مجلس درس سے غیر حاضری ہوجائے گی، اس بیٹے کے کفن دفن اور جنازہ میں شرکت نہیں کی؛ بلکہ قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو تجہیز و تکفین کی ذمہ داری حوالے کردی۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴۳)

(اللہ اکبر! یہی وہ حیرت انگیز قدردانی کا جذبہ تھا جس نے بظاہر اَسباب حضرت اِمام ابو یوسفؒ کو امام اعظم حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا جانشین بنادیا) (مرتب)

بیٹے کے جنازہ پر درس کو ترجیح

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب الترغیب والترہیب) جب قاہرہ کے مدرسہ ''دار الحدیث الکاملیہ'' میں مقیم تھے، تو اسی دوران آپ کے ایک تیس سالہ صاحب زادے کی وفات ہوگئی، جو خود بھی علم میں معروف تھے، تو علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ ہی کے اندران کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر جنازہ کے ساتھ مدرسہ کے دروازے تک آئے، اور وہیں سے پرنم

آنکھوں کے ساتھ بیٹے کو الوداع کہا، اور مدرسہ سے باہر تشریف نہیں لے گئے؛ (تا کہ سبق کا ناغہ نہ ہو) (معالم اِرشادیہ ۱۴۳-۱۴۴)

''بیٹے کو کھودیا تو کیا علم کی برکت سے بھی محروم ہوجائیں؟''

علامہ محمد راغب الطباخؒ کے صاحب زادے جن کا نام ''محمد'' تھا، اور وہی ان کے علمی مطبع (چھپائی کے پریس) کے نگراں بھی تھے، ان کی وفات ہوگئی۔ (ظاہر ہے کہ اس حادثہ پر جتنا بھی غم ہو کم ہے) لیکن اگلے دن شیخ صاحب (شام) کے شہر حلب میں واقع اپنے ''مدرسہ خسرویہ'' میں درس کے لئے تشریف لے آئے، شاگردوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے، حتیٰ کہ کچھ طلبہ نے بڑے تعجب سے شیخ سے پوچھ ہی لیا کہ ابھی کل آپ نے صاحب زادے کو دفن کیا ہے، اور آج آپ بلاتاخیر درس کے لئے تشریف لے آئے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ: ''خَسِرْنَا الْوَلَدَ أَفَنَخْسِرُ الْعِلْمَ أَيْضًا''۔ یعنی ہم نے بیٹے کو کھویا ہے، تو کیا اب علم کی برکت سے بھی محروم ہوجائیں؟ (معالم اِرشادیہ ۱۴۴)

علم کا رشتہ آخر دم تک ہے

طالب علم کو چاہئے کہ وہ علم دین کو چھوڑ کر کسی دوسرے مشغلہ میں نہ لگے۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے تھے کہ ''جو شخص علم چھوڑنے کا ارادہ کرلے اُسے چاہئے کہ ابھی فوراً علم سے رشتہ توڑ لے؛ کیوں کہ ہمارے اس علمی مشغلہ کا تعلق گہوارے سے قبر تک ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴۵)

دورانِ تعلیم یکسوئی ضروری ہے

طالب علم پر لازم ہے کہ وہ طالب علمی کے زمانہ میں ہر ایسے کام سے بچے، جس سے اس کی علمی یکسوئی میں خلل پڑتا ہو، اور کوئی بات پیش آئے تو حکمت وبصیرت کے ساتھ اس کا جائزہ لے۔

چناں چہ علامہ سلیم بن ایوب الرازیؒ کا واقعہ معروف ہے کہ جب وہ تحصیل علم کے لئے بغداد گئے تو ان کے گھر سے جو خطوط آتے تھے، وہ انہیں پڑھے بغیر رکھ دیتے تھے، اور چھٹی کے

بعد سب کو اکٹھا پڑھتے تھے، کسی میں کوئی غم ناک خبر ہوتی، جس پر افسوس ہوتا، تو فرماتے کہ اگر میں پڑھائی کے دوران اسے پڑھ لیتا تو میری تعلیم میں ضرور خلل پڑتا۔

اسی طرح عالم ربانی شیخ احمد بن عبدالکریم الترمانینی الحلبی رحمۃ اللہ علیہ جب تحصیل علم کے لئے جامعہ اَزہر مصر تشریف لے گئے، تو مسلسل تیرہ سال وہاں مقیم رہے، اور اس دوران گھر والوں سے کوئی رابطہ نہ رکھا، حتیٰ کہ گھر سے آنے والے خطوط کو بھی پڑھے بغیر المباری میں رکھ دیتے تھے، پھر جب تعلیم مکمل کر کے وطن واپسی کا اِرادہ فرمایا تو سب خطوط کو کھول کر پڑھا، تو کسی خط میں لکھا تھا کہ فلاں کی شادی ہوگئی، کسی میں تھا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا وغیرہ، اور اس عمل سے ان کا مقصد یہی تھا کہ علم کی تحصیل کے دوران ذہنی یکسوئی برقرار رہے، اور یہ باتیں ذہن کو مشغول کرنے کا سبب نہ بنیں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴۵-۱۴۶)

یکسوئی کیسے حاصل ہو؟

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''فقہی معلومات کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا چیز معاون ہے؟'' تو آپ نے فرمایا کہ ''ہمت اور ارادہ جمع رکھو''۔

تو اُس شخص نے پوچھا کہ ہمت کیسے جمع رہے گی؟ تو فرمایا کہ ''تعلقات کم سے کم رکھو''۔

پھر اس شخص نے سوال کیا کہ یہ کیسے ممکن ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''کوئی بھی چیز ضرورت سے زیادہ لینے کا اِرادہ مت کرو''۔

(گویا جب قناعت میسر ہوگی تو تعلقات بڑھانے کا جذبہ بھی نہ ہوگا) (معالم اِرشادیہ ۱۴۶-۱۴۷)

گھر گرہستی کی مشغولیت تحصیل علم میں رکاوٹ

بسا اَوقات اَولاد اور گھریلو تقاضے آدمی کے لئے تحصیل علم میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، اِسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَولاد کے بارے میں چار باتیں اِرشاد فرمائیں:

(۱) إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ: (یعنی اَولاد آدمی کو بخل پر مجبور کرتی ہے کہ اولاد کی وجہ سے آدمی بسا اَوقات کارِ خیر میں خرچ کرنے سے رک جاتا ہے)

(۲) مَجْبَنَةٌ: (یعنی اَولاد کی وجہ سے بزدلی پیدا ہوتی ہے کہ میں نہ رہا تو اَولاد کا کیا ہوگا؟)

(۳) مَجْهَلَةٌ: (یعنی بسا اوقات اَولاد کی ضروریات کی وجہ سے آدمی تحصیل علم کے سفر کی ہمت نہیں کر پاتا، یا معاشی ضرورتیں تحصیل علم میں رکاوٹ بن جاتی ہیں)

(٤) مَحْزَنَةٌ: (یعنی اَولاد کی وجہ سے بہت سے غم آدمی کو جھیلنے پڑتے ہیں)

امام احمد بن فرات الرازیؒ جو بہت بڑے عالم اور حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے مالک تھے، وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں محدث کبیر یزید بن ہارونؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُنہوں نے مجھے تیس حدیثیں املا کرائیں، جنہیں میں نے یاد کرلیا، پھر میں گھر واپس آیا اور ان احادیث کو کاپی میں لکھنے لگا، ابھی تین ہی حدیثیں صاف کی تھیں کہ گھر کی خادمہ نے آکر کہا کہ ''آقائے من! گھر میں آٹا ختم ہوگیا ہے'' اس کی یہ بات سن کر میں مابقیہ ستائیس حدیثیں بھول گیا اور کل تین یاد رہیں، جنہیں کاپی میں صاف کر چکا تھا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۴۷)

(گویا کہ گھریلو تقاضے کی بنا پر ذہن اتنا متأثر ہوا کہ حدیثیں ہی یاد نہ رہیں اور ایسا بہت ممکن ہے)

اِسی لئے بعض اَساتذہ کا مقولہ مشہور ہے کہ: ''لَوْ کُلِّفْتُ شِرَاءَ بَصَلَةٍ مَا تَعَلَّمْتُ مَسْأَلَةً'' (یعنی اگر میں گھر کے لئے پیاز (اور سبزی) خریدنے میں لگا رہتا تو کوئی مسئلہ نہ سیکھ پاتا) (معالم اِرشادیہ ۱۴۸)

نامانوس لوگوں کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ تعلقات کی کثرت طالب علم کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوتی ہے، اگر ساتھی اچھے اخلاق والے ہوں تو صرف وقت کے ضیاع ہی کا نقصان ہوگا، اور اگر وہ بدعمل بدخلق اور نامانوس ہوں تو نہ صرف یہ کہ وقت اور عمر کا ضیاع ہوگا؛

بلکہ ان کی نحوست سے علم بھی ضائع ہو جائے گا۔

اِسی لئے حضرات علماء کرام نے طالب علم کے آداب لکھتے ہوئے خاص طور پر اس بات کی طرف رغبت دلائی ہے کہ طالب علم کا تعلق صرف اپنے ہم فکر اور دینی مزاج رکھنے والے طلبہ کے ساتھ ہونا چاہئے؛ تاکہ آپس میں علمی مذاکرے اور اِفادہ واستفادہ کا تسلسل باقی رہے۔

(معالم اِرشادیہ ۱۴۸)

ساتھی کے ذریعہ ساتھی کی پہچان

عربی کا یہ مقولہ عوام وخواص کی زبانوں پر ہے کہ: ''قُلْ لِي مَنْ تُصَاحِبُ، أَقُلْ لَّکَ: مَنْ أَنْتَ'' (یعنی تم مجھے اپنے ساتھیوں کا پتہ دو تو میں فوراً بتادوں گا کہ تم کون ہو؟ (اور تمہاری ذہنیت کیا ہے؟) (معالم اِرشادیہ ۱۴۸)

حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کی ایک اہم وصیت

اِمامِ اعظم حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردِ عزیز حضرت اِمام ابویوسفؒ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''جب تک خود لوگ نہ چاہیں تم اُن سے زیادہ روابط مت بڑھاؤ، اور اُن سے گفتگو کرتے ہوئے زیادہ تر مسئلہ مسائل کا ہی مذاکرہ کیا کرو، اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگوں میں جو اہل علم ہوں گے وہ علمی مشغلہ میں لگیں گے، اور جو علم سے دلچسپی نہ رکھتے ہوں گے وہ تم سے خود بخود دور ہو جائیں گے، اور اُنہیں کوئی ناگواری بھی نہ ہوگی''۔ (اِس طرح تم غیر علمی مشاغل سے بچ جاؤ گے) (معالم اِرشادیہ ۱۴۸-۱۴۹)

پانچویں فصل:

اچھے لوگوں کے ساتھ کھانا پینا

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات معمولی عمل آدمی کی طبعیت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**لا تُصَاحِبْ إلّا مُؤْمِنًا وَلا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إلّا تَقِيٌّ**" (یعنی صرف مؤمن شخص کی صحبت اختیار کرو اور تمہارا کھانا صرف متقی ہی شخص کھائے) تو اِس ارشادِ عالی میں نبی اکرم علیہ السلام نے یہ رہنمائی فرمائی کہ ساتھ کھانے پینے کا بڑا اثر آدمی پر ہوتا ہے؛ بلکہ علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ "ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہونے کی تاثیر بچہ کو دودھ پلانے کے مانند ہے"۔(معالم اِرشادیہ ۱۵۴)

ناجنس سے تعلق طالب علم کے لئے مضر ہے

علامہ بدر بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے طالب علم کے خصوصی آداب لکھتے ہوئے دسویں نمبر پر تحریر فرمایا ہے کہ "طالب علم کو چاہئے کہ وہ خاص طور پر ناجنس لوگوں سے تعلقات ترک کردے، بالخصوص جن لوگوں کی طبعیت میں کھیل کود غالب ہو اور سنجیدگی کم ہو، ایسے لوگوں سے بدرجہ اولیٰ دور رہنا چاہئے؛ اِس لئے کہ انسانی طبیعتیں دوسروں کی عادات اور خصلتوں کو بہت زیادہ قبول کرنے والی واقع ہوئی ہیں۔اور کثرتِ تعلقات کا نقصان یہ ہے کہ آدمی کی عمر بلا فائدہ ضائع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ صرف انہیں لوگوں سے میل جول رکھے جن کو وہ فائدہ پہنچائے، یا جن سے خود فائدہ اُٹھائے، اور جہاں اَوقات کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو بہتر ہے کہ حسن تدبیر سے جلد از جلد اس سے اپنے کو الگ کرلے؛ کیوں کہ اگر تعلق بڑھ جائے گا تو بعد میں اُسے زائل کرنا مشکل ہوگا"۔فقہاء کا مشہور مقولہ ہے: "**اَلدَّفْعُ أَسْهَلُ مِنَ الرَّفْعِ**"

(یعنی کسی شی کو ابتدائی مرحلہ میں دفع کرنا (قرار پا جانے کے بعد) ہٹانے کے مقابلہ میں آسان ہے)(معالم اِرشادیہ۱۵۴-۱۵۵)

کیسے شخص کو دوست بنایا جائے؟

علامہ بدر بن جماعہؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو ساتھی یا دوست بنانے کی ضرورت ہے تو ایسے شخص کو دوست بنایا جائے، جو درج ذیل صفات سے متصف ہو:

(۱) نیک، دین دار، متقی اور پرہیز گار ہو۔

(۲) عقل منداور سمجھ دار ہو۔

(۳) خوش اخلاق ہو۔

(۵) جھگڑالو نہ ہو۔

(۶) اگر کوئی ضروری کام آدمی بھول جائے تو وہ اُسے یاد دلائے (یعنی بروقت بہترین مشورہ دے)

(۷) خیر کے کام میں معاون ہو۔

(۸) اگر آدمی کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو وہ اُس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرے۔

(۹) اگر آدمی کو غصہ آئے تو وہ اُس کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے۔(معالم اِرشادیہ۱۵۵)

کیسے لوگوں سے دوستی نہ کی جائے؟

علامہ الامام الحکیمؒ فرماتے ہیں: "لَا تَصْحَبْ مَنْ لَّا يُنْهِضُكَ حَالُهُ وَلَا يَدُلُّكَ عَلَى اللّٰهِ مَقَالُهُ" (یعنی ایسے شخص کی صحبت اختیار مت کرو جس کی ظاہری حالت تمہیں خیر پر آمادہ نہ کرے، اور جس کی گفتگو تمہیں اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ نہ ہو)(معالم اِرشادیہ۱۵۵)

اُمت طالب علم کے انتظار میں ہے

ہر عالم اور طالب علم کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ علمی اشتغال اس کے لئے نفلی

عبادات میں مشغولی سے افضل ہے، پس اگر وہ تھوڑا سا وقت بھی ایسے شخص کی صحبت میں صرف کردیں گے جس سے اِفادہ یا استفادہ کی کوئی اُمید نہ ہو، تو یقیناً وہ بڑے خسارہ میں رہیں گے۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص کئی کئی دن فضول مشاغل میں گذار دے تو اس کے خسارہ کا کیا حال ہوگا؟ (معالم اِرشادیہ ۱۵۶)

علامہ حافظ ابن حجرؒ کے رفقاء کا حال

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اُستاذ گرامی شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام میں مہارت کے معاون اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اُن کو ایسے ساتھی نصیب ہوئے جو دین داری، تواضع، علمی اشتغال وغیرہ میں انتہائی اونچے مقام پر فائز تھے، یہ لوگ قرأت حدیث کا موقع دینے، اُستاذ سے حدیث لکھنے، تحصیل علم سے متعلق اشیاء کو عاریت پر دینے اور علمی مذاکرات میں پوری وسعت ظرفی کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون کیا کرتے تھے۔

تو گویا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ زندگی کا پورا وقت تحصیل علم اور مذاکرۂ علم میں گذارتے تھے، اور اُن کی ہر نقل وحرکت میں اُن کے ساتھی ہمہ تن ساتھ رہتے تھے، سب ایک دوسرے کے مددگار اور بیک وقت معلّم اور متعلّم تھے، اور ہر ایک دوسرے کی فکر کرنے والا اور خیر چاہنے والا تھا، ان کے اندر خیر کے معاملات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، اُن میں یہ فکر لگی رہتی تھی کہ کون سب سے پہلے تہجد میں اُٹھے اور کون دوسرے کے مقابلے میں نماز چاشت کی زیادہ پابندی کرے؟ اور کون ہر روز قرآن پاک کی دوسرے سے زیادہ تلاوت کا اہتمام رکھے؟

(اس علم وعمل کے بہترین ماحول میں جب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص پروان چڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو علمی اعتبار سے امتیازی مقام سے نوازا، فالحمد کلہ للہ) (معالم اِرشادیہ ۱۵۶-۱۵۷)

اُستاذ کی ذمہ داری

اساتذہ اور مشائخ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ طالب علم کو بری صحبت کی مضرت کے بارے میں متنبہ کرتے رہیں؛ کیوں کہ اچھے اور برے دوست کی مثال دیتے ہوئے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ: ''اچھے دوست کی مثال اپنے پاس مشک رکھنے والے انسان کے مانند ہے، جب کہ برے دوست کی مثال بھٹی دھونکنے والے شخص کی طرح ہے۔

پس مشک کا مالک شخص یا تو آپ کو مفت میں خوشبو دے دے گا، یا آپ اس سے خرید لیں گے یا پھر (جب تک آپ وہاں موجود رہیں گے) مشک کی عمدہ خوشبو سونگھتے رہیں گے، جب کہ بھٹی دھونکانے والا یا تو آپ کے کپڑے جلادے گا یا آپ وہاں بدبو محسوس کرتے رہیں گے''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۵۷)

آدمی کا انجام اپنے دوست کے نظریہ پر ہوتا ہے

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلرَّجُلَ عَلیٰ دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ'' ۔(یعنی آدمی اپنے دوست کے نظریہ پر شمار کیا جاتا ہے، پس تم غور کرلو کہ کس سے دوستی کررہے ہو)

اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے اچھا ساتھی بننے کے لائق کون ہے؟ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ ذَکَّرَکُمُ اللّٰہَ رُؤْیَتُہٗ وَزَادَ فِيْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَذَکَّرَکُمْ بِالآخِرَۃِ عَمَلُہٗ'' ۔(یعنی وہ شخص سب سے زیادہ دوستی کے لائق ہے جس کا دیکھنا تمہیں اللہ کی یاد دلائے، اور جس کی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے اور جس کا عمل تمہارے لئے آخرت کی یاد دہانی کا ذریعہ ہو) (معالم اِرشادیہ ۱۵۷-۱۵۸)

چھٹی فصل:

علماء راسخین کی شاگردی ضروری ہے

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ مشائخ راسخین کی شاگردی علم صحیح کے حصول کے لئے چابی کی حیثیت رکھتی ہے، اور یہ طالب علم کی فلاح اور کامیابی کی علامت ہے۔ اور جو شخص علماء راسخین کے واسطے کے بغیر علم حاصل کرے، اس سے کسی خیر کی اُمید نہیں ہے، اور اس معاملہ میں علومِ شریعت کا حال بھی دیگر علوم وفنون کے مانند ہے۔ پس جس طرح اس ڈاکٹر پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، جس نے ماہر ڈاکٹروں کے پاس رہ کر علم حاصل نہ کیا ہو۔ اور اس سرجن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جس نے ماہر سرجنوں سے مشق نہ کی ہو۔ نیز اس انجینئر پر بھی کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا جس نے علمی اور عملی طور پر کسی ماہر انجینئر کے پاس رہ کر فن میں مہارت حاصل نہ کی ہو۔ یہی حال دیگر علوم وفنون کا ہے۔

پس اللہ کا دین تو ان سب سے بڑھ کر ہے؛ لہٰذا کسی بھی شخص کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، کتاب اللہ کی تفسیر اور احادیث شریفہ کی تشریح یا ان کی تصحیح وتضعیف وغیرہ علوم کے بارے میں معتبر اور ثقہ علماء سے علم حاصل کئے بغیر اپنی طرف سے کوئی رائے زنی کرے (کیوں کہ جو علم معتبر ذرائع سے حاصل نہ ہو اُس میں گمراہی کا بہت احتمال ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے) (معالمِ ارشادیہ ۱۵۹)

بغیر اُستاذ دعوائے علم کی مثال

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ ''اس اُمت کے سب سے پہلے طلبہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جنھوں نے براہِ راست مشکوٰۃ نبوت سے علم حاصل کیا، ان کے بعد تابعین اور تبع

تابعین کے طبقات ہیں، پھر اُمت میں بڑے بڑے مشائخ اور علماء پیدا ہوئے، جنہوں نے باقاعدہ علم کی اشاعت اور اِفادہ کا سلسلہ جاری رکھا ہے، اور قدرتی طور پر ان سے استفادہ کرنے والے اپنے کو ان حضرات کی طرف منسوب کرتے رہے، جس سے الگ الگ نسبتوں کے علمی وفقہی طبقے وجود میں آئے، اور الگ الگ ناموں سے ان کی پہچان ہونے لگی (مثلاً حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ) تو یہ اساتذہ دراصل ان کے روحانی والد کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی طرف نسبت کو موجب فخر وسعادت سمجھا جاتا ہے۔

اِس کے برخلاف جس شخص کا علم میں کوئی معتبر استاذ اور شیخ نہ ہو، اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو بلاثبوت کسی سے نسبی تعلق کا دعویٰ کرے، تو ایسا شخص مجہول النسب اور غیر معروف ہونے کی وجہ سے ہرگز اعتبار کے قابل نہ ہوگا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۵۹-۱۶۰)

اساتذہ روحانی باپ ہیں

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے ائمہ اور مشائخ ہمارے آباء واجداد کے درجہ میں ہیں''۔

اور اَسلاف فرماتے تھے کہ ہمارے لئے روحانی اَساتذہ جسمانی آباء واَجداد سے کم نہیں ہیں؛ کیوں کہ یہ اساتذہ ہدایت اور نور کے سرچشمہ ہیں؛ لہٰذا وہ محض کھانے پینے کی ذمہ داری والے آباء واجداد سے زیادہ قابل تعظیم ہوں گے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۰-۱۶۱)

اَساتذہ روشنی کے چراغ ہیں

منقول ہے کہ کسی شخص نے علامہ ابن وہبؒ کی مجلس میں اُن کے متعلق کوئی نازیبا بات کہہ دی تو مجلس میں موجود ایک عراقی شخص کو بڑی غیرت آئی، اور اُس نے گستاخی کرنے والے پر سخت نکیر کی، اور علامہ ابن وہبؒ کے بارے میں کہا کہ: ''أَنْتَ مِصْبَاحُنَا وَخِيَارُنَا'' (یعنی آپ تو ہمارے لئے روشنی اور چراغ کے مانند ہیں) لہٰذا ہم آپ کی ناقدری برداشت نہیں کرسکتے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۱)

بے سند علم کا اعتبار نہیں

سلف کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ایسے شخص کے علم کے کبھی قائل نہیں ہوئے، جس نے معتبر اساتذۂ کرام سے علم حاصل نہ کیا ہو، اور نہ ہی اُنہوں نے علم کے بارے میں ایسے شخص کی آراء کو کوئی اہمیت دی۔

چناں چہ اِمام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ''معتبر تو بس وہ لوگ ہیں جو ''حدثنا'' اور ''أخبرنا'' کہہ کر احادیث نقل کرتے ہوں (یعنی ان کے پاس ہر علم کی پختہ اور معتبر سند ہو) اور ان کے علاوہ (بے سند) لوگوں سے کسی خیر کی اُمید نہیں ہے''۔

حضرت صالح بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے خلیفہ وقت معتصم باللہ نے کہا کہ: ''کَلِّمْ ابْنَ أَبِيْ دَاؤُدَ'' (یعنی اس معاملہ میں ابن ابی داؤد سے گفتگو کریں) تو حضرت الامامؒ نے دوٹوک جواب دیا کہ: ''کَیْفَ أُکَلِّمُ مَنْ لَّمْ أَرَہٗ عَلیٰ بَابِ عَالِمٍ قَطُّ'' (یعنی میں ایسے شخص سے کیا بات کروں جسے میں نے کبھی کسی عالم کے دروازے پر (طالب علم بن کر) علم حاصل کرتے نہیں دیکھا) (معالم اِرشادیہ ۱۶۱) (گویا بے سند عالم سے میں بات نہیں کرسکتا)

بغیر استاذ کے علمی حلقہ کا کوئی فائدہ نہیں

خطیب بغدادیؒ نے ''آداب الفقیہ والمتفقہ'' میں لکھا ہے کہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسجد میں چلنے والے ایک علمی حلقہ کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے پوچھا کہ: ''کیا اِس حلقہ کا کوئی رئیس اور مرجع ہے؟'' تو جواب ملا کہ کوئی رئیس تو نہیں ہے (گویا ہر شخص بغیر استاذ کی نگرانی کے مسائل پر غور وفکر میں مشغول ہے) تو حضرت امام اعظمؒ نے ارشاد فرمایا: ''لَا یَفْقَہُ ھٰؤُلَاءِ أَبَدًا'' (یہ لوگ کبھی بھی علم فقہ (میں مہارت) حاصل نہ کرسکیں گے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۳)

علم کیسے اُستاذ سے حاصل کیا جائے؟

اِمام دارالہجرۃ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے شخص سے علم حاصل کیا جاسکتا ہے جس نے نہ تو طالب علمی اختیار کی ہو اور نہ ہی معتبر عالم کی صحبت اسے نصیب ہوئی ہو؟ تو حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص سے علم حاصل کرنے سے منع فرمایا، پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا ایسے شخص سے علم لیا جاسکتا ہے جو معتبر اور ثقہ تو ہو؛ لیکن اس میں قوتِ حافظہ اور فہم وفراست میں کمی ہو؟ تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ”لَا یُکْتَبُ الْعِلْمُ إِلَّا مِمَّنْ یَحْفَظُ وَیَکُوْنُ قَدْ طَلَبَ وَجَالَسَ النَّاسَ وَعَرَفَ وَعَمِلَ وَیَکُوْنُ مَعَهُ وَرَعٌ“ (علم بس ایسے شخص سے ہی لیا جائے گا جس کا حافظہ مضبوط ہو اور اس نے طالب علمی کے ساتھ ساتھ علماء کی صحبت ومعیت حاصل کی ہو، اور علم سیکھ کر اس پر عامل بھی ہو، اور مزید یہ کہ اس میں ورع وتقویٰ کی صفت پائی جائے) (دیکھئے ایک جملہ میں کامل استاذ کی کیسی شان دار تعریف پیش فرمادی) (معالم اِرشادیہ ۱۶۳)

گھٹنے ٹیک کر علم کا حصول

حضرت لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”علماء کی صحبت ومجالست اختیار کرو، اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھا کرو (یعنی تواضع اور یکسوئی کے ساتھ ان سے علم حاصل کرو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علم وحکمت کے ذریعہ دلوں کو اسی طرح زندگی بخشتے ہیں جیسا کہ آسمانی بارش سے بنجر زمین لہلہا اُٹھتی ہے“۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۴)

درس میں اُستاذ کے قریب بیٹھنے کا بے مثال شوق

مشہور نحوی عالم ابونصر ہارون بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے اُستاذ محترم امام ابوعلی القالی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں آتے جاتے تھے، جب کہ وہ قرطبہ کی جامع زہراء میں ”نوادر“ کا املاء کراتے تھے، تو ایک دن میں درس میں شرکت کے لئے آرہا تھا، راستہ میں

بارش شروع ہوگئی، اور جب میں اُستاذ کی مجلس میں پہنچا تو میرے پورے کپڑے پانی سے بھیگ چکے تھے، اور علامہ ابوعلیؒ کے ارد گرد قرطبہ کے اکابر علماء تشریف فرما تھے، تو حضرت الاستاذ نے مجھے دیکھ کر قریب آنے کا حکم دیا اور پھر مجھے تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے ساتھ اس وقت تحصیل علم میں جو واقعہ پیش آیا (یعنی تم بارش میں بھیگ گئے) اس پر افسوس مت کرو؛ کیوں کہ یہ حالت اور پریشانی تو بہت جلدی ختم ہوجائے گی۔ اور اس کی آسان شکل یہ ہے کہ تم کپڑے بدل لو؛ لیکن میرے ساتھ تو طالب علمی کے زمانہ میں ایسی بات پیش آئی کہ میرے بدن میں نشانات پڑ گئے، جو قبر تک میرے ساتھ جائیں گے۔

پھر حضرت نے تفصیلی واقعہ سنایا کہ: میں علامہ ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے جایا کرتا تھا، تو ایک دن میں درس میں آپ کے قریب بیٹھنے کے شوق میں صبح سویرے آپ کی درس گاہ کی طرف چل پڑا، جب میں اس راہ داری تک پہنچا جہاں سے درس گاہ کا دروازہ کھلتا تھا، تو دیکھا کہ اس کا گیٹ بند ہے، تو میں بہت بے چین ہوا کہ میں اتنے سویرے آیا پھر بھی اُستاذ کے قرب سے محروم رہوں گا؟ اسی درمیان مجھے علامہ کے گھر کے قریب ایک سرنگ نما راستہ نظر پڑا، تو میں اس میں پوری طاقت سے گھس گیا، جس کی وجہ سے نہ صرف میرے کپڑے پھٹ کر چیتھڑے بن گئے؛ بلکہ گوشت چھل کر بعض جگہ سے ہڈیاں تک نظر آنے لگیں؛ لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی حالت میں شیخ کی درس گاہ میں حاضری کی سعادت سے نوازا، پھر آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ: ''اس تکلیف کے مقابلہ میں تمہارے بارش میں بھیگنے کی تکلیف کا کیا مقابلہ ہے؟''۔ (معالم إرشادیہ ۱۶۵)

پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

دَبَبْتَ لِلْمَجْدِ وَالسَّاعُوْنَ قَدْ بَلَغُوْا ❖ جَهْدَ النُّفُوْسِ وَأَلْقَوْا دُوْنَهُ الْأُزُرَا

ترجمہ:- تم بلندی کے حصول کے لئے رینگتے ہی رہے، جب کہ دوڑنے والے پوری طاقت سے دوڑے، اور بلندی تک پہنچ کر ہی اُنہوں نے اپنی کمر کے بند کھولے۔

فَکَابَدُوا الْمَجْدَ حَتّٰی مَلَّ أَکْثَرُھُمْ ❖ وَعَانَقَ الْمَجْدَ مَنْ أَوْفٰی وَمَنْ صَبَرَا

ترجمہ :- اُنہوں نے بلندی کی راہ میں بے پناہ مشقت اُٹھائی، مگر اکثر کا حال یہ رہا کہ وہ بالآخر اُکتا کر (بیٹھ گئے) بلندی سے وہی ہم آغوش ہوا جس نے بھرپور صبر کا مظاہرہ کیا۔

لاَ تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمْرًا أَنْتَ آکِلُهٗ ❖ لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّٰی تَعْلَقَ الصَّبِرَا

ترجمہ :- رفعت و بلندی کوئی شیریں کھجور نہیں، جسے تم اُٹھا کر کھالو، ایلوے کی تلخیوں کا مزہ چکھے بغیر تمہارے لئے بلندی تک پہنچنا ناممکن ہے۔

ابونصر کہتے ہیں کہ ہم نے مجلس درس میں حاضری سے قبل ہی یہ اشعار اپنی کاپی میں نوٹ کرلئے، اور بارش میں بھیگنے کی وجہ سے جو مجھے پریشانی پیش آئی، اس کا احساس ختم ہوگیا، اور میں نے پہلے سے زیادہ مذکورہ شیخ کے پاس آنا شروع کردیا، اور وفات تک میں آپ کے ساتھ ہی رہا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۶)

اُستاذ کا نہایت اَدب واحترام

سلف صالحین اپنے اساتذہ کا کس قدر احترام کرتے تھے، اس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ذاتی وجاہت کے باوجود جب کسی دوسرے صحابی سے علم حاصل کرنے کے لئے ان کے درِ دولت پر تشریف لے جاتے، تو اس خطرے سے کہ موصوف کہیں آرام یا مشغولیت میں نہ ہوں؛ دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے؛ بلکہ دروازے کے باہر انتظار فرماتے تھے، اور جب وہ صحابی از خود باہر تشریف لاتے، تو اُن سے ملاقات فرماتے اور اُن کی صحبت میں وقت گذار کر اُن سے علم حاصل فرماتے تھے۔

اور اسی طرح کا عجیب واقعہ امام عبدالرحمٰن بن القاسم العتقی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو حضرت امام مالکؒ کے سب سے جلیل القدر شاگرد اور جانشین تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں صبح صبح اندھیرے میں حضرت الامام کے گھر حاضر ہوجاتا اور حسبِ موقع سوالات کرکے فیض یاب ہوتا تھا، اور اس وقت عموماً بشاشت اور نشاط کا ماحول رہتا تھا۔ الغرض میرا روزا اسی وقت حاضری کا

معمول تھا، ایک دن میں پہنچا تو مجھ پر نیند کا غلبہ تھا، اس لئے میں آپ کے دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور مجھے گہری نیند آ گئی، حتی کہ حضرت امام مالکؒ گھر سے نکل کر مسجد تشریف لے گئے اور مجھے پتہ بھی نہ چلا، پھر آپ کی ایک باندی باہر آئی، اس نے اپنے پیر سے مجھے جگایا، اور کہنے لگی کہ تمہارے سردار (حضرت الامامؒ) مسجد جا چکے، وہ تمہاری طرح غافل نہیں رہتے؛ بلکہ آج ۴۹ رسال ہونے کو آ گئے، وہ (اکثر) فجر کی نماز عشاء کے وضو سے ادا فرماتے ہیں (گویا کہ حضرت عبد الرحمٰن کے بکثرت آنے جانے اور رات کے وقت چوکھٹ پر لیٹنے سے باندی نے یہ خیال کیا کہ یہ حضرت الامام کے غلام ہیں، اسی لئے اس انداز میں گفتگو کی۔ (اللہ اکبر! یہ ہے طالب علم کی اصل نشانی) (معالم اِرشادیہ ۱۶۸)

طالب علم کے لئے اُستاذ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام بہتر ہے

فقہاء نے لکھا ہے کہ طالب علم کے لئے استفادہ کی خاطر اپنے استاذ کے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا بہتر اور افضل ہے؛ اِس لئے کہ اس کی بنا پر بہت سے غیر متوقع فوائد اُسے نصیب ہو سکتے ہیں۔

اِس کی ایک عملی مثال اور نمونہ پیش کرتے ہوئے شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ’’میں ایک مرتبہ اپنے بزرگ ترین اُستاذ گرامی علامہ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں مسجد قبا میں نماز تراویح پڑھنے کے لئے حاضر تھا، ابھی عشاء کی اقامت میں دیر تھی اور ہم نماز کے انتظار میں صف میں بیٹھے ہوئے کچھ علمی مذاکرہ کر رہے تھے، اسی درمیان میری زبان سے نکلا: ’’مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ، وَمَذْهَبُ غَيْرِنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ‘‘ ۔تو حضرت الاستاذؒ نے فوراً مجھے متنبہ فرمایا کہ ایسے نہیں؛ بلکہ یوں کہو: ’’مَذْهَبُنَا صَوَابٌ وَيَحْتَمِلُ الْخَطَأَ، وَمَذْهَبُ غَيْرِنَا خَطَأٌ وَيَحْتَمِلُ الصَّوَابَ‘‘ تو میں اِس بروقت تنبیہ پر جھوم اُٹھا۔

(مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ بڑا باریک نکتہ ہے، جس کی طرف علامہ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے

توجہ دلائی ہے کہ جب یہ جملہ بغیر واؤ کے بولا جائے گا تو پورا جملہ صواب یا خطا کی صفت بنے گا، اور مطلب یہ ہوگا کہ مذہب کے ہر قول میں صواب یا خطا کا احتمال ہے، جب کہ بیچ میں واؤ لگا دینے سے معنی بالکل بدل جائیں گے، اور یہ شبہ نہیں رہے گا کہ ہر مسئلہ میں صواب یا خطا کا احتمال ہے۔ واقعی یہ بڑی گہری بات ہے جو علامہ مذکور جیسے عظیم استاذ ہی سے صادر ہو سکتی ہے)

آگے شیخ عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عظیم افادہ پر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے بار بار حضرت الاستاذ کا شکریہ ادا کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ: ''اسی لئے تو فقہاء نے طالب علم کے لئے اُستاذ کی مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل کہا ہے؛ تا کہ جتنا زیادہ مصاحبت کا موقع ملے گا، اتنا ہی اِفادہ میں زیادتی ہوگی''۔ اس کے بعد میں نے کتابوں کی مراجعت کی اور فقہاء کے کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۶-۱۶۷)

اہل علم کے ساتھ میل جول

حکیم الامت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ مَمْشَاهُ وَمَدْخَلُهُ وَمَخْرَجُهُ مَعَ أَهْلِ الْعِلْمِ'' یعنی آدمی کے فقیہ (اور سمجھ دار) ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا چلنا پھرنا اور آنا جانا اہل علم کے ساتھ ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۹)

جہاں بھی رہو فقیہ سے رابطہ رکھو

علماء ومشائخ کی ایک قیمتی وصیت ہے کہ: ''حَيْثُمَا كُنْتَ فَكُنْ قُرْبَ فَقِيْهٍ'' یعنی تم جہاں بھی رہو فقیہ عالم دین سے قرب اختیار کرو (اِس لئے کہ اس سے تعلق کی وجہ سے تمہیں قدم قدم پر صحیح مشورے اور مناسب رہنمائی ملتی رہے گی)

چناں چہ علامہ عبداللہ بن ابی موسیٰ التستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نصیحت کی گئی کہ ''جہاں بھی رہو کسی فقیہ سے وابستہ رہو''، تو جب میں سفر کر کے بیروت پہنچا تو حضرت امام اَوزاعی رحمۃ اللہ علیہ (جو ملک شام کے بڑے فقیہ تھے) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کی

مجلسوں میں حاضری دینے لگا، تو ایک دن آپ نے میرے وطن اور خاندان کے بارے میں تحقیق کی اور میں پہلے مجوسی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی تھی، تو میں نے سارے احوال بتادئے، تو حضرت نے فرمایا کہ "کیا تمہارے والد باحیات ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں! وہ عراق میں ہیں اور مجوسی ہیں"۔ تو آپ نے فرمایا کہ "کیا اچھا ہو کہ تم اپنے والد کے پاس واپس لوٹ جاؤ، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے والد کو ہدایت سے نواز دیں"۔ چناں چہ حضرت کے توجہ دلانے پر میں عراق لوٹ آیا، تو دیکھا کہ والد بیمار ہیں، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ: "بیٹے تم کس دین پر ہو؟" میں نے بتایا کہ میں اسلام لاچکا ہوں، تو اُنہوں نے کہا کہ اپنا دین میرے سامنے بھی پیش کرو، چناں چہ میں نے دین کی بنیادی باتیں انہیں سنائیں، تو اُنہوں نے کہا کہ: "میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے"، پھر وہ اسی مرض میں اسلام کی حالت میں وفات پاگئے، اور میں ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد واپس بیروت لوٹ آیا، اور پوری بات حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو سنادی۔ تو دیکھئے امام اوزاعیؒ کی صحبت کا فوری فائدہ کیسے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے والد کی ہدایت کا اسے سبب بنادیا، فالحمد کلہ للہ۔ (معالم اِرشادیہ ۱۶۹-۱۷۰)

اُستاذ کی صحبت میں زندگیاں کھپادیں

علم میں رسوخ کے لئے لمبی مدت تک اُستاذ کی صحبت و معیت بھی ناگزیر ہے (محض چند روز گذارنے سے کام نہیں چلتا) چناں چہ سلف صالحین کے حالات اس پر شاہد ہیں کہ اُنہوں نے اُستاذ کی خدمت میں پوری عمر لگادی، تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں آفتاب و ماہتاب بنادیا۔ چند نمونے ملاحظہ کریں:

امام ابن حبانؒ مشہور ثقہ تابعی "نعیم بن المجمرؒ" کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ "اُنہوں نے مسلسل بیس سال تک سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجالس میں حاضر ہوکر استفادہ کیا ہے"۔

ابن حبانؒ مشہور محدث ''خالد بن یحییٰ البلخیؒ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اُنہوں نے پوری عمر محدث کبیر حضرت سفیان بن عیینہؒ کی مصاحبت میں گذار دی''۔

معروف اور معتبر تابعی محدث حضرت ثابت البنانیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ''اُنہوں نے چالیس سال مسلسل صحابی رسول سیدنا حضرت انس بن مالکؓ کی صحبت میں گذارے''۔

امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک بن انسؒ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''تیس سال ایک اُستاذ کے پاس آتے جاتے رہے''۔

حضرت امام مالکؒ کے مشہور شاگرد رشید حضرت نافع بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ ''میں مسلسل ۴۰-۴۵ر سال حضرت الامام مالکؒ کی خدمت میں صبح دوپہر اور شام کی مجالس میں حاضر رہا''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۷۰-۱۷۱)

''اَبوحنیفہ'' اِمامِ اعظم کیسے بنے؟

علامہ موفق مکیؒ کی کتاب ''مناقب ابی حنیفہ'' میں تحریر ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ ''آپ کو فقہ میں یہ بلند مقام کیسے حاصل ہوا؟'' تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ''میں کوفہ میں علم وفقہ کے خزانے میں پروان چڑھا، چناں چہ میں نے علماء وفقہاء کی مجالس سے استفادہ کیا، اور ان میں سے ایک فقیہ کو خاص طور پر لازم پکڑ لیا، اور وہ ''حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ'' تھے، جن سے مجھے بڑا نفع ہوا''۔ اور فرمایا کہ ''میں نے حضرت الاستاذ سے ایسی وابستگی اختیار کی کہ شاید ہی کسی اور نے ایسی وابستگی کی ہو، میں حضرت سے بہت زیادہ سوال کیا کرتا تھا (تاکہ علم میں اضافہ ہو) حتیٰ کہ حضرت کبھی کبھی اُکتا کر فرماتے کہ ''ابوحنیفہ (بس کرو؛ کیوں کہ جواب دیتے دیتے) میرا پہلو تھک چکا ہے، اور سینہ تنگ ہو چکا ہے''۔ (اللہ اکبر)

اِس واقعہ کا تذکرہ فرما کر شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہ فرمانا کہ ''میں علم وفقہ کے ماحول میں پروان چڑھا'' اِس بات کی جانب مشیر ہے کہ آدمی کی علمی وفقہی سربلندی کے لئے ماحول کا سازگار اور معاون ہونا بھی ضروری ہے۔ اِسی طرح آپ کا یہ فرمانا

کہ ’’میں نے فقہاء میں سے ایک فقیہ کو خاص کر استفادہ کے لئے منتخب کرلیا‘‘ یہ اس جانب مشیر ہے کہ ہر طالب علم کو اپنے لئے کسی خاص استاذ کو مشعل راہ بنالینا چاہئے، اور اس کی مکمل پیروی کرنی چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۷۱)

اَساتذہ کا اَدب

جو شخص علماء اور اَساتذہ سے براہِ راست علم حاصل نہ کرے اور لمبی مدت تک ان سے استفادہ کا اسے موقع نہ ملے، وہ کما حقہ اُن کی قدر و قیمت بھی معلوم نہیں کرسکتا؛ بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے علم کے زعم میں اپنے بڑوں کے بارے میں بدزبانی یا جرأت و گستاخی کا مرتکب نہ ہوجائے، جب کہ اساتذہ و مشائخ کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے والا شخص ان کے ساتھ ہمیشہ ادب کا معاملہ کرے گا۔

جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ’’میں نے کبھی بھی اپنے اُستاذ گرامی حضرت حماد بن ابی سلیمانؒ کے گھر کی طرف پیر نہیں پھیلائے، اگر چہ میرے اور آپ کے گھر کے درمیان سات گلیوں کا فاصلہ تھا‘‘۔

اور مناقب شافعیؒ میں لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ’’جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے حضرت الامام مالکؒ کی بے مثال جلالت علمی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، تو میرا دل آپ کے ادب و احترام سے بھر گیا، حتیٰ کہ میرا حال یہ تھا کہ آپ کی مجلس میں حاضری کے وقت اگر کتاب کا صفحہ الٹنا ہوتا تو میں آپ کے رعب کی وجہ سے بہت آہستہ سے صفحہ پلٹتا تھا کہ بالکل آواز نہ ہو‘‘۔

اور حضرت امام شافعیؒ کے خاص شاگرد ’’ربیع بن سلیمانؒ‘‘ فرماتے ہیں کہ ’’میں مارے ادب کے حضرت امام شافعیؒ کے سامنے پانی پینے کی بھی جرأت نہ کرسکتا تھا‘‘۔

واقعی یہ ہیں وہ آداب جو ہم سب کے لئے روشن نمونہ ہیں، جن کی حتی الامکان پیروی کرنی چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۷۲-۱۷۳)

حصولِ علم کا سب سے نفع بخش طریقہ

علامہ ابو اسحٰق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الموافقات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ حصولِ علم کا سب سے بہتر اور نفع بخش طریقہ یہ ہے کہ ماہرین علم کی خدمت میں رہ کر ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے؛ کیوں کہ عادت اور تجربہ یہی ہے کہ اس کے بغیر آدمی میں گیرائی اور کمال پیدا نہیں ہو پاتا، اس بات پر تقریباً سبھی علماء کا اتفاق ہے۔ چناں چہ یہ مقولہ مشہور ہے کہ: ''دورِاول میں علم لوگوں کے سینوں میں تھا، پھر بعد میں وہ کاغذ کے اوراق اور کتابوں کی طرف منتقل ہوگیا؛ لیکن آج بھی اس علم کی چابی لوگوں (اساتذہ) کے سینوں میں ہی ہے''۔

اس لئے طالب علم پر لازم ہے کہ وہ صرف کتابوں کے مطالعہ پر اکتفاء نہ کرے؛ بلکہ ماہر اساتذہ کی شاگردی اختیار کرے، اور اس مضمون کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اِرشادِ عالی سے بھی ہوتی ہے کہ: ''إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ''. (صحيح البخاري، كتاب العلم / باب كيف يقبض العلم ۱/ ۲۰ رقم: ۱۰۰) (یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں سے (براہِ راست) علم نہیں نکالیں گے؛ بلکہ علماء کی وفات کے ذریعہ علم کو ختم فرمائیں گے) اس سے معلوم ہوا کہ علماء کے قلوب ہی دراصل علم کے لئے چابی اور ذریعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ (معالم ارشادیہ ۱۷۴)

بغیر اُستاذ کے علم کا حصول خطرناک ہے

علامہ ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الآداب الشرعیۃ'' میں امام ابوحیان الاندلسیؒ کے چند اشعار اس موضوع پر نقل کئے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

يَظُنُّ الْغُمْرُ أَنَّ الْكُتُبَ تَهْدِيْ ❖ أَخَافَهُمٍ لِإِدْرَاكِ الْعُلُوْمِ

وَمَا يَدْرِيْ الْجَهُوْلُ بِأَنَّ فِيْهَا ❖ غَوَامِضُ حَيَّرَتْ عَقْلَ الْفَهِيْمِ

إِذَا رُمْتَ الْعُلُوْمَ بِغَيْرِ شَيْخٍ ❖ ضَلَلْتَ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ
وَتَلْتَبِسُ الْأُمُوْرُ عَلَيْكَ حَتّٰى ❖ تَصِيْرَ أَضَلَّ مِنْ ''تُوْمَا الْحَكِيْمِ''

ترجمہ:- (۱) مدہوش آدمی یہ سمجھتا ہے کہ سمجھ دار شخص کے لئے حصولِ علم کے واسطے کتابوں کا مطالعہ کافی ہے۔

(۲) حالاں کہ جاہل شخص کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کتابوں میں بعض ایسے پوشیدہ مقام آتے ہیں جو عاقل وفہیم کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔

(۳) اگر تم بغیر استاذ کے علم حاصل کرنا چاہو گے تو تم راہِ حق سے بھٹک جاؤ گے۔

(۴) اور تم پر معاملات مشتبہ ہو جائیں گے، حتیٰ کہ تم ''توما حکیم'' سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

(مشہور ہے کہ زمانۂ قدیم میں عرب میں ایک جاہل شخص ''توما حکیم'' کے نام سے معروف تھا، جو محض کتابیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کا علاج کرتا تھا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے، اس کی جہالت اس قدر تھی کہ اس نے حدیث نبوی ''اَلْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ'' (یعنی کلونجی ہر بیماری کی دوا ہے) کو ''یاء'' سے تحریف کر کے ''الحية السوداء شفاء من كل داء'' پڑھا (یعنی کالا ناگ (سانپ) ہر بیماری سے شفاء ہے) (نعوذ باللہ منہ)

(معالم اِرشادیہ ۱۷۴-۱۷۵)

صاحبِ تحقیق اُستاذ کی لازمی صفات

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ طے ہو گیا کہ علم کی تحصیل کے لئے ماہر اساتذہ کی شاگردی ضروری ہے تو جاننا چاہئے کہ کسی بھی فن میں ماہر استاذ اُسے کہا جائے گا جو:

الف:- فن کے تمام اُصول وضوابط پر گہری نظر رکھتا ہو۔

ب:- اپنے مافی الضمیر کو بخوبی ادا کرنے پر قادر ہو۔

ج:- اُصول سے تخریج واستنباط میں مہارت رکھتا ہو۔

د:- اس فن پر کوئی اعتراض یا شبہ وارد ہو تو اُس کا اطمینان بخش جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۱۷۵)

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا صفات سلف صالحین علماء متقدمین میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں؛ البتہ بعض مسائل میں خطا ہو جانا یہ نہ تو اس کے عالم ہونے کے منافی ہے اور نہ ہی اس کے مقتدا ہونے کے معارض ہے (اِس لئے کہ نبی کے علاوہ کوئی خطا سے پوری طرح محفوظ نہیں ہے) (معالم اِرشادیہ ۱۷۵)

عالم محقق کی خاص علامتیں

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ عالم محقق کی خاص طور پر تین علامات ہیں، پس جس میں یہ علامتیں پائی جائیں اُسے ہی اُستاذ بنانا چاہئے، وہ علامات درج ذیل ہیں:

(۱) علم وعمل میں موافقت:- یعنی اس کا قول اس کے فعل کے موافق ہو؛ کیوں کہ اگر آدمی کے قول وعمل میں مطابقت نہ ہو تو وہ رہنما اور مقتدا بننے کے ہرگز لائق نہیں ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ معتبر مشائخ اور علماء سے اسے تربیت کی سعادت حاصل ہو، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا، پھر صحابہ سے تابعین نے اور اُن سے تبع تابعین نے الیٰ آخرہ۔ چناں چہ آپ دیکھیں گے کہ متأخرین میں جو عالم بھی علمی اِفادہ میں مشہور ہوا تو اُس کے اساتذہ بھی اسی کی طرح اچھی شہرت کے حامل ملیں گے۔ اِس کے برخلاف جتنے بھی کج فکر اور مخالفِ سنت فرقے ہیں، اُن کا معاملہ اس کے برخلاف ہوگا (یعنی وہ خود بھی غلطی پر ہوں گے اور وہ جن کی تربیت میں رہے ہوں گے، اُن کا حال بھی ایسا ہی ہوگا) اِسی بنا پر علماء نے مشہور ظاہری عالم علامہ ابن حزم ظاہریؒ پر اعتراض کیا ہے کہ اُنہوں نے مختلف اساتذہ سے علم تو حاصل ضرور کیا؛ مگر کسی ایک کی خاص صحبت اُنہیں نصیب نہ ہوسکی، اور اُن جیسے آداب سے وہ محروم رہے۔ اِس کے برخلاف ائمہ اربعہؒ وغیرہم کو یہ سعادت پوری طرح حاصل ہوئی، جس کی بنا پر انہیں رسوخ فی العلم کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوا۔

(۳) اور عالم محقق کی تیسری علامت یہ ہے کہ اُس نے اَساتذہ سے صرف علم ہی نہ حاصل کیا ہو؛ بلکہ اُن سے علم کے آداب بھی اچھی طرح سیکھے ہوں، اور پھر کامل اتباع وانقیاد کا مظاہرہ بھی کیا ہو۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کی اور پھر تابعین اور تبع تابعین میں بھی یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ جاری رہا۔ اور اِس معاملے میں اگرچہ سبھی اَئمہ متبوعین نے اہتمام کیا؛ لیکن خاص طور پر اِمام دارالہجرۃ حضرت اِمام مالکؒ کا نام ضرب المثل بن گیا کہ اُنہوں نے تعامل فقہاء اہل مدینہ کو دین کی ایک اصل قرار دے کر اس پر مضبوطی سے عمل کیا۔

لیکن جب سے اتباع وانقیاد کا معاملہ کمزور پڑا ہے، اسی وقت سے بدعات اور کج فکریاں سر اُٹھائے ہوئے ہیں؛ کیوں کہ ترک انقیاد ہی سے دین میں من گھڑت باتیں رواج پاتی ہیں، اور یہی خواہشاتِ نفسانیہ کا اتباع ہے۔ (نعوذ باللہ) (معالم ارشادیہ ۱۷۶-۱۷۷)

تحصیل علم کے طریقے

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تحصیل علم کے دو طریقے ہیں:

(۱) بالمشافہۃ:- یعنی اُستاذ سے روبرو ہوکر علم حاصل کرنا، تو بلاشبہ یہ سب سے زیادہ نفع بخش اور بہتر طریقہ ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اُستاذ اور شاگرد کے درمیان گہری مناسبت پیدا فرمادیتے ہیں، جسے ہر وہ شخص محسوس کرسکتا ہے جو علمی مشغلہ میں لگا ہو، چناں چہ بسا اَوقات ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم کوئی عبارت مسلسل رٹتا رہتا ہے، مگر اُسے سمجھ نہیں پاتا؛ لیکن وہی بات جب اُستاذ اُس کے سامنے پیش کرتا ہے تو بند گرہیں کھل جاتی ہیں اور بلاتاخیر فوراً بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور جس قدر طالب علم کی طرف سے اُستاذ سے لگاؤ اور اُس کی اتباع کا جذبہ ہوگا اُتنا ہی اُس سے روشنی کا حصول زیادہ ہوتا چلا جائے گا۔

(۲) مطالعہ:- یعنی کتابوں (وغیرہ) کے مطالعہ سے علم حاصل کرنا، تو یہ طریقہ بھی فی الجملہ نفع بخش ہے؛ لیکن اس میں دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

الف:- اول یہ ہے کہ مطالعہ جبھی مفید ہوگا جب کہ سمجھ کر مطالعہ کیا جائے، اور یہ بات بغیر علماء اور اَساتذہ کے براہِ راست حاصل ہونی مشکل ہے؛ لہٰذا علماء کی رہنمائی کے بغیر محض مطالعہ کتب سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

ب:- دوسری بات یہ ہے کہ آدمی علماء متقدمین کی کتابوں سے بے نیازی نہ برتے؛ کیوں کہ اصل علوم کا سرچشمہ متقدمین ہی کے علوم ہیں۔ متأخرین نے انہی کے علوم سے خوشہ چینی کر کے اپنی تحریری کاوشیں مرتب کی ہیں۔ اور بات یہ ہے کہ اولین لوگوں میں جو علم کا رسوخ رہا ہے وہ بعد کے لوگوں میں بمشکل پایا گیا ہے، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال ہے کہ علومِ شرعیہ میں اُن کے درجہ تک تابعین نہیں پہنچ سکے، پھر اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کا درجہ ہے، إلیٰ آخرہ أي یومنا ھذا، نیز حدیث: "خَیۡرُ النَّاسِ قَرۡنِيۡ الخ" سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

بریں بنا مطالعہ اسی وقت زیادہ مفید ہوگا جب کہ متقدمین کے علوم سے استفادہ پر خاص توجہ دی جائے (تاہم اُن کے ساتھ ساتھ متأخرین کی کتابیں بھی مطالعہ میں رہیں تو مزید خیر کی بات ہوگی) (معالم اِرشادیہ ۱۷۷-۱۷۹)

آنکھ بند کر کے ہر تحریر پر بھروسہ نہ کیا جائے

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ: چوں کہ تحریر میں کبھی کبھی کتابت وغیرہ کی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے، اور پھر اس کو بلا تحقیق آگے نقل کیا جاتا رہتا ہے، اور وہی غلط بات عام ہو جاتی ہے، اس لئے علماء محققین نے اسی مقصد سے باقاعدہ دو علوم ایجاد فرمائے: اول عام عبارات میں رائج غلطیوں پر تنبہ کے لئے جس کا نام "التصحیف و التحریف" رکھا گیا، اور دوسرے راویوں کے ناموں میں اشتباہ کو دور کرنے کے لئے جس کا نام "المؤتلف و المختلف" رکھا گیا۔ اور اساتذہ نے اپنے شاگردوں کو نصیحت فرمائی کہ "علم کے حصول میں محض ہماری کاپیوں پر اعتماد نہ کیا جائے (بلکہ زبانی القاء پر اعتماد کیا جائے)"۔ (معالم اِرشادیہ ۱۷۹)

روایت حدیث میں محض ''کاپی'' پر اعتماد کیوں نہیں؟

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ دور اول میں چوں کہ عبارات پر اعراب اور نقطوں وغیرہ کا رواج نہ تھا، اس لئے محض ''اُستاذ کی کاپی'' پر اعتماد سے منع کیا جاتا تھا؛ اس لئے کہ اعراب یا نقطہ کی غلطی سے معانی میں فساد کا بہت احتمال رہتا تھا۔

اس پر شیخ محمد عوامہ مدظلہ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں علم ''مخطوطات'' سے نکل کر ''مطبوعات'' کی طرف منتقل ہو چکا ہے؛ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج ہم ان مطبوعات میں ایک الگ طرح کی آزمائش میں مبتلا ہیں، جو پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اور وہ خرابیاں تین طرح کی ہیں:

(۱) بعض مرتبہ پوری کوشش کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں، جس سے کوئی انسانی کاوش مبرا نہیں ہے۔

(۲) اور بعض مرتبہ طالبین وناشرین کی لاپرواہی کی وجہ سے طباعت کی غلطیاں عام ہو جاتی ہیں۔

(۳) اور تیسری سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوتی ہے کہ کسی کتاب پر کوئی ''اَناڑی'' (یعنی اُس فن سے پوری طرح واقفیت نہ رکھنے والا) شخص تحقیق وتعلیق کی جسارت کرتا ہے اور اپنی ناواقفیت کی وجہ سے غلط کو صحیح یا صحیح کو خواہ مخواہ غلط ثابت کر دیتا ہے، اور تحقیق کے خوب صورت پردے میں علمی اور طباعتی غلطیوں کو خوب رواج دیا جاتا ہے۔

یہ اِس دور کا بڑا تشویش ناک پہلو ہے، جس کی وجہ سے محض مطالعہ کے بجائے ماہر اَساتذہ سے براہِ راست علم دین کے حصول کی اہمیت وافادیت مزید بڑھ جاتی ہے، اس لئے ہم اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ جو لوگ نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرنٍ علوم حاصل کرتے آئے ہیں، انہی کی خدمت میں رہ کر علمی استفادہ کیا جائے؛ تاکہ ہم کج روی اور کج فکری سے پوری طرح محفوظ رہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۰-۱۸۱)

عصری یونیورسٹیوں میں دینی شعبوں کا حال

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: پہلے دور میں علم دین اس طرح حاصل کیا جاتا تھا کہ طلبہ اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے، اور علماء کی چوکھٹوں پر حاضری دیتے تھے، اور ہر فن کی قابل اعتماد کتاب پڑھتے تھے، اور ہر موضوع کی مختصر کتابوں کو زبانی یاد کیا کرتے تھے، اور ہمہ جہتی استفادہ کے ذریعہ بتدریج علم کے مراحل کو طے کرتے تھے۔ تا آں کہ اپنی ذاتی محنت اور مشکل مقامات کو اپنے اساتذہ اور مشائخ کے ذریعہ حل کر کے وہ طالب علم جلد ہی اس مقام تک پہنچ جاتا تھا کہ وہ آنے والی نئی نسل (خواہ وہ دیگر طلبہ ہوں یا عامۃ المسلمین ہوں جنہیں دینی رہنمائی کی ضرورت ہو) کے لئے مرجع کی حیثیت بن سکے، بعد میں اگر چہ قرناً بعد قرنٍ علمی حیثیت میں انحطاط آتا رہا؛ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی درجہ میں تسلسل برقرار رہا۔

لیکن اب ہم ایک خطرناک مرحلہ میں داخل ہو چکے ہیں، جو آئندہ ہمیں مزید خطرات میں ڈالنے کا سبب بن سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''ایسے فتنے آئیں گے کہ ہر آنے والا فتنہ پچھلے فتنہ کو ہلکا ثابت کر دے گا''۔ (سنن ابن ماجہ رقم: ۳۲۱۰)

اور وہ خطرناک مرحلہ یہ ہے کہ آج عموماً یونیورسٹیوں میں جو دینیات کا شعبہ (کلیۃ الشریعہ) ہوتا ہے، اُس میں داخل ہونے والے طلبہ کو نہ تو باقاعدہ حاضری کا پابند بنایا جاتا ہے اور نہ ہی اس شعبہ میں داخلہ کے لئے طالب علم کی علمی استعداد اور صلاحیت کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اور بسا اَوقات ایسے مبتدی طلبہ کو بھی داخلہ کے لئے قبول کر لیا جاتا ہے جو علوم شرعیہ کے مبادی اور ضروری فنون سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ چناں چہ یہ ناقص الاستعداد طالب علم یونیورسٹی میں آ کر براہِ راست ''کلیۃ الشریعہ'' میں داخلہ لے لیتا ہے، اور اس کا مقررہ کورس محض چار سال میں پڑھ کر یہ سمجھتا ہے کہ وہ مدرس اور معلم بننے کے قابل ہو گیا ہے، پھر وہ عام مجلس میں بیٹھ کر بے دھڑک دینی موضوعات پر گفتگو کرتا ہے (حالاں کہ اسے علمی گیرائی قطعاً نصیب نہیں ہوتی)

(معالم اِرشادیہ ۱۷۱-۱۷۲)

انسان کی عمر کے تین مراحل

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہر انسان کی عمر کے تین مراحل ہیں:

(۱) عمر زمانی:- جو اُس کی ولادت سے شروع ہو کر وفات تک ہوتی ہے۔

(۲) عمر عقلی:- اِس میں لوگوں کے مراتب مختلف ہیں، بعض کی عقل اور سمجھ اُن کی عمر زمانی سے زیادہ ہوتی ہے، اور بعض کی برابر یا کم ہوتی ہے۔

(۳) عمر علمی:- اِس کا آغاز اُس دن سے ہوتا ہے جب انسان تعلیم و تعلم کی ابتدا کرتا ہے۔

اَب جس طالب علم نے ''کلیۃ الشریعہ'' میں داخلہ سے پہلے ثانوی تعلیم میں دین و شریعت کے بارے میں کچھ نہیں پڑھا ہوتا ہے، وہ چار سال میں ڈپلوما لے کر شریعت کا اُستاذ بن جاتا ہے، اور اسے مجلسوں میں صدر نشین بنایا جاتا ہے۔ (حالاں کہ اس کی علم شرعی کی عمر صرف چار سال ہے)

اس کے برخلاف ایک طالب علم وہ ہے جو ثانوی مرحلہ میں متواتر چھ سال علومِ شرعیہ پڑھنے کے بعد پھر یونیورسٹی میں ''کلیۃ الشریعہ'' میں داخلہ لے کر مزید چار سال پڑھتا ہے، تو گویا کہ اس کی علمی عمر دس سال کی ہو جاتی ہے۔

پھر ان دونوں میں صرف سال کے عدد کے اعتبار ہی سے فرق نہیں؛ بلکہ تاثیر کے اعتبار سے بھی بڑا فرق ہوتا ہے؛ اس لئے کہ ثانوی (مڈل) درجہ کے چھ سال طالب علم کے لئے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں؛ کیوں کہ انہی ابتدائی چھ سالوں میں علمی محنت طالب علم کے بتدریج ترقی کرنے اور ذہن و مزاج میں پختگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، جب کہ براہِ راست ''کلیۃ الشریعہ'' میں داخل ہو کر پڑھنے والے طالب علم کی مثال بغیر زینہ کے سطح پر پہنچنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے، جو ہرگز متصور نہیں ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۲-۱۸۳)

ایک خطرناک لاعلاج مرض

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ: عصری جامعات میں ایک اور خطرناک اور لاعلاج مرض یہ

پیدا ہوگیا ہے کہ وہاں ''کلیۃ الشریعۃ'' کے اَساتذہ اِس بات سے واقف ہونے کے باوجود کہ اُن کے طلبہ کی علمی لیاقت نہایت ناقص ہے، پھر بھی وہ انہیں پہلے ہی سال میں اَئمہ اَربعہؒ کی فقہی آراء کے بارے میں آزادانہ بحث ومباحثہ پر آمادہ کرتے ہیں، اور آیاتِ قرآنیہ اور اَحادیثِ شریفہ میں براہِ راست رائے زنی کا اختیار انہیں دے دیتے ہیں، گویا کہ جس طالب علم کی علمی عمر صرف ایک سال (یا اس سے بھی کم) ہوتی ہے، وہ ائمہ اَربعہؒ کی آراء ذکر کرنے کے بعد اپنی ذاتی رائے اور ترجیحات بھی ذکر کرنے لگتا ہے، اس سے آپ مزید تعجب خیز نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۳)

ذاتی یادداشتوں پر علم کا مدار

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ: آج کل اکثر یونیورسٹی کے طلبہ علماء متقدمین اور اَسلاف کی کتابوں سے استفادہ کے بجائے صرف درسی نوٹ پر اکتفاء کرنے لگے ہیں، اور وہ اپنی یادداشت کاپی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں؛ بلکہ اَب تو اس طرح کے درسی نوٹ باقاعدہ طبع بھی ہوگئے ہیں، جن کی طرف طلبہ ضرورت کے وقت رجوع کرتے ہیں اور بس اسی پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔ اس سہل پسندی کی وجہ سے ان کے لئے ان مراجع سے استفادہ بہت مشکل ہو جاتا ہے جن پر علم کا اصل مدار ہے۔ اور ایسے طلبہ کی استعداد اکثر ناقص کی ناقص رہتی ہے، یہ بہت بڑا علمی المیہ ہے، جس سے بہت سے افراد نہ صرف خود متأثر ہیں؛ بلکہ دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کر چکے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۳-۱۸۴)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ کچھ یہی حال ہمارا بھی ہوگیا ہے کہ ہم نے اکثر حلّ کتاب کے لئے اُردو شروحات (جو اکثر اُستاذ کے درسی اِفادات ہوتے ہیں) پر ہی اکتفاء کرلیا ہے، اور اصل مراجع اور عربی شروحات کی طرف رجوع کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، جس کی وجہ سے نظر میں گیرائی اور بصیرت پیدا نہیں ہو پاتی)

علم کی نسبت معاصرین کے بجائے متقدمین کی طرف کرنا

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میرے نزدیک کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں یہ کہنا

کہ ''اِس بارے میں فلاں فلاں ائمہ اور علماء سابقین نے یہ فتویٰ دیا ہے''، یہ زیادہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ ''اس بارے میں فلاں فلاں ہم عصر دکتور اور اُستاذ کا یہ قول ہے''۔

اسی طرح ہمارا یہ کہنا کہ ''فلاں حدیث کی تصحیح فلاں امام اور محدث نے کی ہے''، زیادہ اولیٰ ہے بنسبت اس کے کہ ہم یہ کہیں کہ ''فلاں معاصر عالم نے اس کی تصحیح کی ہے''۔ (جیسا کہ آج کل صححہ الالبانی وغیرہ کا رواج ہوگیا ہے) کیوں کہ معاصر علماء نے اگر کسی حدیث کی واقعۃً تصحیح کی بھی ہے، تو وہ بھی علماء سابقین ہی کی رائے سے ماخوذ ہے۔ اور اگر اُن معاصر علماء نے کسی حدیث کے بارے میں رائے قائم کرنے میں غلطی کی ہے، تو ہمیں اُن کی غلط بات لینے کی کیا ضرورت ہے؟

الغرض اس طرز تدریس سے ذاتی طور پر طالب علم کا تو نقصان ہے ہی کہ وہ حقیقت میں کچھ بھی استعداد نہیں رکھتا ہے، مزید نقصان یہ ہے کہ اکثر کم علمی کی وجہ سے وہ بہت سے مسائل میں شذوذ و تفرد کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔

البتہ اگر کسی کے دل میں تحصیل علم کا مضبوط داعیہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق شامل حال ہو، تو وہ بے شک اپنے نقصان کی تلافی کر سکتا ہے، مگر ایسے افراد کی مثالیں بہت ہی شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۴)

ڈیجیٹل علمی ذخیروں سے استفادہ کے نقصانات

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ: آج کل کمپیوٹر کا دور دورہ ہے، اس نے بھی طلبہ کو علماء سابقین کے علمی ذخیرہ سے براہِ راست استفادہ سے روکنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص کمپیوٹر نہ چلائے اور ڈیجیٹل ذخیرے سے استفادہ کے قابل نہ ہو، وہ بہت پچھڑا ہوا ہے، اور علم وفہم میں نہایت کمزور ہے؛ لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس طرح ان پروگراموں کے فی الجملہ فوائد کا کوئی ہوش مند انکار نہیں کر سکتا ہے، اسی طرح جو شخص صرف انہی ذخائر پر اکتفاء کرے؛ اُس کے ظاہری اور روحانی نقصانات سے بھی کوئی بابصیرت شخص انکار نہیں کر سکتا۔

کیوں کہ اس کا ظاہری اور مادی نقصان تو یہ ہے کہ ڈیجیٹل مواد کو جب تک اصل ماخذ سے نہ ملالیا جائے، اس پر کامل اعتماد نہیں کیا جاسکتا (کیوں کہ نقل میں غلطی کا بہت امکان ہے)

مزید یہ کہ اس پر اکتفاء کرنے کا روحانی نقصان یہ ہے کہ شرعی علم دیگر علوم سے خاص امتیاز رکھتا ہے؛ کیوں کہ علم دین محض جانکاری کا نام نہیں؛ بلکہ وہ مستقل ایک تہذیب اور تربیتی منشور پر مشتمل ہے۔

بے شک ایک عمارتی انجینئر اپنے کام کے لئے کمپیوٹر پروگراموں پر اکتفاء کرسکتا ہے، اور کامیاب بھی ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اس کے عمل کا تعلق پتھروں اور جمادات سے ہے، جب کہ علم دین کا طالب صرف علم ہی نہیں سیکھتا؛ بلکہ وہ اپنے اساتذہ سے زندگی گذارنے کے آداب اور سلیقہ بھی سیکھتا ہے، مثلاً کمپیوٹر سے یہ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ نماز فرض ہے اور اس کے دلائل فلاں فلاں ہیں؛ لیکن کمپیوٹر کے پاس وہ نورانی کیفیت نہیں ہے جو اپنے استعمال کرنے والے اور دیکھنے والے میں پھونک سکے، اور اس کے پاس تربیت کی وہ دو آنکھیں نہیں جو طالب علم کی ہمہ وقت نگرانی کرتی ہیں، اور اس کی تربیت وتزکیہ کا سبب بنتی ہیں۔ (معالم ارشادیہ ۱۸۴-۱۸۵)

عصری جامعات کے طریقۂ تدریس کا عمومی نقصان

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصری جامعات میں دینیات کی تعلیم وتعلم کا موجودہ طریقہ بڑا پرخطر اور غیر اطمینان بخش ہے، جس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ آپ ایسے کسی بھی جامعہ کی گذشتہ پچاس سال کی کارکردگی کا سرسری جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس مدت میں دینیات کے شعبہ سے فارغ ہونے والے کتنے طلبہ فتویٰ دینے کی صلاحیت والے تیار ہوئے، یا اُن کو دینی مرجعیت کا مقام حاصل ہوا؟

مزید یہ کہ اس جائزہ سے آپ کو یہ بھی پتہ چلے گا کہ پچاس سالوں میں شروع میں فارغ ہونے والوں اور اخیر زمانہ میں فارغ ہونے والوں کے درمیان استعداد میں بڑا فرق ہے، پہلے دور کے طلبہ علمی اعتبار سے فائق نظر آئیں گے۔ (جس سے معلوم ہوگا کہ بتدریج انحطاط کا دور دورہ ہے)

تاہم ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ جدید طریقۂ تعلیم میں بعض باتیں قابل قدر بھی ہیں، اس لئے طالب علم کو چاہئے کہ وہ قدیم اُسلوب اور جدید ترتیب دونوں کو جمع کر کے فائدہ اُٹھائے، یہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۵-۱۸۶)

نیم حکیم؛ خطرۂ جان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ”مَنْ تَطَبَّبَ وَلا يُعْلَمُ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ“. (سنن أبی داؤد / أول كتاب الديات حديث: ٤٥٨٦) (یعنی جو شخص علم کے بغیر علاج ومعالجہ کرے (پھر مریض ہلاک ہوجائے) تو وہ ضامن ہے) تو جس طرح جسمانی ضرر پہنچانے والے پر روک لگائی جائے گی، اسی طرح بدرجۂ اولیٰ اس شخص پر بھی پابندی لگائی جانی چاہئے جو دینی معاملات میں علم کے بغیر رائے زنی کر کے لوگوں کو ایذا پہنچاتا ہے۔

چناں چہ بعض علماء سے منقول ہے کہ نیم متکلم (عقیدوں کے بارے میں کامل علم کے بغیر جھک کرنے والا) لوگوں کے عقائد بگاڑنے کا سبب بنتا ہے۔

اور نیم مفتی شہروں اور علاقوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

اور نیم حکیم خطرۂ جان بن جاتا ہے۔

جب کہ نیم نحوی (جسے نحو وصرف کے پورے قواعد کا علم نہ ہو) زبان اور گفتگو کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۶)

”جاہل مرکب“ سے دور رہیں!

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ مشہور مجاہد شیخ محمد حامد شامیؒ نے جب جامعہ ازہر مصر میں تحصیل علم کے لئے سفر کا اِرادہ کیا، تو اپنے برادر اکبر ”الاستاذ بدر الدین الحامد“ سے اجازت چاہی، تو آپ نے نصیحت کی کہ ”ازہر جانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن تم وہاں پر یا تو عالم سے رابطہ رکھنا یا جاہل سے؛ لیکن جو نیم عالم ہو اُس سے دور رہنا؛ اِس لئے کہ عالم تو اپنے علم کی روشنی میں صحیح گفتگو کرے گا، اور جاہل ایسے مواقع پر خاموش رہے گا؛ لیکن نیم عالم اپنے کو

عالم سمجھ کر (غلط) گفتگو کرے گا، حالاں کہ وہ خود جاہل ہے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا''۔ اور یہی وہ شخص ہے جسے ''جاہل مرکب'' کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نرا جاہل ہے، حالاں کہ خود اسے اپنے جاہل ہونے کا پتہ نہیں ہے۔ (لہٰذا ایسے شخص کی صحبت بہت زیادہ ضرر رساں ہے، اِس سے اجتناب لازم ہے) (معالم اِرشادیہ ۱۸۶-۱۸۷)

فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے مضر پہلو

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آج کل جس کثرت سے فاصلاتی نظام تعلیم (اوپن یونیورسٹیز) کا رواج ہوگیا ہے، اس نے تھوڑی بہت دیر جو استاذ کے سامنے وقت گذارنا تھا، اس کو بھی فراموش کردیا ہے، جس کی وجہ سے علم کا بالکل ہی جنازہ نکل گیا کہ آدمی بغیر کسی مشقت اور محنت (اور صلاحیت) کے ''ڈگری ہولڈر'' بن جاتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۱۸۷)

علماء سے گذارش

اس لئے میں (شیخ محمد عوامہ) بڑی لجاجت اور اصرار کے ساتھ علماء کبار اور مشائخ سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا اس اندوہ ناک حالت کو درست کرنے کی فکر کریں اور دوبارہ سلفِ صالحین اور علماء متقدمین کے طرز پر تعلیمی حلقے قائم کریں اور انہی تعلیمی طریقوں کو اپنائیں جن پر چل کر اسلاف نے کامیابی حاصل کی تھی، اور تر و تازہ علم اپنے فیض یافتگان تک پہنچایا تھا۔

اگر چہ ہمیں اس بات کا پورا بھروسہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہے کہ قیامت تک یہ دین اپنی اصلی شکل وصورت میں ضرور باقی رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے اَمانت دار اور باہمت افراد پیدا فرماتے رہیں گے جو اگلی نسلوں تک صحیح صحیح دین منتقل کرتے رہیں گے، اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت حاصل ہوگی، اور اُن کی مخالفت سے انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا، جیسا کہ حدیث شریف سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

بلاشبہ یہ بشارتیں اگر چہ صحیح اور قطعی ہیں، جن میں تبدیلی اور تغیر کی گنجائش نہیں ہے؛ لیکن ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم عمل اور محنت میں کوتاہی نہ کریں، ورنہ اللہ تعالیٰ ہمارے بجائے

دوسروں سے اپنے دین کی خدمت لے لیں گے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۸] (معالم إرشادیه ۱۸۷-۱۸۸)

طالب علم کو تمام ضروری فنون پر نظر رکھنی چاہئے

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ طالب علم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''طالب علم کو چاہئے کہ وہ ہر پسندیدہ علم کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ضرور حاصل کرلے، پھر اگر وقت ہو تو اس میں مہارت حاصل کرے، ورنہ اہم باتیں تو حاصل ہی کرلے؛ اِس لئے کہ سب علوم آپس میں مربوط اور معاون بنتے ہیں، اس سے کم از کم فوری فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ طالب علم اس فن سے متنفر نہ ہوگا''۔ (اور بوقت ضرورت وہ معلومات کام بھی آئیں گی)

اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فقیہ اور مفتی کو چاہئے کہ وہ ہر فن مثلاً تاریخ، حدیث اور لغت وغیرہ کو بھی اپنے مطالعہ میں رکھے؛ اِس لئے کہ فقہ میں ہر علم کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مفتی کو ہر علم کے بارے میں اہم باتوں کا علم رہنا چاہئے؛ کیوں کہ ہر علم کا دوسرے علم سے کچھ نہ کچھ ربط ہوتا ہے''۔ (اور اگر ایسی معلومات نہ ہوں تو بسا اوقات تقریر و تحریر میں تناقضات اور تضادات پیش آجاتے ہیں، جس سے بچنے کی شکل یہی ہے کہ ضروری معلومات سے گریز نہ کیا جائے) (معالم إرشادیہ ۱۹۴-۱۹۵)

ترتیب وار علم سیکھیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''طالب علم کی ذمہ داری میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ کوئی فن پورا کا پورا ایک دم حاصل نہ کرے؛ بلکہ بتدریج اور بالترتیب علم وفن میں رسوخ حاصل کرے۔ اسی طرح جب تک ایک فن میں مہارت حاصل نہ کرلے، اس سے آگے نہ بڑھے؛ کیوں کہ بعض فنون دوسرے فنون تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتے ہیں؛ لہٰذا کامیاب آدمی وہی ہوگا جو ترتیب اور تدریج کا لحاظ رکھے''۔ (معالم إرشادیہ ۱۹۵)

❍❖❍

ساتویں فصل:

اُستاذ کا انتخاب

طالب علم کو چاہئے کہ سوچ سمجھ کر اُستاذ کا انتخاب کرے۔ محدث کبیر علامہ محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے کہ: ''إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ''. (یعنی یہ علم (علمی شرعی اور اُس کے متعلقات) دین ہے؛ لہٰذا غور کرو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو)

تابعی جلیل علامہ ابراہیم نخعیؒ (المتوفی ۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ ''جب محدثین میں سے کوئی شخص کسی سے علم حدیث حاصل کرنے کا اِرادہ کرتا تو اولاً اس کے اخلاق اور اُس کی عبادات اور عمومی اَحوال کا جائزہ لیتا (اگر وہ درست ہوتے تو) پھر اُس سے حدیث اخذ کیا کرتا تھا''۔

اسی طرح شیخ ابو العالیہ الریاضیؒ سے منقول ہے کہ ''صحابہ اور اکابر تابعین کا یہ طریقہ تھا کہ جس راوی کا عمل اس کے علم کے مطابق ہوتا، بس اسی سے علم محمدی حاصل کیا کرتے تھے''۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل چوں کہ مدارس میں درجہ بندی کا نظام ہے اور طالب علم اپنی مرضی سے اساتذہ منتخب نہیں کرسکتا؛ تاہم یہ ممکن ہے کہ انہی اساتذہ میں سے کسی خاص اُستاذ سے اپنا ربط وضبط قائم کرے، اور اس کی صحبتوں سے بھرپور علمی استفادہ کیا کرے''۔ (معالم اِرشادیہ ۱۹۷-۱۹۸)

اچھے اُستاذ کی کچھ صفات

علامہ بدر الدین بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''طالب علم کو چاہئے کہ وہ جائزہ لے اور اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے کہ وہ کس سے علم دین سیکھے اور اچھے اخلاق کی تربیت حاصل

کرے۔ اور اگر ممکن ہو تو ایسے شخص کو اُستاذ بنائے جو: (۱) ماہرِ فن ہو (۲) طلبہ پر کامل شفقت رکھتا ہو (۳) بامروت ہو (۴) اس کی پاک بازی معروف ہو (۵) اس کے معاملات صاف ستھرے ہوں (۶) تعلیم وتدریس کا طرز بہترین ہو (۷) تفہیم کا عمدہ ملکہ اسے حاصل ہو۔

اور جس اُستاذ میں دین داری اور اچھے اخلاق نہ پائے جاتے ہوں، اُسے اُستاذ بنانا مناسب نہیں ہے؛ اِس لئے کہ سلف وخلف کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ طالب علم کو اُستاذ کی طرف سے کامل صلاح وفلاح اُسی وقت نصیب ہوتی ہے، جب کہ اُستاذ متقی اور پرہیز گار ہو، اور اس کے دل میں طلبہ کے لئے کامل شفقت اور نصیحت کا جذبہ پایا جاتا ہو۔

نیز طالب علم کو ایسا اُستاذ تلاش کرنا چاہئے جو علومِ شرعیہ پر دست گاہ رکھتا ہو، اور اُس نے اپنے زمانے کے اکابر ومشائخ کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کیا ہو، محض مطالعہ کتب پر اُس کے علم کا مدار نہ ہو"۔

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یہ بات بہت زیادہ قابل توجہ ہے کہ اُستاذ میں دین داری اور پرہیز گاری کو ضرور ملحوظ رکھا جائے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب بے زبان جانوروں کے ساتھ رہنے سے اچھا یا برا اثر قبول کرتا ہے، تو اپنے ہم جنس انسان کا اثر بدرجۂ اولیٰ قبول کرے گا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آدمی پر اُس کے اُستاذ بالخصوص اُس خاص اُستاذ کی گہری چھاپ ہوتی ہے جس کو وہ اپنا مربی اور مقتدا بناتا ہے، اس لئے بہرحال معتبر ثقہ اور باکمال اساتذہ سے ہی کسب فیض کرنے کی کوشش ہونی چاہئے"۔ (معالم اِرشادیہ ۱۹۸-۱۹۹)

بغیر تربیت کے علم نافع نہیں

امام المحدثین علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ "اکابر واسلاف صرف لوجہ اللہ علم حاصل کرتے تھے، چناں چہ وہ کامیاب ہوئے اور اپنے زمانے کے مقتدا اور رہنما بن گئے؛ لیکن بعد میں ایسے لوگ نمودار ہوئے جنہوں نے صرف علم ظاہر کو مقصود بنالیا، اور اُس کے تقاضوں پر عمل کئے بغیر یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم عالم اور فاضل بن گئے ہیں، اور اُن کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ اپنے

علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر رہے ہیں۔ اِس خرابی کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ اُنہوں نے کسی اہل شخص کو اپنا رہنما نہیں بنایا، جس کی وجہ سے وہ خود جاہل اور احمق (بے وزن) بن کر رہ گئے، اُن میں سے ایک مدرس کا زیادہ سے زیادہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ لائبریری میں سجانے کے لئے قیمتی کتابیں خرید لے اور کبھی کبھار اُن کا سرسری اور سطحی مطالعہ کیا کرے، تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو ''عالم'' کا لقب نہیں دیا جا سکتا''۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ایسے اساتذہ کی صحبت ومعیت ضروری ہے جو طالب علم کی بہترین علمی وروحانی تربیت کر سکیں، اس کے بغیر کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ (معالم اِرشادیہ ۱۹۹-۲۰۰)

عالم محقق کی پہچان

علامہ ابو اسحٰق شاطبیؒ نے عالم محقق اور لائق اتباع عالم کی علامات کے بارے میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ اُن کے الفاظ میں یہ ہے کہ محقق عالم وہ ہے جس میں خاص طور پر درج ذیل تین صفات پائی جائیں:

(۱) **علم وعمل میں موافقت:-** یعنی وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ پس اگر کوئی عالم اپنے علم پر عامل نہ ہو، تو وہ مقتدیٰ اور اُستاذ بنائے جانے کے ہرگز لائق نہیں ہے۔

(۲) **اکابر کا تربیت یافتہ ہونا:-** عالم محقق کی دوسری پہچان یہ ہے کہ اپنے وقت کے اکابر اور مشائخ کی تربیت اور صحبت اُسے نصیب رہی ہو؛ کیوں کہ اسی صحبت ہی سے اُس کے اندر سلف صالحین والی صفات پیدا ہو سکتی ہیں۔

یہی سلف صالحین کا طریقہ اور دستور رہا ہے، جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت سے بھرپور استفادہ کیا، اور اپنے علم اور ایمان ویقین میں اضافہ سے سرفراز ہوئے۔ پھر صحابہؓ سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے یہ وراثت حاصل کی، اور قرناً بعد قرنٍ یہ سلسلہ جاری رہا، اور اَب بھی جاری ہے۔

اور آپ جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ جس دور میں جو بھی عالم فیض رسانی میں مشہور ہوا، وہ

کسی نہ کسی تربیت یافتہ مشہور عالم سے فیض یافتہ ضرور ہوگا۔ اِس کے برخلاف جو گمراہ فرقہ کے لوگ ہیں اُن میں یہ صفت نہیں پائی جاتی۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشہور عالم علامہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ پر اس بات کی وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے باقاعدہ مشائخ کی نہ تو صحبت اختیار کی اور نہ ہی اُن کے اخلاق وآداب اپنائے (بلکہ اپنی انفرادی حیثیت اور رائے کا اظہار کرتے رہے) دوسری طرف ائمہ اَربعہ (حضرت اِمام اَبوحنیفہ، اِمام مالک، اِمام شافعی اور اِمام اَحمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ) جیسے علماء راسخین ہیں، جو علم کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے مشائخ اور اکابر علماء کے صحبت یافتہ بھی تھے (رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

(۳) سلفِ صالحین کا کامل اتباع:- عالم محقق کی تیسری علامت یہ ہے کہ اَساتذہ کی تعلیم وتربیت کا اثر اُن کی فکری وعملی زندگی میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہو، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سو فیصد اتباع فرمائی، الیٰ آخرہ۔ اور اِس بارے میں اگرچہ سبھی اَئمہ اسی منہج پر چلتے رہے؛ لیکن جس طرح اِمام دار الہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اَساتذہ اور تعامل اہل مدینہ کی سختی سے پیروی فرمائی، وہ ایک ممتاز مقام پر فائز ہیں''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۰-۲۰۲)

عالم کامل کے آداب واَوصاف

علامہ ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عالم کامل کو اپنے اندر درج ذیل بارہ باتوں کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہئے:

(۱) مجمع اور تنہائی میں الغرض ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار رہنا چاہئے، اور اس کی ہر نقل وحرکت اور اَقوال وافعال سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف وخشیت جھلکنا چاہئے؛ کیوں کہ وہ (عالم) اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ علوم کا امین ہے؛ لہٰذا اس اَمانت کی بھرپور حفاظت کرنی چاہئے۔

(۲) سلف صالحین رحمہم اللہ کی طرح اپنے علمی وقار کی حفاظت کرے اور اہل دنیا سے مستغنی ہوکر رہے۔

(۳) عالم کو دنیا سے بے رغبت ہونا چاہئے، اور اپنی ذات اور اہل وعیال کی ضرورت سے زائد چیزوں سے حتی الامکان دور رہنا چاہئے۔

(۴) اپنے علم کو دنیوی اَغراض کے حصول کا ذریعہ ہرگز نہ بنائے۔

(۵) عالم کو حقیر یا ناپسند سمجھے جانے والے ذرائع آمدنی اور مشاغل سے نیز تہمت کے مواقع سے پوری طرح پرہیز کرنا چاہئے۔

(۶) عالم کو چاہئے کہ اِسلامی شعائر اور شریعت کے ظاہری احکام (مثلاً نماز باجماعت) کی مکمل پابندی کرے، اور سنتوں کے زندہ کرنے اور بدعات کو مٹانے میں اپنا کردار اَدا کرتا رہے۔

(۷) فرائض کے ساتھ مندوبات ومستحبات مثلاً قرآنِ کریم کی تلاوت، اذکار واَوراد اور دعاؤں وغیرہ کا اہتمام رکھے۔

(۸) عام لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے۔

(۹) اپنے ظاہر وباطن کو اخلاق رذیلہ وردیئہ سے محفوظ رکھے، اور ہمیشہ اپنا محاسبہ اور اپنی اصلاح کی فکر کرتا رہے۔

(۱۰) برابر اپنے علم اور عمل میں زیادتی اور اِضافہ کا شوقین رہے؛ لہٰذا عبادات اور علمی مشاغل مثلاً تعلیم وتعلم، مطالعہ اور غور وفکر اور تصنیف وتالیف میں خوب محنت کرتا رہے، اور اپنی عمر عزیز کے قیمتی لمحات کو فضول ضائع نہ کرے؛ حتیٰ کہ طبعی یا فطری ضرورتوں میں بھی بس بقدر ضرورت مشغول ہو، اور معمولی عذر مثلاً ہلکی پھلکی بیماری کو رخصت کا بہانہ نہ بنائے؛ کیوں کہ سلف صالحین رحمہم اللہ کا یہی طریقہ تھا کہ وہ ان اعذار کی وجہ سے علمی مشاغل ترک نہ فرماتے تھے؛ بلکہ یوں کہا جائے کہ اُن کی بیماری کی دوا یہی علمی مشغلہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

إِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ
وَنَتْرُكُ الذِّكْرَ أَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

ترجمہ:- جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو آپ کے تذکرہ سے اپنا علاج کرتے ہیں، اور جب ہم کبھی آپ کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں تو ہم بیمار ہو جاتے ہیں۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے تصنیفی مشغولیت کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ کو کبھی دن میں کھانا کھاتے ہوئے اور رات میں سوتے ہوئے نہیں دیکھا''۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ''امام احمد بن منصور الرمادی رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی بیمار ہوتے تو اپنے شاگردوں کو بلاتے اور فرماتے کہ میرے سامنے حدیث پڑھو''۔

اسی طرح محدث کبیر علامہ ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب بھی اُن کی بیماری میں زیادتی ہوتی، تو آپ ''صحیح البخاری'' کا سبق زیادہ پڑھا کر اس کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرتے، تو اللہ تعالیٰ اُنہیں شفا عطا فرماتے تھے۔

اور یہی بات میں نے اپنے اُستاذ گرامی فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کے یہاں بھی محسوس کی''۔

(۱۱) عالم کو چاہئے کہ کبھی بھی دوسرے سے علمی استفادہ میں آنا کانی نہ کرے، اگرچہ وہ دوسرا شخص عہدے، نسب یا عمر میں اُس سے کم تر کیوں نہ ہو۔

(۱۲) عالم کو چاہئے کہ کمال اہلیت کے حصول کے بعد تصنیف و تالیف اور جمع مضامین سے کبھی غافل نہ ہو (تاکہ اس کا علم باقی رہے، اور صدقہ جاریہ بنے) البتہ جو اہلیت نہ رکھے اُس کے لئے یہ حکم نہیں؛ کیوں کہ نا اہل کی تالیف سے اور گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۲-۲۰۵)

قابل اتباع شیخ کامل کی پہچان

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ: غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''علم صحیح'' اور ''تصوفِ

صحیح'' دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں؛ لہٰذا جس طرح کی صفات شیخ کامل میں ہونی چاہئیں، اِسی طرح اُستاذ کامل بھی اُن صفات کا حامل ہونا چاہئے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شیخ کامل کی صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وہ ایسا شخص ہے جو:

(۱) دنیاوی لالچ سے اور حرص وطمع سے دور ہو۔

(۲) حب جاہ سے پاک ہو۔

(۳) اُس نے کسی بابصیرت ایسے شیخ کی متابعت کی ہو جس کا سلسلہ سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

(۴) وہ اپنی ذاتی زندگی میں ریاضت ومجاہدہ کو پسند کرتا ہو۔

(۵) اور اُس نے اپنے شیخ کی صحبت سے محاسن اخلاق کو اپنی زندگی میں داخل کرلیا ہو۔ مثلاً: صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، طمانینت، بردباری، خاک ساری، علم صحیح، سچائی، شرم وحیا، وفاداری، سنجیدگی اور وقار، سکون واطمینان اور اُس جیسی صفات۔

پس جو شخص اِن صفات کو اختیار کرلے، وہ بلاشبہ انوار نبوت کی روشنی سے منور ہوگا، اور مقتدیٰ بنائے جانے کے لائق قرار پائے گا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۵)

بچپن سے اُستاذ کی معیت

اور یہ بات بلاشبہ کسی بھی طالب علم کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہوتی ہے کہ اُسے ابتدائی زمانۂ طالب علمی ہی سے کسی عالم باعمل کی صحبت میسر آجائے، اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ بلاکسی انقطاع کے مکمل یکسوئی اور عقیدت کے جذبات کے ساتھ استفادے کا یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جائے؛ تا آں کہ طالب علم کی شخصیت اپنے اُستاذ اور شیخ کی عادت وطبعیت میں مکمل ڈھل جائے۔

جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ منظر دیکھا گیا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبعیتیں پوری طرح نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق وشمائل میں ڈھل چکی تھیں۔ اور ہر صحابی نے حسب موقع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابرکت صحبتوں سے فائدہ اُٹھایا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۶)

اُستاذ سے سچی محبت ضروری ہے

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرور عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری درجہ کی محبت رکھتے تھے۔ اور یہی محبت اُن بنیادی اسباب میں سے ہے جس نے اُنہیں سنتِ نبوی یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال وافعال اور آپ کی عام ہدایات کو اچھی طرح یاد کرنے پر آمادہ کیا۔ جیسا کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام دنیاوی مشاغل سے یکسو ہوکر بہت بڑی تعداد میں احادیث شریفہ کو محفوظ رکھا، اور پوری دیانت داری کے ساتھ اُنہیں اُمت کی طرف منتقل فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اُستاذ کی صحبت سے اُس وقت تک کامل فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، جب تک کہ طالب علم کے دل میں اُستاذ کی انتہائی محبت نہ ہو؛ کیوں کہ جتنا طالب علم کا اُستاذ سے تعلق بڑھتا ہے، اُسی اعتبار سے شیخ کی طرف سے خیر خواہی اور اِفادے میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اور طالب علم بتدریج علمی اور عملی کمالات حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں حب نبویؐ کے چند مظاہر

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو علم اور فضل وکمال میں جو مقام حاصل ہے اُس کا اہم ترین سبب اُن کا نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر معمولی محبت رکھنا ہے۔ اسی محبت کی وجہ سے اُن حضرات نے نہ صرف عبادات؛ بلکہ عادات میں بھی پیغمبر علیہ السلام کی اقتداء اور اتباع کو اختیار فرمایا، جس کے چند مظاہر ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

○ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے سیدھے مکہ معظّمہ

پہنچے، تو نبی اکرم علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ: ''علی! تم نے کونسا احرام باندھا؟'' تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ ''میں نے تو نبی اکرم علیہ السلام کے احرام کی نیت کی ہے''۔ اور اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

○ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی پیغمبر علیہ السلام کو کسی حال میں دیکھا، تو میں نے خود اُس کی پیروی کرنے کی کوشش کی۔

○ خادم رسول سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں لوکی کے قتلے تلاش کر کے نوش فرما رہے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ ''میں اُسی دن سے لوکی کو پسند کرنے لگا ہوں''۔ چناں چہ آپ کھانے میں لوکی شامل کرنے کا شوق رکھتے تھے۔

○ میزبانِ رسول سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لہسن والا کھانا پسند نہیں فرماتے، تو ارشاد فرمایا کہ: ''جو چیز آپ کو ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے''۔

○ اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیحین میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چپل پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے؛ بلکہ ہر (اچھے) کام میں داہنی جانب سے ابتدا پسند تھی۔ تو تابعی جلیل خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس عموم کو اختیار فرماتے ہوئے یہ معمول بنایا کہ جب بھی خطبہ یا تقریر میں ہاتھ کے اشارے کی ضرورت ہوتی تو صرف دایاں ہاتھ استعمال فرماتے تھے، اور اس کا آپ کے یہاں اس قدر اہتمام تھا کہ ایک روز آپ کے عزیز ترین صاحب زادے کا انتقال ہوا، آپ جنازہ کے ساتھ قبرستان میں تشریف فرما تھے، تو وہاں کوئی صاحب گفتگو کے دوران بائیں ہاتھ سے اشارہ کرنے لگے، تو آپ نے وہیں پر اُنہیں ٹوکا، اور فرمایا کہ ''دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا کرو'' تو وہ صاحب حیران رہ گئے، اور بے اختیار بول اُٹھے کہ ہم نے ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اس غم ناک ماحول میں بھی دائیں

بائیں کا اہتمام رکھتا ہے۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

○ صحابی رسول سیدنا حضرت قرہ بن ایاس المزنی پیغمبر علیہ السلام کے دست اقدس پر دولت اسلام سے مشرف ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کے بٹن کھلے ہوئے تھے، تو اس بات کو حضرت قرہ اور اُن کے صاحب زادے حضرت معاویہ بن قرہ نے ایسا یاد رکھا کہ ان دونوں باپ بیٹوں کو زندگی بھر سردی یا گرمی کسی بھی زمانے میں کرتے میں بٹن لگائے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (سبحان اللہ)

ان چند واقعات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طالب علم کے دل میں اُستاذ کی جس قدر محبت اور عظمت ہوتی ہے، اُسی قدر وہ اپنے استاذ کی پیروی کرنے اور نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہی بات استاذ اور طالب علم کے درمیان مطلوب ومقصود ہے، جس کا مظاہرہ سلف صالحین کی سیرت وسوانح میں جابجا ملتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۰۷-۲۰۹)

آٹھویں فصل:

اُستاذ کی صحبت سے اِستفادہ

علامہ ابوعبید قاسم بن سلامؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ با قاعدہ سفر کر کے (کوفہ سے مدینہ منورہ جا کر) امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے؛ تاکہ اُن کی چال ڈھال اور عادات واخلاق کا مشاہدہ کر کے اُن جیسی صفات اپنے اندر پیدا کرسکیں۔

امام المعبرین محدث کبیر علامہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اپنے اساتذہ ومشائخ سے جس طرح علم سیکھتے تھے، اسی طرح اُن کے اخلاقِ فاضلہ اور اُن کی سیرت سے بھی سبق حاصل کرتے تھے۔

چناں چہ خود علامہ ابن سیرینؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو با قاعدہ علامہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؒ کی خدمت میں اُن کے عادات واطوار کا مشاہدہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا؛ اس لئے کہ حضرت قاسم کے گھرانہ کا پیغمبر علیہ السلام کے اہل خانہ سے قریبی تعلق تھا؛ کیوں کہ اُن کے دادا جان سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں (جو حضور علیہ السلام کے یار غار اور معتمد ترین ساتھی تھے) اور اُن کی پھوپھی ام المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں (جن کا نبی اکرم علیہ السلام سے غیر معمولی تعلق کسی پر مخفی نہیں) یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ طبقہ تابعین کے اعتبار سے اگر چہ علامہ ابن سیرین اور علامہ قاسمؒ کا درجہ ایک ہی ہے؛ لیکن مذکورہ بالا امتیاز کی وجہ سے علامہ قاسم کو ایک خاص مقام حاصل ہے (جس کی بنا پر علامہ ابن سیرین نے ان کے عادات واطوار کا مشاہدہ کرنے کا اہتمام فرمایا)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ سفر کے لئے پابہ رکاب تھے، کسی نے پوچھا کہ ''کہاں کے سفر کا ارادہ ہے؟'' تو فرمایا کہ ''بصرہ جارہا ہوں''، تو پوچھا گیا کہ ''سفر کا مقصد کیا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا کہ علامہ ابن عونؒ کے ذاتی اخلاق وآداب سیکھنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضری کا قصد کررہا ہوں۔ واضح ہو کہ یہ سفر اگر حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے وطن ''مرو'' سے ہورہا ہو، تو ''مرو'' اور ''بصرہ'' کے درمیان ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

- علامہ ابن عساکرؒ نے ابن عونؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ علامہ ابن المبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جتنے بھی اساتذہ ومشائخ سے زندگی میں ملاقات کی ہے، اُن میں سے کسی کے بارے میں اس بات کا افسوس نہیں ہوا، جتنا ابن عونؒ کے بارے میں ہوا کہ ''کاش کہ میں مرتے دم تک مسلسل ان کی صحبت ومعیت میں گذار دیتا''۔

- علامہ ابن المبارکؒ کا یہ مقولہ بھی معروف ہے کہ ''میں نے نفس علم تو جابجا پایا؛ لیکن جب زندگی کے آداب اور اخلاقِ فاضلہ کی جستجو کی تو صرف دو حضرات کے پاس ملا، ایک مسعر بن کدامؒ، دوسرے ابن عونؒ''۔

- اِمام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام المحدثین حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں کبھی پانچ ہزار سے زیادہ افراد جمع ہوتے تھے، جن میں سے تقریباً پانچ سو لوگ آپ سے حدیثیں لکھتے تھے، اور بقیہ حضرات آپ کی ذاتِ عالی سے حسن ادب اور بہترین اخلاق سیکھا کرتے تھے۔ (اللہ اکبر)

- اِمام ذہبیؒ شیخ حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ بات زبان زد تھی کہ صحابہؓ میں پیغمبر علیہ السلام کی چال ڈھال اور اخلاق میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے بہت مشابہ تھے، اور آپ کے شاگرد حضرت علقمہ آپ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اور حضرت علقمہ کی مشابہت سب سے زیادہ (اُن کے شاگرد) حضرت ابراہیم نخعیؒ

میں نظر آتی تھی۔ اور ابراہیم نخعی کی سب سے زیادہ مشابہت منصور بن المعتمرؒ میں تھی، پھر ان سے سب سے زیادہ مشابہ امام سفیان ثوریؒ اور اُن کے مشابہ وکیع بن الجراحؒ اور اُن کے رنگ میں امام احمد بن حنبلؒ رنگے ہوئے تھے۔

○ اِمام دار الہجرۃ حضرت امام مالکؒ کے تلامذہ میں علامہ یحییٰ بن یحییٰ التیمی النیساپوریؒ (المتوفی ۲۲۶ھ) جو بذاتِ خود امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے اساتذہ میں ہیں۔ اُن کے متعلق امام ابوبکر بن اسحٰق الصبغیؒ فرماتے ہیں کہ ''پورے علاقہ خراسان میں یحییٰ بن یحییٰ نیساپوریؒ سے زیادہ عقل مند اور سمجھ دار شخصیت کوئی اور نہ تھی، اور اُنہوں نے یہ اخلاق و عادات حضرت امام مالکؒ سے سیکھی تھیں، کہ وہ ''مؤطا'' پڑھنے کے بعد ایک سال صرف اسی مقصد سے حضرت امام مالکؒ کے پاس رہے کہ اُن کی مبارک عادات وخصائل سیکھ سکیں، وہ فرماتے تھے کہ ''میں نے حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عادات وشمائل سے استفادہ کے لئے یہاں قیام کیا؛ کیوں کہ وہ صحابہ اور تابعین کی عادات ہیں''۔

○ اور حضرت امام مالکؒ کے ایک دوسرے جلیل القدر شاگرد علامہ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر اللیثی الاندلسیؒ (المتوفی ۲۳۴ھ) کے بارے میں علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ ''وہ بڑے معتبر، سمجھ دار بہترین اخلاق وعادات کے حامل تھے، اور وہ اپنے اخلاق وعادات میں حضرت امام مالکؒ کے بہت مشابہ تھے''۔ (معالم إرشادیہ ۲۱۰-۲۱۳)

اُستاذ کی طرف سے طالب علم کو دوسرے اُستاذ سے استفادہ کا مشورہ

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے شاگرد کو حسب موقع دوسرے ہم عصر اساتذہ ومشائخ سے استفادہ اور اکتساب فیض کی ترغیب دے، اس میں طالب علم کو بہت زیادہ فائدہ ہونے کی اُمید ہے۔ مثال کے طور پر:

○ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے، اور مرض شدت اختیار کرگیا، تو ایک مرتبہ آپ پر غشی طاری ہوگئی، جب کچھ اِفاقہ ہوا، تو دیکھا کہ

آپ کے ایک شاگرد (حارث بن عُمیرہ یا یزید بن عُمیرہ) برابر روتے چلے جارہے ہیں، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ''اتنا روتے کیوں ہو؟'' تو شاگرد نے عرض کیا کہ ''حضرت! اس علم کے فوت ہونے پر رو رہا ہوں، جو میں آپ سے حاصل کرتا ہوں'' تو حضرتؓ نے فرمایا: ''روؤ مت! کیوں کہ یہ علم مٹنے والا نہیں ہے؛ بلکہ میرے بعد درج ذیل چار صحابہؓ سے علم حاصل کرنا: (۱) حضرت عبداللہ بن سلام (۲) حضرت عبداللہ بن مسعود (۳) حضرت سلمان فارسی (۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

○ علامہ ابن القیمؒ نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن میمون الدوریؒ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، اور اُن کی صحبت میں رہ کر اُن سے علم حاصل کیا، تو حضرت معاذؓ نے وفات سے قبل اُن کو وصیت فرمائی کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوکر اُن سے علم حاصل کریں۔ چناں چہ عمرو بن میمون نے اس وصیت پر عمل کیا (اور حضرت ابن مسعودؓ سے علم حاصل کیا)

○ حضرت قاضی عیاضؒ نقل فرماتے ہیں کہ محدث کبیر اسد بن فراتؒ نے فرمایا کہ علامہ ابن القاسم وغیرہ مجھے اس بات پر آمادہ کرتے تھے کہ میں امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ سے سوالات کیا کروں، جب آپ کسی بات کا جواب مرحمت فرمادیتے، تو وہ لوگ مجھ سے کہتے کہ اب یہ پوچھو کہ ''اگر ایسا ہوا تو کیا حکم ہوگا'' وغیرہ۔ تو ایک مرتبہ حضرت امام مالکؒ فرمانے لگے کہ ''یہ تم نے کیا شاخ در شاخ والا مسئلہ پوچھنا شروع کردیا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو کیا؟ اور ویسا ہو تو کیا؟ اگر اسی میں تمہیں دلچسپی ہے تو تمہیں فقہاء عراق کے پاس جاکر استفادہ کرنا چاہئے''۔ (وجہ یہ تھی کہ حضرت امام مالکؒ فرضی سوالوں کا جواب پسند نہ فرماتے تھے، جب کہ فقہاء عراق کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مسائل کی زیادہ سے زیادہ امکانی صورتیں فرض کرکے اُن کا حکم لکھا کرتے تھے) بہرحال اسد بن فراتؒ عراق پہنچے اور بغداد میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ کی کچھ دنوں صحبت اختیار کی، پھر حضرت امام ابو یوسفؒ نے انہیں حضرت امام محمد بن حسن الشیبانیؒ

کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اس شاگرد کو اپنے پاس رکھو، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ آپ کو دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچائیں۔ اسد بن فرات فرماتے ہیں کہ پھر تو میں نے حضرت امام محمدؒ کو ایسا لازم پکڑا کہ جلد ہی میں اُن کے شاگردوں میں مناظرہ کرنے والوں میں شامل ہوگیا۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ دیکھئے! اسد بن فرات کو حضرت امام ابو یوسفؒ نے جو بہترین مشورہ دیا اُس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ علامہ اسد بن فرات اس دور کے دو عظیم علمی مکاتب فکر: حجازی اور عراقی دونوں کے جامع بن گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

○ حنبلی علماء میں ایک بڑے عالم اور فقیہ ابو یعلی القراء حنبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے ''الاحکام السلطانیہ'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اُن کے صاحب زادے ''ابن ابی یعلی'' لکھتے ہیں کہ دادا جان کا جب انتقال ہوا، تو میرے والد ''امام ابو یعلی'' کی عمر صرف دس سال کی تھی، اور دادا جان کے وصی شیخ حربی تھے، انہوں نے محلّہ کی مسجد کے ایک مکتب میں والد صاحب کو پڑھانے کے لئے بٹھا دیا، وہاں ایک نیک معمر شخص بچوں کو قرآنِ کریم پڑھاتے تھے، اور ''مختصر الخرقی'' (فقہ حنبلی کی ایک کتاب) سے کچھ ضروری مسائل بھی بچوں کو یاد کرایا کرتے تھے، جب والد صاحب یہ سب پڑھ چکے تو اُنہوں نے اور آگے پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، تو اُن معلم صاحب نے فرمایا کہ ''میں تو بس اتنا ہی پڑھا سکتا ہوں جتنا تمہیں پڑھا دیا، اگر تمہیں اور مزید پڑھنا ہے تو ''شیخ ابو عبداللہ ابن حامدؒ'' کے پاس جا کر پڑھو''۔ چناں چہ والد صاحب شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کی وفات تک اُن سے استفادہ کرتے رہے؛ تا آں کہ علم میں کمال حاصل کرلیا۔

○ یہی جذبہ محدث کبیر بافیض عالم ربانی شارح صحیح البخاری حضرت علامہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ میں بدرجہ اتم پایا جاتا تھا کہ اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو ہم عصر علماء سے استفادہ کرنے اور اُن کی صحبتوں سے فائدہ اُٹھانے کی بہت ترغیب دی ہے، جیسا کہ اُن کے شاگرد علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب ''الجواہر والدرر'' میں اس کا کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ اور یہ ترغیب

اس لئے تھی؛ تا کہ شاگردوں کی سندیں اعلیٰ ہو جائیں اور منفرد روایتیں اُمت میں (کثرۃ روات کی وجہ سے) عام ہو جائیں۔ (بلاشبہ یہ اُن حضرات کے کمال اخلاص اور شاگردوں سے انتہائی شفقت اور خیر خواہی کی دلیل ہے۔ مرتب) (معالم اِرشادیہ ۲۱۳-۲۱۶)

طالب علم کو شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہئے

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ مختلف اساتذہ ومشائخ سے استفادہ کی توفیق میسر آنا یہ طالب علم کے لئے بڑی خوش بختی اور نجابت کی دلیل ہے؛ اِس لئے کہ علمی اسفار کے دوران مختلف علماء اور مشائخ کی زیارت وملاقات اور اکتساب فیض سے علم کے نور میں اِضافہ ہوتا ہے، اور حکمت کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس مسافر طالب علم کی مثال اس شہد کی مکھی کی طرح ہو جاتی ہے جو مختلف پھولوں سے خوشبودار رَس چوس کر اُمت کو مزیدار اور عمدہ شہد عطا کرتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے شفا چاہنے والوں کے لئے شفا رکھی ہے، اور ہدایت کے طالبین کے لئے رہنمائی کا سامان مقرر کر لیا ہے۔ (اسی طرح یہ طالب علم اَسفار کر کے اور جا بجا علماء ربانیین سے استفادہ کر کے بذاتِ خود ایک جامع الکمالات انسان بن جاتا ہے، جس سے خلق خدا فائدہ اُٹھاتی ہے۔ ﴿ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (مرتب) (معالم اِرشادیہ ۲۱۶)

قاضی ابوبکر ابن العربی کی ایک گراں قدر نصیحت

مشہور عالم اور شارح حدیث اِمام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف ''قانون التاویل'' میں فرماتے ہیں کہ ''جس شخص کو تحصیل علم کے لئے بدنی اور جسمانی سفر کا موقع نہ ملا ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رحلت کر جائے (یعنی) شہوات ولذات کے ماحول سے نکل کر عبادات کے ماحول میں آ جائے، اور محسوسات سے ہٹ کر معقولات کی طرف نظر جما لے، اور توشہ (اعمالِ خیر) کی ضرور فکر کرے، جس کا حصول لازم ہے، اور دلیل بھی اپنے پاس رکھے، اور وہ علم (صحیح) ہے، جس سے کوئی مستغنی نہیں ہے۔ اور جسے

کوئی معلم (کامل اُستاذ) مل گیا تو گویا اُسے وہ عظیم نعمت مل گئی جو اُسے سیدھے راستے پر چلانے کی رہنمائی کرے گا اور دلیل کو (موقع محل پر) رکھنے کا کام کرے گا، اور بدعات وتحریفات سے بچا کر رکھے گا"۔ (معالم اِرشادیہ ۲۱۶)

اہلِ اختصاص سے علم کا حصول

علماءِ سابقین سے جو طلب علم کے لئے کثرت سے اسفار منقول ہیں، اُن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حضرات ہر علم کو اُس میں اختصاص رکھنے والے اُستاذ ہی سے حاصل کرنا چاہتے تھے؛ تاکہ مطلوبہ ہر فن میں کامل رسوخ پیدا ہو سکے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اُستاذ گرامی حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (صاحب فتح الباری شرح صحیح البخاری) کے اَحوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "موصوف کی عبقریت کا ایک بڑا سبب یہ بھی بنا کہ آپ نے ایسے ماہرینِ فن اَساتذۂ کبار کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جن کی طرف لوگوں کی آنکھیں اُٹھتی تھیں، اور مشکل مسائل میں اُن کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اُن اَساتذہ کی مثال اُس دور میں اُن کے علاوہ نہ تھی؛ کیوں کہ اُن میں سے ہر ایک متبحر عالم اور اپنے فن میں سرخیل کی حیثیت رکھتا تھا"۔ (معالم اِرشادیہ ۲۱۶-۲۱۷)

کسی سے بھی علم کے حصول میں آنا کانی نہ کریں

سلفِ صالحین کے طرزِ عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے کسی بھی طبقہ سے علم نافع کے حصول میں کبھی کوئی تکلف نہ کیا، اور علم کی تحصیل میں عمر، نسب یا کسی خاص علاقے کا خیال نہ رکھا؛ بلکہ اُنہوں نے علم میں زیادتی اور فائدہ کا حصول ہی پیشِ نظر رکھا۔ اور اِس طرح اِرشادِ نبوی: "اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُمَا وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا" (حکمت مؤمن کی گم شدہ متاع ہے، وہ اُسے جہاں بھی پائے وہ اُس کا سب سے زیادہ حق دار ہے) کی تعمیل کی سعادت حاصل کی۔

شارح مسلم علامہ نوویؒ اُستاذ کے آداب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’اُستاذ کو چاہئے کہ وہ کبھی بھی عمر، خاندان، علاقہ یا شہرت کے اعتبار سے اپنے سے کمتر شخص سے معلومات لینے میں کوئی تکلف نہ کرے؛ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص دین داری کے معاملے میں اُس سے کم ہو، مگر اُس کے پاس کوئی خاص علم ہو، تو اُس سے بھی حاصل کرنے کا شوق رکھے‘‘۔ پس جب یہ صفت اُستاذ میں پسندیدہ ہے، تو طالب علم میں بدرجہ اولیٰ پسندیدہ ہوگی۔ (معالم اِرشادیہ ۲۱۷ دار المنہاج)

حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کو یہ علمی مقام کیسے ملا؟

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ’’آپ کو یہ علمی وفقہی مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟‘‘ تو آپ نے جواب دیا کہ: ’’مَا بَخِلْتُ بِالإِفَادَةِ وَلَمْ اَسْتَنْكِفْ عَنِ الْاِسْتِفَادَةِ‘‘ (یعنی میں نے اپنی ذات سے دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور دوسرے (علماء) سے علمی استفادہ سے کبھی عار محسوس نہیں کی) (معالم اِرشادیہ ۲۱۷)

(سبحان اللہ! کیا پر حکمت جواب ہے، آج بھی جو اِس عادت کو اپنائے گا، وہ یقیناً فلاح یاب ہوجائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ) (مرتب)

خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ کی مجلس کا ایک واقعہ

علامہ ابن عبدربہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’العِقد الفرید‘‘ میں تحریر ہے کہ ایک شخص اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں حاضر ہوا، تو عجیب بات یہ تھی کہ اُس شخص سے جو بھی سوال کیا جاتا، تو اُس کے پاس اُس کا جواب حاضر تھا، تو عبدالملک نے اُس سے پوچھا کہ ’’تمہیں علم میں اتنی مہارت کیسے حاصل ہوئی؟‘‘ تو اُس شخص نے جواب دیا کہ: ’’اے امیر المؤمنین! (۱) میں نے کبھی کسی کو علمی اِفادہ سے منع نہیں کیا۔ (۲) دوسرے یہ کہ میں نے کبھی بھی دوسرے سے علمی اِستفادہ کو بےعزتی نہیں سمجھا۔ (۳) اور میں جب بھی کسی سے ملاقات اور گفتگو کرتا ہوں، تو کچھ اُسے علمی فائدہ پہنچاتا ہوں، اور کچھ اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہوں‘‘۔ (معالم اِرشادیہ ۲۱۸)

قاضی شریک کی علمی گیرائی کا راز

عباسی خلیفہ منصور نے ''قاضی شریکؒ'' (جو اپنے دور کے بہت بڑے قاضی تھے) سے پوچھا کہ ''آپ کو ایسا (گہرا) علم کہاں سے اور کیسے حاصل ہوا؟'' تو قاضی صاحب نے جواب دیا: ''لَمْ أَرْغَبْ عَنْ قَلِيْلٍ اَسْتَفِيْدُهٗ، وَلَمْ أَبْخَلْ بِكَثِيْرٍ أُفِيْدُهٗ'' (یعنی میں نے کسی معمولی اور قلیل علم سے فائدہ اُٹھانے سے کبھی اعراض نہیں کیا اور (جب اِفادہ کا موقع آیا تو) زیادہ علم دوسروں تک پہنچانے میں کبھی بخل نہیں کیا) (معالم اِرشادیہ ۲۱۸)

اِمام ابو حاتم رازیؒ کا قیمتی مقولہ

خطیب بغدادیؒ نے محدث کبیر اِمام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اُصولی مقولہ بیان فرمایا ہے کہ: ''إِذَا كَتَبْتَ فَقَمِّشْ، وَإِذَا حَدَّثْتَ فَفَتِّشْ'' (یعنی جب (اُستاذ سے) علم لکھنے کا موقع ملے تو سب سمیٹ لو (کہ کہیں بعد میں فرصت ملے یا نہ ملے) اور جب بیان کرنے کا موقع ہو تو تحقیق کر کے بیان کرو) (کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟) (معالم اِرشادیہ ۲۱۸)

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ مذکورہ جملہ اِمام المحدثین علامہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے، اور اِسے علم حدیث میں ایک عظیم قاعدے کے طور پر محدثین نے ذکر فرمایا ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ اِس جملے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''عام طور پر محدثین کا یہ معمول رہا کہ جب وہ کسی راوی سے علم حاصل کرنے جاتے تھے، تو وہ جو بھی روایتیں بیان کرتا، سب کو بلا امتیاز لکھ لیا کرتے تھے، اور حتی الامکان کچھ نہ چھوڑتے تھے؛ لیکن جب روایت بیان کرنے کا موقع آتا تھا، تو پوری تحقیق اور چھان بین کے بعد ہی صرف اُن روایتوں کو آگے بیان کرتے تھے، جو اُن کے نزدیک معتبر اور صحیح ہوتی تھیں) (مستفاد: لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث لعبد الفتاح ابی غدہ ۱۷۴-۱۷۶)

اِمام وکیع بن الجراحؒ کا مقولہ

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اِمام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ: ''لَا يَكُوْنُ الرَّجُلُ عَالِمًا حَتّٰى يَكْتُبَ عَمَّنْ هُوَ فَوْقَهٗ وَعَمَّنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَعَمَّنْ هُوَ مِثْلُهٗ'' (یعنی اُس وقت تک آدمی (کامل) عالم نہیں کہلایا جا سکتا جب تک کہ اپنے سے برتر، اور اپنے سے (عمر وغیرہ میں) کم تر اور اپنے جیسے (ہم عمر اور ہم عصر) لوگوں سے علمی اِستفادہ نہ کرے) (معالم اِرشادیہ ۲۱۷)

(یہ بہت بڑی نصیحت کی بات ہے؛ کیوں کہ بہت سے لوگ اپنی کتابوں وغیرہ میں اپنے ہم عصروں یا اپنے سے چھوٹے لوگوں کا حوالہ دینے میں اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں، اور اُن کی تحریرات سے اِستفادہ کے باوجود اُن کا ذکر نہیں کرتے، تو یہ علماء کاملین کی شان نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ جو بات جہاں سے ملے اُسی کے حوالے سے نقل کی جائے، چاہے وہ لکھنے والا کسی بھی درجہ کا ہو۔ اگر اِس کا اہتمام کیا جائے تو اِن شاء اللہ علم میں برکت نصیب ہوگی) (مرتب)

نویں فصل:

طالبِ علم کو با اَدب ہونا چاہئے

لفظ''اَدب'' ایک جامع لفظ ہے، جو اِسلام کی سبھی تعلیمات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے (جیسے کہ لفظ''اَمانت'' تمام دینی ذمہ داریوں کو اور لفظ''عدل'' ہر قسم اور سطح کے انصاف کو شامل ہے)

اور اَدب کی جامعیت کو اِس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اَدب۔(۲) انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اَدب۔(۳) فرشتوں کے ساتھ اَدب۔(۴) آدمی کا خود اپنے ساتھ اَدب کا معاملہ کرنا۔(۵) اُن لوگوں کے ساتھ اَدب سے پیش آنا جن سے آدمی کا مضبوط رشتہ ہوتا ہے، جیسے والدین، وغیرہ۔(۶) اُن لوگوں کے ساتھ آداب کے مطابق معاملہ کرنا جن سے معمولی تعلق ہوتا ہے، مثلاً: وہ شخص جس سے راستے میں ملاقات ہوجائے، وغیرہ۔

(معالم اِرشادیہ ۲۲۱-۲۲۲)

اللہ تعالیٰ کا اَدب

بندے کا اپنے رب کے ساتھ اَدب کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی جانب سے جو بھی ہدایات پیغمبروں یا کتابوں کے ذریعہ اُس تک پہنچیں، اُس کی تصدیق کرے اور اُس پر عمل بجالائے۔

امام ابوالقاسم قُشیری رحمۃ اللہ علیہ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے اِرشاد فرمایا: ''مَنْ لَمْ يَعْرِفْ مَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يَتَأَدَّبْ بِأَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ كَانَ مِنَ الْأَدَبِ فِيْ عَزْلَةٍ'' (یعنی جو شخص اُن اُمور کو نہ

پہچانے جو اُس پر اللہ تعالیٰ کے لئے واجب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کی منع کردہ باتوں کے بارے میں وہ باادب نہ ہو، تو وہ شخص حقیقت میں ادب سے کنارہ کش اور بے بہرہ ہے)(معالم ارشادیہ ۲۲۲)

طالبِ علم پر اُستاذ کا اَدب

اِسی کے ضمن میں یہ سمجھنا چاہئے کہ اَدب کے عمومی معنی کے اعتبار سے طالبِ علم کا اپنے اہل حقوق بالخصوص اَساتذہ اور مربیان کے ساتھ اَدب کا لحاظ کرنا کتنا ضروری ہے؟ کیوں کہ یہ اَساتذہ ہی اُس کو اپنے علم وعمل اور نبوی وراثت کے ذریعہ جہالت اور گناہوں سے بچانے والے ہیں؛ لہٰذا اُن کا حق دیگر لوگوں کے مقابلے میں اور زیادہ ہے؛ اِس لئے کہ یہی اَساتذہ اُسے اِس بات کی تعلیم دیں گے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، فرشتوں، والدین اور دیگر لوگوں کے کیا کیا حقوق ہیں؟ لہٰذا طالبِ علم جس قدر بھی اپنے اَساتذہ کا احترام اور اعزاز کرے، وہ اُن احسانات اور فضائل ومکارم سے بہت کم ہے، جو اَساتذہ کے ذریعہ اُسے حاصل ہونے والے ہیں۔

لہٰذا طالبِ علم کو اپنے اَساتذہ کے ساتھ انتہائی اَدب واحترام کا معاملہ کرنا چاہئے۔ یہی اَدب طالبِ علم کی کامیابی اور فلاح کا سبب ہے، اور اچھی عادات وخصائل سے مزین ہونے کا سب سے بہترین ذریعہ بھی ہے۔(معالم اِرشادیہ ۲۲۲-۲۲۳)

بڑی عمر والوں کا احترام

الف:- امامِ اہل سنت حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والدمحترم سے پوچھا گیا کہ ''آپ نے محدث ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ روایتیں کیوں نہیں سنیں؟ حالاں کہ وہ آپ کے قریبی محلے ''دارِ عُمارہ'' میں قیام پذیر تھے''، تو حضرت والدمحترم (امام احمد بن حنبلؒ) نے اِرشاد فرمایا

کہ ''ہم ایک دن حضرت ابراہیم بن سعدؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے، اور اُنہوں نے حدیثیں بیان فرمائیں؛ لیکن جب اگلے دن مجلس قائم ہوئی، تو حضرت نے دیکھا کہ مجلس میں کچھ جوان (کم عمر لوگ) بڑی عمر کے لوگوں سے آگے بیٹھے ہیں (حالاں کہ یہ بات اَدب کے خلاف تھی) جسے دیکھ کر حضرت ناراض ہو گئے، اور فرمایا کہ: ''اَب میں ایک سال تک حدیث بیان نہیں کروں گا''۔ پھر وہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے''۔ (اِس لئے اُن سے استفادہ کا مزید موقع نہیں مل سکا) (معالم اِرشادیہ ۲۲۳-۲۲۴)

(اِس واقعہ میں مجلس کا اَدب بتایا گیا ہے کہ جس مجلس میں کم عمر اور بڑی عمر دونوں طرح کے لوگ جمع ہوں، تو اَدب یہ ہے کہ بڑی عمر والوں کو آگے رکھا جائے، الا یہ کہ کم عمر والے کیلئے کوئی اور وجہِ ترجیح ہو) (مرتب)

ب:- مالک بن مِغولؒ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ طلحہ بن مصرّفؒ کے ساتھ راستے میں جا رہا تھا، تو ہم چلتے چلتے ایک تنگ گلی تک پہنچ گئے، تو حضرت طلحہ بن مصرف مجھ سے آگے بڑھے اور پھر فرمانے لگے: ''لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّكَ أَكْبَرُ مِنِّي بِيَوْمٍ مَا تَقَدَّمْتُكَ'' (یعنی اگر مجھے یہ پتہ ہوتا کہ تم مجھ سے ایک دن بھی عمر میں بڑے ہو تو میں تم سے آگے نہ بڑھتا)

ج:- اور علامہ دوریؒ نے اپنی تاریخ میں اور خطیب بغدادیؒ نے اپنی جامع میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ شیخ علی بن صالحؒ اور شیخ حسن بن صالحؒ دونوں جڑواں بھائی تھے؛ لیکن فرق یہ تھا کہ علی بن صالح کی پیدائش تھوڑی دیر پہلے ہوئی تھی، تو اُن کے بھائی حسن بن صالح اِس تھوڑی دیر کا اِس قدر لحاظ کرتے تھے کہ مارے احترام کے علی بن صالح کا نام لئے بغیر اُن کی کنیت ''ابو محمد'' کے ساتھ اُن کا ذکر کرتے تھے۔ اور اگر علی بن صالح کسی جگہ تشریف فرما ہوتے تو حسن بن صالح اُن کے برابر میں نہیں بیٹھتے تھے؛ بلکہ ہمیشہ اُن سے نیچے بیٹھنے کی کوشش کرتے تھے۔ گویا عمر میں معمولی سی زیادتی بھی اُن کے نزدیک قابلِ تعظیم تھی۔ (معالم اِرشادیہ ۲۲۴)

طالب علم کی نشست میں بے اَدبی برداشت نہیں

مشہور شارح حدیث علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض القدیر'' میں لکھا ہے کہ ''شیخ برہان بِقاعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی عجمی شخص نے پڑھنے کی درخواست کی، آپ نے اِجازت دے دی؛ لیکن جب وہ شخص آپ کے سامنے آیا تو (بے اَدبی کے ساتھ) چار زانو بیٹھ گیا، تو آپ نے اُسے پڑھانے سے منع فرمادیا''۔ اور اُس سے فرمایا کہ ''تم جو علم سیکھنے آئے ہو، اُس سے زیادہ اَدب سیکھنے کے محتاج ہو''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۲۴)

(اِس سے معلوم ہوا کہ درس گاہ میں طلبہ کو اُستاذ کے سامنے ہمیشہ با اَدب بیٹھنا چاہئے، اور بے اَدبی والے انداز سے اجتناب کرنا چاہئے) (مرتب)

اُستاذ کی ایک پر اثر ڈانٹ نے دنیا بدل دی

مشہور عالم علامہ شمس الجوجری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بڑے بڑے علماء اور محدثین کی مجلس میں پہنچے؛ لیکن اپنی طبعی ذکاوت کی وجہ سے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے؛ تا آں کہ وہ شیخ الاسلام علامہ یحییٰ مناویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بے دھڑک اُن کے سامنے بیٹھ گئے، اور اُن کو یہ گمان تھا کہ شیخ موصوف اُنہیں اپنے مقرب شاگردوں میں داخل فرمائیں گے؛ لیکن توقع کے برخلاف شیخ الاسلام علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی وقت برملا اُن سے ڈانٹ کر فرمایا کہ: ''تمہارے اندر اَدب کی کمی ہے، اِس طرح علم دین حاصل نہیں ہوسکتا؛ اِس لئے اپنے اوپر کنٹرول کرو اور پہلے اَدب سیکھ کر آؤ''۔ اُستاذ کی ڈانٹ سنتے ہی شیخ شمس الجوجریؒ پسینہ پسینہ ہوگئے، اور دوسروں کو کمتر سمجھنے کی خصلت اُن کے دل سے فوراً نکل گئی، اور پھر اُنہوں نے شیخ مناویؒ کی مجلس درس میں پابندی کے ساتھ حاضری دی؛ تا آں کہ اپنے دور میں عظیم علمی شخصیت قرار پائے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۲۵)

اُستاذ کے ساتھ چلنے کا ایک اَدب

من جملہ آدابِ متوارثہ میں یہ ہے کہ طالب علم اگر دھوپ کے وقت ایسے راستے پر اُستاذ کے ساتھ چلے، جس میں سایہ بھی ہو اور دھوپ بھی ہو، تو خود دھوپ میں چلے اور سایہ کی جگہ اُستاذ کے لئے چھوڑ دے۔ اور اگر دھوپ ہی دھوپ میں چلنا ہو تو جدھر اُستاذ کا سایہ پڑ رہا ہو، اُس طرف نہ چلے؛ بلکہ دوسری جانب چلے۔

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس طرح کے آداب کا خود میں نے اپنے اَساتذہ اور مشائخ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔ چناں چہ ایک مرتبہ میں شافعیہ کے مفتی اعظم شیخ محمد اسعد عجیؒ کی مبارک مجلس میں موجود تھا، اور اُن کے ساتھ میرے انتہائی مؤقر اُستاذ شیخ عبداللہ سراج الدین اور مدرسہ شعبانیہ حلب کے ایک اور اُستاذ بھی تشریف فرما تھے، اور یہ مجلس موسم بہار کے صبح کے وقت میں مدرسہ کے صحن میں منعقد تھی، ہلکی ہلکی دھوپ نکلی ہوئی تھی، تو اچانک میں نے دیکھا کہ ''میرے محترم اُستاذ (شیخ عبداللہ سراج الدینؒ) مدرسہ شعبانیہ کے مذکورہ اُستاذ صاحب کو اُنگلی سے اِشارہ فرمارہے ہیں کہ اپنے قدم کو پیچھے کرو''۔ اب جو میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ اُن کے قدم مفتی شافعیہ شیخ محمد اسعد عجیؒ کے سایہ پر پڑ رہے تھے، تو اُستاذ محترم نے اَدب کا لحاظ فرماتے ہوئے اُنہیں سایہ سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔

اور بات سے بات نکلتی ہے، تو ایک عجیب (یادگار) واقعہ یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ گرمی کی چھٹیوں میں اپنے مخلص دوست محبی فی اللہ شیخ عبدالمجید قطانؒ کے ساتھ مدرسہ شعبانیہ حلب میں پہنچا۔ اتفاق یہ کہ جب ہم مدرسہ میں داخل ہورہے تھے، اُسی وقت مفتی شافعیہ شیخ محمد اسعد عجیؒ مدرسہ سے نکل رہے تھے، اور اُن کو دروازے تک رخصت کرنے کے لئے میرے ہر دل عزیز اُستاذ معظم اور مربی شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ بھی ساتھ تھے، تو میرے ساتھی شیخ عبدالمجید نے اولاً سلام ومصافحہ کے لئے شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی طرف ہاتھ بڑھائے، تو حضرت نے اِنکار فرمادیا، اور فرمایا کہ: ''اَلْأُسْتَاذُ أَوَّلُ – اَلْأُسْتَاذُ أَوَّلُ'' (یعنی پہلے اُستاذ (شیخ محمد اسعد عجیؒ)

سے سلام و مصافحہ کیا جائے) چناں چہ رفیق محترم مفتی صاحب موصوف سے سلام و مصافحہ میں مشغول ہو گئے، تو میں نے دل میں سوچا کہ ابھی تو رفیق محترم شیخ سے سلام وکلام کر رہے ہیں؛ لہٰذا اِس دوران میں خود اُستاذ گرامی شیخ عبد الفتاحؒ سے سلام کرلوں، چناں چہ میں آپ کی طرف آگے بڑھا؛ لیکن آپ نے صاف اِنکار فرمادیا اور ذرا سخت لہجہ میں فرمایا کہ: "اَلْأُسْتَاذُ أَوَّلُ – اَلْأُسْتَاذُ أَوَّلُ". (معالم اِرشادیہ ۲۲۶-۲۲۷)

(مترجم عرض کرتا ہے کہ بڑوں کے ساتھ ایسا اَدب اب تقریباً عنقا ہو چکا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اپنے اکابر اور اَساتذہ کی مجلس میں بھی آدمی بڑائی ظاہر کرتے ہوئے کوئی شرم اور حجاب محسوس نہیں کرتا؛ اور حتیٰ کہ مذکورہ آداب کا نہ تو احساس ہوتا ہے اور نہ اُن کا خیال دل میں گذرتا ہے، یہ بڑے افسوس اور محرومی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر واَساتذہ کا کما حقہ اَدب بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین) (مرتب)

آداب کیسے نصیب ہوں گے؟

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار آدمی کو یہ عجیب سا لگتا ہے کہ ایسے آداب کا اِنسان کیسے تحمل کرسکتا ہے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اِنسان کی طبعیت میں یہ آداب اَچانک پیدا نہیں ہوتے؛ بلکہ بہت سے مقدمات اور طویل محنتوں اور مشقتوں کے تحمل کے بعد اِنسان میں یہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔

اِس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک سادہ مزاج دیہات کا رہنے والا آدمی جو جنگل ہی میں پلا بڑھا ہو، اگر وہ اچانک کسی ایسے پر رونق شہر میں پہنچ جائے، جہاں بادلوں تک پہنچنے والی عظیم الشان بلڈنگیں ہوں، تو وہ بہت تعجب میں پڑ جائے گا کہ اتنی بڑی بڑی بلڈنگیں کیسے تیار ہوئیں؟ لیکن جب اُسے سمجھایا جائے کہ اِس عظیم بلندی کے پیچھے مضبوط بنیادیں اور پلاننگ اور بتدریج تعمیری سرگرمیاں ہیں، تو اُس شخص کا تعجب دور ہو جائے گا۔ بعینہٖ اِسی طرح لوگوں کے آداب کا حال ہے کہ بچپن سے جیسے اُن کو آداب سکھائے جائیں گے، وہی ترقی کرکے انتہاء کو پہنچ

جائیں گے۔ (معالم ارشادیہ ۲۲۷)

(گویا کہ با اَدب بننے کے لئے ابتداء ہی سے اَدب والے ماحول میں پرورش کی ضرورت ہے) (مرتب)

چیونٹی کے دل میں بڑوں کا اَدب اور اُس سے نصیحت

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے سامنے کوئی یوں کہے کہ ''بڑوں کا اَدب ایسی خصلت ہے جو جانوروں کے دل میں بھی ودیعت رکھی گئی ہے''، تو شاید آپ تعجب اور انکار پر اُتر آئیں؛ لیکن میں کہتا ہوں کہ اِس بارے میں جلدی نہ کریں: بلکہ قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھیں: ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ. حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُوْدُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (النمل: ۱۷-۱۸) (یعنی سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے جنات، اِنسان اور پرندوں پر مشتمل لشکر جمع کیا گیا، تو اُنہیں (کثرت کے سبب بار بار) روکا جاتا تھا؛ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیوں! اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ! کہیں تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں)

تو غور کیجئے! چیونٹی نے جو ایک جانور ہے، اُس نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر کے بارے میں- جس میں بڑے بڑے امراء شامل تھے- کیسی اَدب آمیز گفتگو فرمائی، کہ ہوسکتا ہے کہ بے شعوری میں وہ تمہیں اپنے پیروں سے کچل ڈالیں، یعنی اُن کی طرف سے جو تم کو تکلیف پہنچے گی وہ بالارادہ نہ ہوگی؛ بلکہ بلاقصد ہوگی۔ بلاشبہ چیونٹی کی یہ بات بہترین اَدب پر مبنی ہے۔

پس اِس سے یہ نصیحت ملی کہ جب ایک جانور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے ساتھ اِس قدر اَدب کا برتاؤ کرتا ہے، تو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ

رضی اللہ عنہم، ائمہ عظام اور علماء کرام کا کس قدر اَدب کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ۲۲۷-۲۲۸)

اُستاذ کے سامنے عبارت پڑھنے کا ایک اہم اَدب

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ اَدب سکھایا گیا ہے کہ جب ہم اُستاذ کے سامنے کوئی عبارت پڑھیں، اور اُس میں کلمہ "اِعْـلَـمْ" (جان لے) آئے، تو اَدب یہ ہے کہ ہم اُسے "لِيُعْلَمْ" (جاننا چاہیے) پڑھیں؛ تا کہ شاگرد کی طرف سے اُستاذ کو امر کے صیغہ سے مخاطبت نہ پائی جائے۔ (حاشیہ: معالم اِرشادیہ ۲۲۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ اَدب

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ اَدب کی بحث کے اختتام سے پہلے جی چاہتا ہے کہ اِمام فخر الدین رازیؒ نے سیدنا حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں آیتِ قرآنی: ﴿هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الكهف: ٦٦) (کیا میں آپ کی پیروی کر سکتا ہوں، اِس وعدے پر کہ آپ مجھے اُس رشد و ہدایت کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھلائی گئی ہے) کے ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے اظہار اَدب کا جو ذکر فرمایا ہے، اُسے بھی قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

اِمام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ اِن آیتوں سے مختلف انداز میں سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے علمی اِستفادے کے وقت اَدب اور احترام کا واضح طور پر ثبوت ہوتا ہے، جس کے متعلق چند اِشارات ذیل میں درج ہیں:

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنے کو حضرت خضر علیہ السلام کا تابع بنایا، جیسا کہ ﴿هَلْ اَتَّبِعُکَ﴾ سے پتہ چلتا ہے۔

(۲) اور اِس تابع بننے میں بھی حضرت خضر علیہ السلام کی اِجازت طلب کی کہ: "کیا آپ مجھے اپنا تابع بنانے کی اِجازت دیتے ہیں"۔ بلاشبہ یہ تواضع میں کمال اور مبالغہ ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ﴿عَلٰیٓ اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ ارشاد فرما کر خود اِس بات کا اقرار فرمایا کہ: ''اُستاذ گرامی حضرت خضر علیہ السلام کو جن خاص باتوں کا علم ہے؛ اُن سے وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) باخبر نہیں ہیں''۔ (یہ بھی کمالِ اَدب کی دلیل ہے)

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ کے الفاظ اِرشاد فرمائے، یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کردہ علوم میں سے کچھ حصہ اُنہیں سکھایا جائے۔ اِس میں بھی تواضع کا پہلو پایا جاتا ہے، بایں طور کہ یہ درخواست نہیں کی کہ ''آپ مجھے تمام علوم سکھادیں کہ میں علم میں آپ کے برابر ہوجاؤں؛ بلکہ صرف اتنی درخواست کی کہ آپ اپنے علم کے بہت سے اَجزاء میں سے کسی جزو کی مجھے تعلیم دیں''۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی فقیر مال دار سے سوال کرتے وقت صرف یہ گذارش کرتا ہے کہ اُسے مال کا کچھ حصہ عطا کردیا جائے۔

(۵) ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ کے لفظ سے یہ بھی اقرار فرمایا کہ ''حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم خاص عطا ہوا ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے''۔

(۶) پھر طلبِ علم میں ﴿رُشْدًا﴾ کی قید لگانا بھی اپنے اندر بڑی نصیحت رکھتا ہے؛ اِس لئے کہ ''رشد'' اُس معاملے کو کہا جاتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو، تو ضلالت اور گمراہی پھیل جائے۔

(۷) اِسی طرح یہ فرمایا کہ: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ یہ اِس جانب مشیر ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ ''جس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو خصوصی علم سے نواز کر اُن کے ساتھ فضل کا معاملہ فرمایا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام وہ علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منتقل کرکے احسان فرمائیں''۔ تو اِس معنی کے اعتبار سے بھی اُستاذ کی قدر دانی کا پہلو نکلتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ: ''جس سے بھی میں نے ایک حرف سیکھ لیا؛ گویا میں اُس کا غلام بن گیا''۔

(۸) کسی کی متابعت کا اصل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ: ''متبوع کے عمل کو ہی بنیاد بنا کر مطلقاً اُس کی پیروی کی جائے''۔ اِس کی وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ جب ہم کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھتے ہیں، تو اگرچہ ہم سے پہلے یہودیوں نے بھی یہ کلمہ پڑھا؛ لیکن ہم اُن کے عمل کی بنیاد پر

نہیں ؛ بلکہ دلیل کی بنیاد پر یہ کلمہ پڑھتے ہیں ؛ لہٰذا ہم کلمہ پڑھنے میں یہودیوں کے پیروکار نہیں کہلائیں گے۔ اِس کے برخلاف جب ہم سنت کے موافق پنج وقتہ نمازیں اَدا کرتے ہیں، تو ہمارے پیشِ نظر صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ ہوتا ہے ؛ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ نمازوں میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اَب یہ سمجھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ﴿هَلْ اَتَّبِعُکَ﴾ فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھ کر اُن کے افعال کی پوری طرح پیروی کرنے کا عزم فرمایا۔

اِس سے یہ نصیحت ملی کہ طالبِ علم کو شروع ہی سے اُستاذ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

(۹) ﴿هَلْ اَتَّبِعُکَ﴾ کو عام رکھنے سے یہ بھی اِشارہ ملا کہ: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا کسی قید کے تمام اُمور میں اُستاذ گرامی کی متابعت کا اِرادہ فرمایا تھا''۔

(۱۰) روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ پہلے ہی مرحلے میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا تھا کہ آپ ہی بنی اسرائیل والے صاحب تورات ''موسیٰ کلیم اللہ'' ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے زبردست معجزات سے نوازا ہے۔ اِن تمام بلند و بالا مناصب اور درجاتِ عالیہ کے باوجود اُن کی طرف سے مختلف انداز سے تواضع کا مظاہرہ کرنا اِس بات کی دلیل تھی کہ آپ انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ صرف علم کی طلب کے جذبے سے حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائے۔ اور بلاشبہ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کے لائق بھی تھا ؛ کیوں کہ جس شخص کے پاس جتنا زیادہ علم ہوتا ہے، اُتنا ہی وہ علم کے وقار اور سعادت سے واقف ہوتا ہے، اور اتنا ہی طلب علم کا جذبہ اور اہل علم کی تعظیم اُس میں کامل و مکمل ہوتی ہے۔

(۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ: ﴿هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ ''اولاً آپ نے اپنے تابع ہونے کی درخواست کی، اُس کے بعد طلب علم کا اظہار فرمایا''۔

اِس سے یہ نصیحت ملی کہ: ''طالب علم کو اَولاً اُستاذ کی خدمت کے لئے اپنے کو تیار کرنا چاہئے، اُس کے بعد ہی اُس سے علم کی طلب ہونی چاہئے''۔

(۱۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف یہ فرمایا کہ: ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ﴾ اور اِس متابعت پر کسی بدلے کا مطالبہ نہیں فرمایا۔ مثلاً یہ نہیں کہا کہ ''میں اِس متابعت کے بدلے میں مال ودولت یا منصب کا خواہش مند ہوں؛ بلکہ آپ نے اپنے انداز سے یہی ظاہر فرمایا کہ اِس سفر سے میرا مقصد طلب علم کے سوا کچھ نہیں ہے''۔ (انتہی کلام الفخر الرازی) (ملخص ترجمہ) (معالم اِرشادیہ ۲۲۸-۲۳۱)

اُستاذ کا رعب

طالب علم کے دل میں اپنے اُستاذ کی اِس قدر عظمت ہونی چاہئے کہ دل ہر وقت اُن کی ہیبت سے مرعوب رہے۔

مغیرہ بن مقسم ضبیؒ فرماتے تھے کہ: ''ہم اپنے اُستاذ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے اِس طرح ڈرا کرتے تھے، جیسا کہ ہم امیر اور حاکم سے ڈرتے تھے''۔

حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''کوئی طالب علم اِمام حسن بصریؒ کی خدمت میں بسا اَوقات تین سال تک رہتا تھا؛ لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے اُسے کوئی سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی''۔

عبدالرحمٰن بن حرملہ اسلمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''کسی آدمی کی حضرت سعید بن المسیبؒ سے اُس وقت تک کوئی بات پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی؛ جب تک کہ اُن سے اِس طرح اِجازت نہ لی جائے، جیسا کہ امیر سے اِجازت لی جاتی ہے''۔

علامہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں کئی سال حضرت سعید بن المسیبؒ کی مجلس میں اُن کے قریب حاضر رہا؛ لیکن مجھے اپنی طرف سے کوئی بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، کبھی بات کرتا بھی تھا تو یہ کہہ کر شروع کرتا کہ: ''لوگوں نے آج یہ کہا، اور لوگوں نے

یہ خبر دی''؛ تب آپ سے گفتگو ہوتی تھی''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۱-۲۳۲)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ ہم لوگوں کا حضرت الاستاذ المعظم، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بھی کچھ اِسی طرح کا حال رہتا تھا کہ اگرچہ آپ کی مجلس لطائف وظرائف سے پُر رہتی تھی؛ لیکن آپ کے خداداد رعب کی وجہ سے ہم لوگوں کو اکثر سوال کرنے کی ہمت نہ ہو پاتی تھی، کئی کئی دن سوچنے اور ہمت کرنے کے بعد سوال کرنے کی جرأت ہوتی تھی) (مرتب)

اُستاذ کی اَولاد کا اَدب

طالب علم کے لئے من جملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ نہ صرف اُستاذ کی تعظیم کرے؛ بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اُستاذ کے اہل خانہ اور اَولاد وغیرہ کی بھی تعظیم بجالائے۔

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ اِس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے اُستاذ صاحب ہدایہ، شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانیؒ نقل فرمایا کرتے تھے کہ: ''ائمہ بخاری میں سے ایک بڑے اِمام مجلس درس میں تشریف فرما تھے؛ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ وہ درس کے دوران اچانک کھڑے ہو جاتے، اور پھر بیٹھ جاتے''۔ تو اُن سے پوچھا گیا کہ ''اِس عمل کی کیا وجہ ہے؟'' تو اُنہوں نے جواب دیا کہ: ''اصل میں بات یہ ہے کہ میرے اُستاذ صاحب کا ایک بچہ محلے کی گلی میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کھیلتے کھیلتے جب وہ کبھی مسجد کے دروازے کے سامنے آتا ہے، اور میری نظر اُس پر پڑتی ہے، تو میں اپنے اُستاذ کی تعظیم میں اُسے دیکھ کر بے اختیار کھڑا ہو جاتا ہوں''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۲)

(اللہ اکبر! واقعی اَدب کی کیا شان ہے؟ جس کی مثال ملنی مشکل ہے) (مرتب)

اِمام رازیؒ کے حسن اَدب کا ایک نادر واقعہ

علامہ یاقوت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''معجم الادباء'' میں ''علم الانساب'' کے ایک

بڑے عالم علامہ عزیز الدین اِسماعیل ابن الحسین العلوی المروزیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں یہ عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ جب علامہ فخر الدین رازیؒ ''مرو'' تشریف لائے، تو آپ کی جلالتِ شان، عظیم الشان شہرت اور زبردست رعب ودبدبہ کی وجہ سے آپ سے کوئی دوبدو گفتگو نہیں کرسکتا تھا؛ حتیٰ کہ آپ کی مجلس میں آپ کی تعظیم کی بنا پر سانس کی آواز بھی نہ آتی تھی، تو علامہ اسماعیل بن الحسینؒ آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے عبارت پڑھنے لگے، تو ایک دن علامہ فخر الدین رازیؒ نے اُن سے فرمایا کہ: ''میرا جی چاہتا ہے کہ تم مجھ سے پڑھنے والے طلبہ کے نسب کے بارے میں ایک جامع کتاب لکھ کر مجھے دو؛ تاکہ میں اُس کا مطالعہ کروں؛ کیوں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کے بارے میں لاعلمی کی حالت میں میری موت آئے''۔ تو شیخ اسماعیلؒ نے حضرت سے پوچھا کہ: ''آپ نسبوں کا تذکرہ شجرہ کی شکل میں لکھوانا چاہتے ہیں یا مضمون کی شکل میں؟'' تو حضرت نے فرمایا کہ: ''شجرہ کی بات یاد رکھنا مشکل ہے، اور میں ایسا مضمون چاہتا ہوں جو میں یاد کرسکوں''۔ چناں چہ موصوف نے حضرت کے حکم کی تعمیل میں ایک کتاب مرتب فرمائی جس کا نام ''الفخری'' رکھا، اور اُسے لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو جب حضرۃ الامام کو میری کتاب کا علم ہوا تو آپ اپنے گدے سے ہٹ کر چٹائی پر تشریف فرما ہوئے اور مجھے باصرار ڈانٹ کر اپنے گدے پر بٹھایا، اُس کے بعد میرے سامنے میری لکھی ہوئی کتاب خود پڑھنی شروع کی، اور جو بات سمجھ میں نہ آتی، اُس کے متعلق سوال کرتے جاتے؛ یہاں تک کہ پوری کتاب ختم کرلی۔ اُس کے بعد فرمایا کہ: ''اَب تمہاری مرضی جہاں چاہو بیٹھو، اور یہ وہ علم ہے جس میں تم میرے اُستاذ ہو، اور میں تم سے استفادہ کرنے والا تمہارا شاگرد ہوں، اور طالبِ علم کے لئے اَدب یہی ہے کہ وہ اُستاذ کے سامنے بیٹھ کر پڑھے''۔

علامہ عزیز الدین اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اُس کے بعد میں اُٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا، اور حضرۃ الامام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی نشست پر تشریف فرما ہوگئے، اور میں نے حسبِ معمول آپ کے سامنے عبارت پڑھنی شروع کردی، اور بلاشبہ یہ حسن اَدب کا بہترین

نمونہ ہے۔ خاص طور پر ایسے شخص کی طرف سے جو انتہائی عظیم المرتبت ہو، ایسا کردار پیش کیا جانا بہت ہی قابل قدر اور بے مثال ہے‘‘۔

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ میں مزید دو باتیں قابل لحاظ ہیں:

(۱) اول یہ کہ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا علم کی طلب کا اِس قدر شوقین ہونا کہ فرمایا کہ: ’’میں اِس علم سے جاہل ہونے کی حالت میں مرنا نہیں چاہتا‘‘، یہ اُن کے علمی شغف کی بڑی دلیل ہے۔

(۲) اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ شیخ عزیز الدین اِسماعیل کی پیدائش ۵۷۲ھ میں ہے، جب کہ اِمام فخر الدین رازیؒ نے ۶۰۶ھ میں ۶۲ر سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِس اعتبار سے اِمام رازیؒ کی وفات کے وقت شیخ عزیز الدین اسماعیلؒ کی عمر کل ۳۴ر برس ہوتی ہے، جو اُن کا جوانی کا دور تھا، اور یقیناً جس وقت اُنہوں نے اِمام رازیؒ کے حکم پر کتاب لکھی، تو اُن کی عمر اِس سے بھی کم ہوگی۔ اِس کے باوجود اِمام رازیؒ کا اپنی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے باوصف محض علم کے شوق میں اپنی اَولاد کی عمر والے عالم سے کامل تواضع کا مظاہرہ کرنا؛ یہ اُن کی عظیم الشان منقبت اور بہترین اَدب کی نادر مثال ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۳-۲۳۴)

اُستاذ کی صحبت ومعیت کے لمحات کو غنیمت جانیں!

طالب علم کے لئے ایک اہم اَدب یہ ہے کہ جب اُسے اُستاذ کی صحبت اور معیت نصیب ہو، تو زیادہ سے زیادہ اُس کے علم وفضل سے اِستفادے کی کوشش کرے، ایسا نہ ہو کہ فراق کا وقت آجائے اور پھر بعد میں افسوس ہو کہ کاش میں یہ بھی پوچھ لیتا اور وہ بھی پوچھ لیتا، اور فلاں معاملے میں بھی تحقیق کرلیتا، اور فلاں مشکل مسئلہ کو اُستاذ سے حل کرالیتا (تو اِس کی نوبت نہیں آنی چاہئے)

مگر یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ چند باتوں کا خصوصاً لحاظ رکھا جائے:

الف:- اُستاذ سے حد درجہ محبت کی جائے۔

ب:- اُس کے ساتھ انتہائی اَدب اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔

ج:- طالبِ علم اپنی فہم وفراست سے اُستاذ کا اِس طرح مزاج شناس بن جائے کہ اُسے اندازہ ہو کہ کب اُستاذ کی طبعیت میں بشاشت ہے کہ اُن سے علمی مذاکرہ یا بحث کی جائے؟ اور اُس موقع کا بھی خیال رہے جب خاموش رہ کر اُستاذ کے علمی اِفادات اور نصائح سے فائدہ اُٹھایا جائے۔

د:- طالبِ علم میں حصولِ علم کے لئے ہر طرح کی مشقت اور پریشانی برداشت کرنے کا جذبہ بھی ضروری ہے۔

اور یہ بات یقینی ہے کہ جب تک اُستاذ اور شاگرد کے درمیان محبت اور اُنسیت روز افزوں نہ ہو، تو آپس میں اِفادے اور اِستفادے کا تسلسل باقی نہیں رہتا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۴-۲۳۵)

علم کے لئے ذلت برداشت کرنا

اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان کے معروف اَدیب علامہ اصمعیؒ کا یہ روشن مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: ”مَنْ لَمْ يَحْتَمِلْ ذُلَّ التَّعَلُّمِ سَاعَةً بَقِيَ فِيْ ذُلِّ الْجَهْلِ أَبَدًا“ (یعنی جو شخص کچھ دیر کے لئے علم سیکھنے کی ذلت برداشت نہ کرے، تو وہ ہمیشہ جہالت کی ذلت میں پڑا رہتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۲۳۵)

علم کے لئے مشقت اُٹھانا

حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضرۃ الامام عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت جید عالم تھے؛ حتیٰ کہ اِمام ابن شہاب زہریؒ بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور اُن کی ضروریات کو انجام دیتے؛ حتیٰ کہ اُن کے لئے کنویں سے پانی نکال کر خود پیش فرماتے تھے۔ اور حضرت عبید اللہ کا حال یہ تھا کہ اگر وہ نماز کی نیت باندھ لیتے، تو اگرچہ اُن کے پاس دیگر لوگ بیٹھے ہوں، تو اُن کی طرف اپنی طویل نماز کا

معمول پورا کئے بغیر بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے، اور حاضرین کی وجہ سے نماز میں کوئی تخفیف نہ فرماتے تھے۔

حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ سیدنا حضرت علی بن الحسین زین العابدین رحمہ اللہ بھی حضرت عبید اللہؒ کی مجلس میں تشریف لاتے، مگر وہ نماز میں مشغول ہوتے، اور اُن کی طرف کوئی توجہ نہ فرماتے۔ تو ایک مرتبہ عرض کیا گیا کہ حضرت علی بن الحسینؒ آپ کے انتظار میں رہتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا: ”لَا بُدَّ لِمَنْ طَلَبَ هٰذَا الْأَمْرَ يُعَنّٰى بِهٖ“ (یعنی جو شخص اِس علم کو حاصل کرے، اُس کے لئے تحصیل علم میں مشقت اُٹھانا ضروری ہے) (معالم اِرشادیہ ۲۳۵-۲۳۶)

(تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص نے طالبِ علمی میں مشقت نہ اُٹھائی ہو، اُسے عموماً علم میں رسوخ حاصل نہیں ہوتا، اِلا ماشاءاللہ) (مرتب)

طلبِ علم میں شرمانا نقصان دہ ہے

مختلف علماء سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ مشہور مقولہ منقول ہے کہ: ”مَنْ رَقَّ وَجْهُهٗ رَقَّ عِلْمُهٗ“ (یعنی جو شخص طلب علم میں سوال کرنے سے شرمائے گا، تو اُس کا علم ہلکا اور سطحی رہ جائے گا اور اُسے کامل رسوخ اور شرحِ صدر حاصل نہ ہوگا)

(معالم اِرشادیہ ۲۳۶، فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ۳۰۲)

علم کے حصول کیلئے سرمایہ خرچ کرنے سے نہ گھبرائیں

اِمام المتصوفین حضرت سَری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: (پچاس سال پہلے میں نے ایک جملہ سنا تھا، جس سے مجھے بہت فائدہ پہنچا۔ ایک مرتبہ میں مکہ معظّمہ میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ ایک صاحب میزابِ رحمت کے نیچے حلقہ لگائے بیٹھے ہیں، تو جب میں اُن کے قریب سے گذرا، تو میں نے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ:) ”مَنْ

عَلِمَ مَا طَلَبَ هَانَ عَلَيْهِ مَا بَذَلَ" (یعنی جو شخص اپنا مطلوبہ علم پالیتا ہے، تو اُس علم کے حصول میں صرف کردہ مال اور محنت کی کوئی حیثیت اُس کی نظر میں نہیں رہتی) (معالم اِرشادیہ ۲۳۶ مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ۹/۲۲۹)

طالبِ علم کا اُستاذ کے ساتھ نرمی سے پیش آنا

طالبِ علم کے لئے ایک اہم اَدب یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اُستاذ کے ساتھ ہمیشہ تواضع اور نرمی کا مظاہرہ کرے، اور صبر واستقامت کے ساتھ کسی اُکتاہٹ کا اظہار کئے بغیر تحصیل علم میں لگا رہے۔

محدث کبیر، الحافظ، الحجۃ، اِمام بن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُستاذ کے ساتھ نرمی اور تواضع کی بدولت ہی اُستاذ معظم حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے کثیر علمی استفادے کی سعادت حاصل ہوئی۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۶)

اُستاذ کی طالبِ علم کے ساتھ شفقت

نیز سلفِ صالحین سے اپنے طلبہ کے ساتھ بھی لطف ومہربانی اور نرمی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، وہ حضرات حکمت ومصلحت کو سامنے رکھ کر طلبہ کے ساتھ مشفقانہ معاملہ فرماتے تھے۔

مثال کے طور پر علامہ خطیب بغدادیؒ نے اِمام المحدثین حضرت وکیع ابن الجراح رحمہ اللہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ: "گرمی کے زمانے میں جب (پانی ڈھونے والے) اونٹوں کے مالکین قیلولہ کیا کرتے تھے، تو آں موصوف پانی بھرنے والے مزدور لوگوں کے پاس جا کر اُنہیں حدیثیں سنایا کرتے تھے"۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ لوگ دن بھر اپنے کام کاج (پانی بھرنے بھرانے) میں لگے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے میری مجلس درس میں نہیں آپاتے"۔ جس کی بنا پر آپ خود بطور تواضع اُن کو حدیثیں سنانے جاتے تھے۔ (اللہ اکبر! کیسا خیر خواہی اور ہم دردی کا جذبہ اور اِشاعت علم کا داعیہ تھا، جس کی مثال ملنی مشکل ہے)

نیز علامہ خطیب بغدادیؒ نے یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک ثقہ محدث علامہ ولید بن عتبہ الاشجعی الدمشقیؒ دمشق کے محلّہ ''جابیہ'' کی ایک مسجد میں اِمام ولید بن مسلم کی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے، تو ایک شخص مجلس میں وقت مقررہ سے کچھ دیر میں آتا تھا، جس کی وجہ سے سبق کا کچھ حصہ چھوٹ جاتا تھا، تو سبق کے بعد حضرت ولید بن عتبہؒ اُس کے سامنے سبق کو دوہراتے تھے؛ لیکن جب بار بار یہ صورت پیش آئی، تو ایک دن آپ نے اُس شخص سے متوجہ ہوکر فرمایا کہ: ''ارے بھائی! روز روز دیر سے آنے کی کیا وجہ ہے؟ تم دیگر طلبہ کے ساتھ وقت پر کیوں نہیں آتے؟ اَب آئندہ اگر دیر سے آؤ گے تو میں تمہیں سبق نہیں دوہراؤں گا''۔ حضرت کی بات سن کر اُس شخص نے جواب دیا کہ: ''اصل میں معاملہ یہ ہے کہ میں ایک عیال دار شخص ہوں، اور دمشق کی مضافاتی آبادی ''بیت لہیا'' میں میری ایک دوکان ہے، تو اگر میں صبح صبح اُس دوکان کی ضروریات منڈی سے نہ خریدوں، تو مجھے ڈر ہے کہ میرا کاروبار ختم ہوجائے گا، اِس لئے میں اولاً دوکان کا سامان خرید کر دوکان میں رکھتا ہوں، پھر دوکان بند کر کے دوڑا دوڑا آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں''۔ (اِس لئے مجھے کچھ تاخیر ہوجاتی ہے)

جب حضرت ولید ابن عتبہؒ نے اُس شخص کی داستان سنی، اور ساتھ میں اُس کے علمی شوق کا اندازہ ہوا، تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ: ''اَب میں تمہیں کبھی یہاں نہ دیکھوں'' (یعنی اَب تم ''بابِ جابیہ'' میں میری مجلس میں بالکل مت آیا کرو) اور یہ فرمانے کے بعد حضرت ولید نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ آپ روزانہ خود اُس شخص کے گاؤں (بیت لہیا) تشریف لے جاتے، اور اُس کی دوکان پر بیٹھ کر اُسے کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اِن حضرات کو اپنی کامل خوشنودی سے نوازیں، جو واقعۃً اَخلاقِ محمدیہ اور پاکیزہ طبعیتوں کے حامل تھے، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۷)

ابتداءً تکلف بالآخر طبعیت بن جاتا ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ: ''جب طالب علم لمبی مدت تک کامل اَساتذہ کی صحبت

سے فیض یاب ہوتا ہے، تو اگرچہ شروع شروع میں وہ اُن کی ہدایات اور نصیحتوں پر بتکلف عمل کرتا ہے؛ لیکن رفتہ رفتہ وقت گذرنے کے ساتھ وہ آداب واَخلاق تکلف کے بجائے اُس کی عادت اور طبعیت بن جاتے ہیں''۔ (یعنی بلا کسی مشقت کے اُس سے بہترین آداب کا ظہور ہونے لگتا ہے)

اِسی لئے حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے طالبِ علم کے آداب اور ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ طالب علم کو چاہئے کہ:

الف:- ''وہ اپنے ہر چھوٹے بڑے کام کی لگام اپنے اُستاذ کے حوالے کر دے، اور اُس کی نصیحت پر اِس طرح یقین کرے، جیسا کہ ناواقف مریض ماہر ڈاکٹر کی ہدایت اور تشخیص پر یقین کرتا ہے۔

ب:- اور طالبِ علم کو اُستاذ کے سامنے بالکل متواضع بن کر رہنا چاہئے، اور اُس کی خدمت کو اپنے لئے باعثِ سعادت اور موجبِ اَجر وثواب سمجھنا چاہئے۔ اور یہ بات طے ہے کہ علم تواضع اور کامل استماع کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

ج:- طالبِ علم کو اپنے اُستاذ کے سامنے اِس طرح ہونا چاہئے، جیسا کہ کوئی پیاسی زمین؛ جس پر موسلا دھار بارش برسے، اور وہ بارش کے سارے اَجزاء کو اپنے اندر جذب کرلے، اور اُس کے پوری طرح نفع بخش ہونے پر اطمینان رکھے۔

د:- نیز طالبِ علم کو چاہئے کہ تعلیم وتعلم کے بارے میں اُستاذ اُسے جو بھی مشورہ دے، اُسے دل سے قبول کرے، اور خود رائی چھوڑ دے؛ اِس لئے کہ اُستاذ اور مرشد کی بالفرض غلطی بھی طالبِ علم کے لئے اپنی نظر میں درست بات سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔

ہ:- جس وقت طالبِ علم اُستاذ کے سامنے اور مرید شیخ کے سامنے حاضر ہو، تو اُسے اپنے نفسانی عیوب اور اپنی پوشیدہ بدخلقیوں پر نظر رکھنی چاہئے، اور پھر اُستاذ اور شیخ کے مشوروں کو فیصلہ کن بناتے ہوئے اُن کی تعمیل میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۸)

اُستاذ کے ساتھ مشابہت

حضرت اِمام ماوردیؒ نے طلبہ کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ: ''اُنہیں اچھے اخلاق میں اپنے اَساتذہ کی اقتداء کرنی چاہئے، اور اپنے تمام افعال میں اُن کی مشابہت میں پیش قدمی کرنی چاہئے؛ تاکہ طالبِ علم اپنے اُستاذ سے پوری طرح مانوس ہوجائے، اور اُن کے اَخلاق کو اپنالے، اور ایسی باتوں سے دور رہے جو اُستاذ کے پاکیزہ اَخلاق وعادات سے جداگانہ ہوں۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص جن لوگوں سے محبت کرتا ہے، تو اُنہیں کی مشابہت بھی اختیار کرتا ہے، اور (حدیث شریف سے ثابت ہے کہ) ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' (یعنی جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے، وہ اُنہیں میں شمار ہوتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۲۳۹)

علم کے ساتھ اَدب

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''جب تم علم سیکھو تو اُس کی پابندی کرو، اور تحصیل علم کے دوران ٹھٹھول اور لغویات سے پرہیز کرو؛ ورنہ تمہارے دل پراگندہ ہوجائیں گے''۔

محدث کبیر حضرت ہشام دستوائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ درسِ حدیث کی مجلس میں ایک شخص کو ہنستے ہوئے دیکھا، تو آپ نے ناراضگی کے ساتھ فرمایا: ''حدیث پڑھتے ہوئے تم ہنس رہے ہو؟'' (یعنی یہ بڑی بےاَدبی اور محرومی کی بات ہے)

اِمام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (یا سفیان بن عیینہ) نے بیت اللہ شریف کے پاس ایک شخص کو دیکھا جو بنوشیبہ کے دوسرے شخص سے مذاق کرتے ہوئے مسکرا رہا تھا، تو حضرت سفیانؒ اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: ''اِس مقدس مقام پر تم ہنس رہے ہو؟ ایک زمانہ تھا کہ اگر آدمی کوئی ایک حدیث شریف بھی اُستاذ سے پڑھ لیتا، تو تین دن تک اُس پر سنجیدگی اور وقار کی کیفیت طاری رہتی تھی''۔

علامہ ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الآداب الشرعیۃ'' میں شیخ ابوجعفر احمد بن بُدیل الیامیؒ متوفی: ۲۵۸ھ (جو امام ترمذیؒ اور ابن ماجہ کے اَساتذہ میں سے ہیں) کے حوالے سے لکھا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ''ہم نے یہ منظر دیکھا ہے کہ جب ہم اَساتذہ سے حدیث لکھا کرتے تھے تو (مجلس میں بالکل سناٹا رہتا تھا حتیٰ کہ) صرف قلم سے لکھنے کی یا کسی رونے والے طالبِ علم کی آواز سنائی دیتی تھی''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۳۹)

(اللہ اکبر! یہ ہے واقعی علم کا اَدب، جس کا آج کل بالکل خیال نہیں رکھا جاتا، اور درس گاہیں اپنی بے حرمتی پر ماتم کناں رہتی ہیں) (مرتب)

علم نافع کی ایک اہم علامت

اِمام المحدثین حضرت عبداللہ بن المبارکؒ محدث کبیر علامہ عبدالاعلیٰ التیمیؒ کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ: ''جس علم کو حاصل کرنے سے آدمی کے دل میں نرمی اور رونے کی کیفیت نہ ہو، تو وہ اُس کے حق میں علم نافع نہیں کہلایا جاسکتا؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی علماء کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا. وَّیَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا. وَیَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَیَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۸-۱۰۹) (یعنی جن کو قرآن سے پہلے علم عطا ہوا ہے، جب وہ قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے، تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب بے عیب ہے، اور یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوکر ہی رہے گا۔ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں، اور (قرآنِ پاک) اُن کے دلوں کے خشوع وخضوع کو اور بڑھا دیتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۲۴۰)

علم پر عمل کا اہتمام

علم کے اہم آداب میں سے یہ بھی ہے کہ طالبِ علم جو بھی علم سیکھے، اُس کے مطابق عمل کرے، اور ویسے ہی اخلاق اپنائے، اور اہلِ علم کے کمالات اپنے اندر پیدا کرنے کی فکر کرے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابراہیم ابن حربیؒ سے اُن کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: ''جو شخص بھی آداب سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنے، تو اُسے چاہئے کہ اُس پر مضبوطی سے عمل کرے''۔

اِمام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ: ''جب آدمی علم سیکھتا تھا، تو کچھ ہی دنوں میں اُس علم کا اثر اُس کے خشوع وخضوع، چال ڈھال؛ حتیٰ کہ زبان، آنکھ اور ہاتھوں سے نظر آنے لگتا تھا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۴۰)

طالبِ علم کے لئے تہجد کا اہتمام

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ابوعصمہ البیہقی سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے ایک رات امیر المؤمنین فی الحدیث اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گذاری، تو آپ نے میرے لئے برتن میں پانی رکھا (تاکہ تہجد میں پریشانی نہ ہو) جب صبح ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ پانی جوں کا توں رکھا تھا، تو آپ نے اِرشاد فرمایا: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ! رَجُلٌ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لاَ يَكُونُ لَهُ وِرْدٌ مِنَ اللَّيْلِ'' (یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ طالبِ علم کا رات میں عبادت کا کوئی معمول نہ ہو) (معالم اِرشادیہ ۲۴۰)

(اِس سے یہ نصیحت ملی کہ طالبِ علم کو فرائض کے ساتھ ساتھ کچھ نوافل وغیرہ کا بھی اہتمام رکھنا چاہئے؛ تاکہ علم کی برکت کامل طور پر نصیب ہو) (مرتب)

دعاؤں کا اہتمام

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ معاصر علماء کے واقعات میں ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ''فضیلۃ الشیخ الدکتور محمد عوض'' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے اُستاذ ''صاحب الفضیلۃ الشیخ عبدالکریم الرفاعیؒ'' کے سامنے مسجد میں چاشت کی نماز اَدا کی، اور سلام پھیرتے ہی میں اُٹھ کر چل دیا، اُدھر شیخ میری نقل وحرکت کو دیکھ رہے تھے، اُنہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا

کہ: ''کیا تم اپنے رب سے بے نیازی برتنے والے ہو؟'' تو میں حضرت کے اِس اِرشاد سے کانپ گیا، اور بہت اَدب سے عرض کیا کہ: ''خیر تو ہے؟'' (مجھ سے کیا خطا ہوئی) تو حضرۃ الاستاذ نے فرمایا: ''تَمْشِيْ فَوْرَ تَسْلِيْمِکَ مِنَ الصَّلَاةِ وَلَا تَدْعُوْ اللّٰهَ بِشَيْءٍ'' (یعنی نماز کا سلام پھیرتے ہی تم چل پڑے، اور اللہ سے دعا بھی نہیں مانگی؟) (معالم ارشادیہ ۲۴۱)

(گویا تنبیہ فرمائی کہ نماز اور دیگر عبادات کے بعد بالخصوص کمالِ عاجزی کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے، اور بندے کو اپنے رب سے ہرگز مستغنی نہیں رہنا چاہئے۔ بالخصوص طالب علم کو ابتداء ہی سے دعا کی عادت ڈالنی چاہئے) (مرتب)

اَساتذہ کی صحبت کے بغیر آداب کا حصول مشکل ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اَساتذۂ ربانیین اپنے شاگردوں پر گہری نظر رکھتے ہیں (جیسا کہ درج بالا واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے) لیکن جس شخص کا اَساتذہ سے نہ تو تعلق ہو اور نہ اُن سے براہِ راست علم حاصل کیا ہو، تو ظاہر ہے کہ اُس کو اَساتذہ کی توجہات وعنایات (جن سے طالبِ علم درجۂ کمال کو پہنچتا ہے) کہاں حاصل ہوسکتی ہیں؟ اور ایسا شخص تربیت اور آداب کے اعتبار سے ترقی کے مقام تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

خاص کر جو لوگ محض کسی یونیورسٹی سے وابستہ ہو کر اَسباق ودروس میں پابندی کے ساتھ حاضر ہوئے بغیر ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں، اُنہیں وہ آداب کیسے نصیب ہوسکتے ہیں؟

اِسی طرح وہ لوگ جو اوپن یونیورسٹیوں (فاصلاتی تعلیم گاہوں) کی طرف سے ڈیجیٹل آلات کے توسل سے دور دراز رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور بڑی بڑی اُونچی ڈگریاں بھی اُنہیں مل جاتی ہیں، تو وہ مذکورہ آداب کی خوشبو بھی کیسے پاسکتے ہیں؟ کسی کے پاس اِن باتوں کا جواب ہو تو پیش کرے!! (معالم اِرشادیہ ۲۴۱)

دورانِ درس باوضو رہنے کا اہتمام

اور علماء کے نزدیک علم کے اہم آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اُستاذ اور طالبِ علم دورانِ

درس وتدریس باوضو رہنے کا اہتمام رکھیں۔(کیوں کہ اِس سے ظاہری وباطنی برکتیں نصیب ہوتی ہیں)اِس سلسلے میں چند واقعات درج ذیل ہیں:

الف:- ابوجعفر احمد بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اِمام ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا،تو ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا،تو امام ابوعبداللہ نے اذان دی،تو میں مسجد سے باہر نکلا،جب واپس آیا،تو شیخ نے پوچھا کہ:''کہاں گئے تھے؟''میں نے عرض کیا کہ:''نماز کے لئے وضو کرنے گیا تھا''۔تو حضرت نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:''تمہارے بارے میں مجھے یہ گمان نہ تھا کہ بے وضو ہونے کی حالت میں تم پر نماز کا وقت آئے''۔(معالم اِرشادیہ۲۴۱)

ب:- شیخ ابو اِسماعیل ہروی انصاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر ہرویؒ (جو محمد ابن یوسف الفربریؒ کی سند سے بخاری شریف کے راوی ہیں) سے حجۃ الوداع کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت پڑھی،تو قرأت کے دوران میں نے اُس روایت کے کچھ صفحات حضرت ابوذر کو پکڑنے کا اِشارہ کیا،تو حضرت نے فرمایا کہ:''اسے یہیں رکھ دو،اِس وقت میرا وضو نہیں ہے،اور آپ نے اُن صفحات کو ہاتھ نہیں لگایا''۔(معالم اِرشادیہ۲۴۲)

ج:- حافظ ابن عساکرؒ نے اِمام ابوعلی صابونیؒ کا مقولہ نقل کیا ہے،وہ فرماتے تھے کہ: ''میں باوضو ہونے ہی کی حالت میں اپنے کتب خانے میں داخل ہوتا ہوں،اور میں نے بغیر وضو کے نہ تو کبھی کوئی حدیث بیان کی،اور نہ کوئی دینی یا درس کی مجلس منعقد کی''۔

د:- شیخ برہان زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''علم کی تعظیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کتاب کی تعظیم کی جائے،اِس لئے طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ طہارت کے بغیر کسی کتاب کو ہاتھ نہ لگائے''۔

ہ:- شمس الائمہ حلوائیؒ سے منقول ہے،وہ فرماتے تھے کہ:''میں نے اِس علم کو تعظیم کے ذریعہ حاصل کیا ہے؛چناں چہ میں نے کسی بھی کاغذ کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا''۔

و:- شمس الائمہ سرخسیؒ ایک مرتبہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوئے، جس کی وجہ سے بار بار حاجت پیش آتی تھی، تو آپ نے اُس رات میں ۱۷/مرتبہ وضو فرمایا۔ اور وجہ یہ تھی کہ آپ کو علم کا تکرار بلا وضو پسند نہ تھا؛ کیوں کہ علم بھی نور ہے، اور وضو بھی اپنے اندر نورانیت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے نور پر نور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ز:- اِمام ابوالحسن علی القطانؒ - جو امام ابن ماجہ سے ان کی سنن براہِ راست روایت کرنے والوں میں ہیں- اُن کے متعلق اِمام ابوالقاسم الرافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''شیخ ابوالحسن کو ایک مرتبہ پیٹ کی بیماری لاحق ہوئی، جس کی بنا پر آپ نے ایک دن میں ۹۰/مرتبہ سے زیادہ وضو فرمایا''۔ اور اِرشاد فرمایا کہ: ''میں ملک الموت سے بھی طہارت کی حالت میں ملنا چاہتا ہوں''۔

اور ایک مرتبہ آپ نے ایسی دوا پی لی، جس کی بنا پر ۳۰/مرتبہ سے زیادہ آپ کو استنجاء کیلئے بیت الخلاء جانا پڑا، تو آپ وہاں سے واپس آ کر ہر مرتبہ پورا وضو فرماتے تھے۔

ح:- علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں با قاعدہ ایک باب اِسی موضوع پر قائم کیا ہے کہ بے وضو اَحادیث شریفہ کا درس نہ دیا جائے، اور اِس ضمن میں بہت سے آثار ذکر فرمائے ہیں۔

اِسی طرح علامہ خطیب بغدادیؒ نے بھی اپنی ''جامع'' میں یہ لکھا ہے کہ: ''عبارت پڑھنے والے طالبِ علم کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنے محدث اُستاذ کی اَصل کاپی کو دیکھ کر پڑھے، اور اُسے بغیر وضو نہ چھوئے''۔

نیز اِن حضرات اور دیگر علماء نے مشہور تابعی اِمام قتادہؒ کا یہ اِرشاد بھی نقل کیا ہے کہ: ''مستحب یہ ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اَحادیث شریفہ صرف طہارت ہی کی حالت میں پڑھی پڑھائی جائیں''۔

اِسی طرح کا مقولہ حضرت اِمام مالکؒ سے بھی منقول ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۴۲-۲۴۴)

(سلفِ صالحین کے مذکورہ آثار و واقعات سے یہ واضح ہوا کہ درس و تدریس کے دوران باوضو رہنا علم میں بے مثال برکت اور اِضافے کا سبب ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے بالکل صادق ہے کہ جو طالبِ علم طہارت کے اہتمام کے ساتھ علم حاصل کرتا ہے، وہ ہر اعتبار سے خیر و برکت سے نوازا جاتا ہے، اِس لئے ہر طالبِ علم کو مجلس درس میں باوضو حاضری کا اہتمام کرنا چاہئے؛ بلکہ عام حالات میں بھی باوضو رہنے کا اہتمام ہو تو اور بہتر ہے) (مرتب)

کتابوں کا اَدب

علم کے واجبی آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کتاب کی طرف پیر نہ پھیلائے؛ حتیٰ کہ کتاب کے اُوپر کوئی چیز مثلاً دوات وغیرہ بھی نہ رکھے، اور جہاں کتابیں رکھنی ہوں تو ترتیب کا خیال رکھے۔ یعنی تفسیر کی کتابیں سب سے اوپر، اُس کے بعد حدیث، پھر فقہ وغیرہ۔ (معالم اِرشادیہ ۲۴۳)

مدرسہ اور جدید تعلیمی اِداروں کے درمیان فرق کو ظاہر کرنے والے دو وَاقعات

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خود میرے سامنے دو واقعات ہیں، جن میں سے پہلا واقعہ میرے لئے مسرت آمیز اور دوسرا واقعہ بہت ناگوار ہے، اور میں اُسے کتاب کے صفحات میں درج کرنا بھی پسند نہیں کرتا؛ لیکن میں اسے بھی ذکر کرتا ہوں؛ تا کہ ایک دوسرے اہم پہلو کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کر سکوں۔

(پہلا واقعہ یہ ہے کہ) میں طالبِ علمی کے زمانہ میں - اگر چہ الحمدللہ اَب بھی میں اپنے کو طالبِ علم ہی سمجھتا ہوں - حلب (شام) کے مشہور مدرسہ شعبانیہ کے صحن میں بائیں ہاتھ میں کتاب لے کر چل رہا تھا، اِسی دوران میرے نہایت مشفق اُستاذ، متبحر عالم، فقیہ شافعی العلامۃ الشیخ احمد قلاش تشریف لائے، اور اُنہوں نے میرے بائیں ہاتھ سے کتاب لے کر میرے دائیں ہاتھ میں پکڑا دی، اور فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اٰتِنِي کِتَابِي بِیَمِیْنِي" (یعنی اے اللہ! میرا نامۂ اَعمال میرے داہنے ہاتھ میں عطا فرمایئے)

(گویا عملی طور پر کتاب کا اَدب سکھلایا کہ وہ طالب علم کے دائیں ہاتھ میں رہنی چاہئے)

اور (اِس کے بالمقابل دوسرا واقعہ یہ ہے کہ) کچھ ہی عرصہ کے بعد میں نے دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ (شریعہ کالج) میں داخلہ لیا، اور ابھی پہلا تعلیمی سال ختم نہیں ہوا تھا، اور ہم لوگ فقہ کے مضمون کا تقریری (زبانی) امتحان دینے کے لئے انتظار میں تھے، اور علامہ سمرقندیؒ کی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' کا امتحان دینا تھا۔ اتفاق یہ کہ انتظار کی مدت لمبی ہوگئی، اور ہم میں سے ایک طالب کھڑے کھڑے تھک گیا، تو اُس نے امتحان ہال کے پائے دان پر بیٹھنے کا اِرادہ کیا، مگر وہ گرد آلود تھی، اور طالبِ علم کالی پینٹ پہنے ہوئے تھا، اور وہاں بیٹھنے سے پینٹ پر گرد کا اثر صاف ظاہر ہونے کا اندیشہ تھا، اِس لئے اُس نے وہاں بیٹھنے کے بجائے اپنی کتاب ''تحفۃ الفقہاء'' زمین پر رکھی، اور بے تکلف اُس پر بیٹھ گیا۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ مجھے اِس واقعہ کا ذکر کرنا بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے؛ لیکن میں قارئین کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ براہِ راست مشفق اُستاذ کی تربیت اور گونگے بہرے یونیورسٹیوں کے تعلیمی ماحول میں کس قدر بڑا فرق ہے؟ کہ مدرسہ میں اُستاذ کی نظر طالبِ علم کو سنت پر چلانے اور علمی آداب سکھلانے کی طرف اِس قدر ہوتی ہے کہ وہاں داہنے ہاتھ میں کتاب پکڑنے تک کا اَدب سکھلایا جاتا ہے، اور یہاں ایسے آداب کا کوئی تصور ہی نہیں (کہ طالبِ علم کتاب کی محض کاغذ سے زیادہ کوئی وقعت ہی نہیں سمجھتا) إلا من رحم اللّٰہ۔

اور جو پرانی وضع کے بعض باقی رہ جانے والے علماء اگر یونیورسٹی سے وابستہ بھی ہوگئے ہیں، تو وہاں بھی عملاً طلبہ سے دوری کی وجہ سے یا یونیورسٹی کے خاص ماحول کی وجہ سے اُنہیں تربیت کا موقع عموماً میسر نہیں ہو پاتا۔ پھر بھی اُن کا وجود بسا غنیمت ہے، جب وہ رخصت ہوجائیں گے تو یہ نورانی علامتیں اور سلف کے آثار بھی اُن کے ساتھ رخصت ہوجائیں گے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ (معالم ارشادیہ ۲۴۴-۲۴۵)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ راقم جب بچپن میں امروہہ میں پڑھتا تھا، تو ایک دن

مدرسہ جاتے ہوئے بے خیالی میں کتابیں بائیں ہاتھ میں پکڑ کر جا رہا تھا، تو دور سے ہمارے انتہائی مشفق اُستاذ اور مربی حضرت مولانا شبیہ احمد خان صاحب فیض آبادیؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ آتے ہوئے دکھائی دئے، حضرت کے ہاتھ میں عصا تھا، وہ آپ نے بلند کر کے فرمایا کہ: ''خبردار! اگر آئندہ بائیں ہاتھ میں کتاب دیکھی تو خیر نہ ہوگی''۔ حضرت کی اِس بروقت تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ پھر پوری طالبِ علمی کے زمانہ میں کوئی بھی کتاب بائیں ہاتھ میں لینے کی ہمت نہ ہوئی۔

اِس کے برخلاف کالج وغیرہ میں ایسے آداب کا تصور ہی نہیں؛ بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مدرسوں میں بھی یہ آداب اَب عنقا ہوتے جا رہے ہیں) (مرتب)

بے اَدبی محرومی کا سبب

سلفِ صالحین علماء سے یہ مشہور جملہ منقول ہے: ''مَا فَازَ مَنْ فَازَ إِلَّا بِالْأَدَبِ، وَمَا سَقَطَ مَنْ سَقَطَ إِلَّا بِسُوْءِ الْأَدَبِ'' (یعنی جسے بھی کامیابی ملی ہے، اُسے اَدب کے ذریعہ ملی ہے، اور جو بھی نیچے گرا ہے (ذلیل ہوا ہے) وہ بے اَدبی کی وجہ سے گرا ہے)

اور اِسی سے ملتا جلتا وہ مقولہ ہے جو علامہ برہان زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ: ''مَا وَصَلَ مَنْ وَصَلَ إِلَّا بِالْحُرْمَةِ، وَمَا سَقَطَ مَنْ سَقَطَ إِلَّا بِتَرْكِ الْحُرْمَةِ'' (یعنی جو بھی اونچے درجہ تک پہنچا ہے وہ اَدب واحترام کی بدولت پہنچا ہے، اور جو بھی ذلیل ہوا ہے وہ بے حرمتی کی وجہ سے ہوا ہے)

اور اِس ذلت کی واضح مثال ابلیس لعین کا واقعہ ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا کہ: ''وہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم ربی کو نہ ماننے کی پاداش میں کیسی اَزلی ذلت ورسوائی سے دوچار ہوا''۔ نعوذ باللہ۔ (معالم ارشادیہ ۲۴۵-۲۴۶)

اَدب کی بدولت حضرت ابن عباسؓ کی سربلندی

اور حسنِ اَدب کی بدولت ترقی اور کامیابی حاصل ہونے کی ایک روشن دلیل سیدنا حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مبارک حال ہے، جس کا تذکرہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی بخاری شریف وغیرہ کی روایات میں موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (ایک رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی خالہ جان اُم المؤمنین سیدتنا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گذاری، تو رات میں) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کے لئے تشریف لے گئے، تو حضرت ابن عباسؓ نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھ دیا، جب آپ تشریف لائے، اور پانی رکھا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ: ''یہ پانی کس نے رکھا؟'' تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ: ''ابن عباسؓ نے'' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو (شفقت سے) سینے سے لگالیا اور یہ دعا دی: ''اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' (یعنی اے اللہ! اس (ابن عباسؓ) کو دین میں فقاہت عطا فرمایئے!)

اور ایک روایت میں ہے کہ دعا میں یہ اَلفاظ اِرشاد فرمائے: ''اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ'' (یعنی اے اللہ! اسے حکمت کی باتیں سکھلایئے)

اور ایک روایت میں یہ اَلفاظ وارد ہیں: ''اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ'' (یعنی اے اللہ! اِس کو کتاب اللہ (یعنی قرآنِ مقدس) کا علم عطا فرمایئے)

اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں دعا کے اَلفاظ یہ منقول ہیں: ''اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ'' (یعنی اے اللہ! اِس کو دین کی سمجھ عطا فرمایئے، اور تاویل (کتاب اللہ کی آیات کے معانی ومفاہیم) کا علم بھی عطا فرمایئے)

اور ایک دوسری روایت ابن ابی شیبہ اور مسند احمد میں نقل ہوئی ہے، جس میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں اخیر شب میں حاضر ہوا، اور آپ کے پیچھے تہجد کی نماز کی نیت باندھ لی، تو پیغمبر علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں کھڑا کرلیا؛ لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف یکسوئی سے مشغول ہوئے، تو میں تھوڑا پیچھے ہٹ گیا، سلام پھیرنے کے بعد حضور اکرم علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا

کہ: ''تم پیچھے کیوں ہٹ گئے تھے؟'' تو میں نے عرض کیا کہ: ''کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ نماز میں آپ کے برابر میں کھڑا ہو؛ کیوں کہ آپ اُس اللہ کے رسول ہیں جس نے آپ کو (بے مثال کمالات سے) نوازا ہے''۔ تو حضور اکرم علیہ السلام کو میرا یہ جواب بہت اچھا لگا، اور آپ نے میرے علم وفہم میں اِضافہ کی دعا فرمائی۔

تو یہاں اصل میں دو الگ الگ واقعے پیش آئے، ایک تو وہ واقعہ ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ علیہ السلام کو وضو کا پانی پیش فرمایا تھا۔ دوسرا یہ واقعہ ہے جس میں نماز تہجد کے دوران آپ بصد اَدب ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوئے تھے۔ تو اگرچہ حضرت حافظ ابن حجرؒ نے دونوں واقعات کو ایک ہی قرار دیا ہے؛ مگر زیادہ راجح بات یہ ہے کہ یہ الگ الگ دو واقعے ہیں، جن کی تائید ترمذی اور نسائی کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ اُن میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ''حضور علیہ السلام نے مجھے دو مرتبہ دعا دی ہے، تو دونوں دعاؤں کا سبب بھی الگ ہے۔ ایک میں خدمت سے خوش ہو کر دعا دی، اور دوسرے واقعہ میں حسن اَدب کو دیکھ کر دعا سے نوازا''۔

بہرحال اِس مقبول دعا کی برکت کا اثر یہ تھا کہ نوعمری کے باوجود سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں علمی اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز ہوئے۔

حتیٰ کہ اُن کے بارے میں فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ: ''ابن عباس اگر ہماری عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی اُن کے علم کے دسویں حصہ کو بھی نہ پہنچ پاتا''۔ نیز فرمایا کہ: ''ابن عباسؓ ترجمان القرآن ہیں''۔

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ: ''ابن عباسؓ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب یعنی قرآن مقدس کے سب سے بڑے عالم ہیں''۔

اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات پر یہ اِرشاد فرمایا: "اَلْيَوْمَ مَاتَ رَبَّانِي الْعِلْم" (یعنی آج ایک عالم ربانی کی وفات ہوگئی) اور اُمت نے آپ کو بجا طور پر "حبر الامت" اور "ترجمان القرآن" کا لقب دیا، رضی اللہ عنہ۔

ظاہر ہے کہ آپ کو یہ مقام حسن اَدب کی بنیاد پر ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی حسن اَدب کی توفیق سے نوازیں، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ٢٤٦-٢٤٨)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ علمی واخلاقی ترقی کے لئے قول وفعل میں حسن اَدب کا اہتمام لازم ہے؛ کیوں کہ اِسی حسن اَدب کی وجہ سے طالب علم اپنے اُستاذ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے، اور اُستاذ کی پوری توجہ اُس کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بفضل خداوندی قدم قدم پر برکتوں سے نوازا جاتا ہے، جب کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے ذہین وفطین طالب علم بے اَدبی اور بد خلقی کی وجہ سے علم سے محروم کردئے گئے، اور اعلیٰ صلاحیت کے باوجود اُنہیں دین کی خدمت کی سعادت حاصل نہ ہوسکی، اللہم احفظنا منہ) (مرتب)

دسویں فصل:

علم کی طلب میں اُکتاہٹ کے بغیر لگے رہیں!

طالبِ علم پر لازم ہے کہ وہ تحصیل علم میں ''صبر'' کا دامن ضرور تھامے رہے؛ تا آں کہ اللہ تعالیٰ اُس پر فتوحات اور کشادگی کے دروازے کھول دیں۔ طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ شاعر کا یہ شعر ہمیشہ یاد رکھے:

اَخْلَقُ بِذِيْ الصَّبْرِ أَنْ يُحْظٰى بِحَاجَتِہٖ
وَمُدْمِنُ الْقَرْعِ لِلْأَبْوَابِ أَنْ يَلِجَا

(صبر کرنے والا شخص اِس لائق ہے کہ اُس کی حاجت روائی ہو، اور جو شخص مسلسل دروازہ کھٹکھٹا تا رہتا ہے، وہ کبھی نہ کبھی دروازے مں داخل ہو ہی جاتا ہے)

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ایک محدث فضل ابن سعید کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص علم حاصل کرنا چاہتا تھا، مگر (اپنی ذہنی کمزوری کی وجہ سے) علم اس کی گرفت میں نہ آتا تھا، جس کی وجہ سے اُس نے تعلیم منقطع کرنے کا فیصلہ کرلیا، تو ایک دن وہ پہاڑ کے دامن میں ایک آبشار پر سے گذرا، اور اُس نے دیکھا کہ پہاڑ سے جو پانی پتھر پر گر رہا ہے، اُس چٹان پر پانی نے نشانات بنا دئے ہیں، تو وہ سوچنے لگا کہ جب لطیف ہونے کے باوجود پانی چٹان پر اثر انداز ہوسکتا ہے (تو مسلسل علم کیسے مؤثر نہیں ہوسکتا) چناں چہ اُس نے پھر ہمت کی اور تحصیل علم کا عزم کیا؛ تا آں کہ اُس نے اپنے مطلوب کو پالیا، اور وہ کامیاب ہوگیا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۴۹-۲۵۰)

(تو معلوم ہوا کہ ذہن کمزور کیوں نہ ہو، پھر بھی طالب علم کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے)

(مرتب)

محنت ومجاہدہ؛ کلیدِ کامیابی ہے

علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی جامع میں حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کے دو (نہایت قیمتی) مقولے نقل فرمائے ہیں:

(۱) "مَا طَلَبَ أَحَدٌ شَيْئًا بِجِدٍّ وَصِدْقٍ إِلَّا نَالَهُ؛ فَإِنْ لَمْ يَنَلْهُ كُلَّهُ نَالَ بَعْضَهُ". (جوشخص بھی محنت اور خلوص سے کسی مقصد کو حاصل کرنے کی سعی کرے گا، وہ ضرور اس مقصد کو پالے گا، اور اگر پورا نہ پاسکے تو بعض کو تو ضرور ہی پالے گا)

(۲) اور دوسرا مقولہ یہ ہے: "بَابُ كُلِّ عِلْمٍ نَفِيسٍ جَلِيلٍ مِفْتَاحُهُ بَذْلُ الْمَجْهُوْدِ". (یعنی ہر شاندار اور جلیل القدر علم کا ایک دروازہ ہوتا ہے، جس کی چابی محنت صرف کرنا ہے) (گویا بغیر محنت کے محض تمنا کرنے سے کوئی بڑا مقصد آدمی کو حاصل نہیں ہوتا) (مرتب)

اِس بارے میں شیخ ابویعلی موصلی کے درج ذیل اشعار بھی یاد کرنے کے قابل ہیں:

إِنِّي رَأَيْتُ وَفِي الْأَيَّامِ تَجْرِبَةٌ ❖ لِلصَّبْرِ عَاقِبَةً مَحْمُوْدَةَ الْأَثَرِ

وَقَلَّ مَنْ جَدَّ فِي أَمْرٍ يُطَالِبُهُ ❖ وَاسْتَصْحَبَ الصَّبْرَ إِلَّا فَازَ بِالظَّفَرِ

ترجمہ:- (۱) میں نے اپنی زندگی کے تجربہ میں یہ دیکھا ہے کہ صبر کا انجام ہمیشہ بہترین اور قابل تعریف ہوتا ہے۔

(۲) اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ جس شخص نے کسی مطلوبہ امر کے لئے صبر کے ساتھ محنت کی ہو، اور وہ کامیابی سے سرفراز نہ ہوا ہو۔

اور شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے مشائخ سے درج ذیل اشعار بھی یاد کئے ہیں:

اُطْلُبِ الْعِلْمَ وَلَا تَضْجَرَنْ ❖ فَآفَةُ الطَّالِبِ أَنْ يَضْجَرَا

اَلَمْ تَرَ الْحَبْلَ بِتَكْرَارِهِ ❖ فِي الصَّخْرَةِ الصَّمَّاءِ قَدْ أَثَّرَا

ترجمہ:- (۱) علم کی طلب میں اُکتاہٹ کے بغیر لگے رہو؛ کیوں کہ علم کی بیماری اور رکاوٹ طالب علم کا اُکتا جانا ہے۔

(۲) کیا تم رسی کو نہیں دیکھتے جو ٹھوس پتھر میں اپنی بار بار کی رگڑ سے نشان ڈال دیتی ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۰)

سبق کا ناغہ اور لمبی چھٹی نقصان دہ ہے

طالبِ علم کو چاہئے کہ تسلسل کے ساتھ بلا کسی ناغہ اور سستی کے طلبِ علم میں لگا رہے؛ کیوں کہ سستی کی وجہ سے یا تو آدمی بالکلیہ علم سے محروم ہو جاتا ہے، یا دیگر ساتھیوں سے پیچھے رہ جاتا ہے، یا یہ سستی اُس کی علمی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

اور دماغ کی تیزی اور حافظہ کی زیادتی کے لئے مسلسل مطالعہ اور پڑھنے کا ذوق وشوق سب سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت امام بخاریؒ کی نصیحت پہلے گذر چکی ہے۔

حضرت امام زرنوجیؒ اپنی کتاب ''تعلیم المتعلم'' میں لکھتے ہیں کہ: ''طالبِ علم کو سبق کی چھٹی نہیں کرنی چاہئے؛ کیوں کہ یہ علم کے لئے سب سے بڑی آفت ہے۔ فقیہ اکبر علامہ برہان الدین المرغینانیؒ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''إِنَّمَا غَلَبْتُ عَلىٰ شُرَكَائِي بِأَنْ لَمْ تَقَعْ لِيَ الْفَتْرَةُ فِي التَّحْصِيلِ'' (میں نے اپنے ساتھیوں پر اِس لئے فوقیت حاصل کی؛ کیوں کہ میں نے طالبِ علمی کے زمانہ میں کبھی چھٹی نہیں کی)

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ: ''اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ گرمی کی لمبی چھٹیوں میں طالبِ علم نے کمائی کے لئے کوئی اور مشغلہ اختیار کیا، اور پھر طالبِ علمی چھوڑ کر اسی دنیاوی مشغلہ میں لگ گیا، اِس لئے طلبہ کے سرپرستوں کو اِس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۰-۲۵۱)

بقائے علم کے لئے مسلسل علمی مشغلہ ضروری ہے

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ: ''اِسی مناسبت سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بہت سی

مرتبہ آدمی تعلیم پوری کر کے ڈگری بھی حاصل کر لیتا ہے، مگر اُس کے بعد تعلیمی مشغلہ کے بجائے کسی انتظامی مشغلے میں لگ جاتا ہے، جس کی وجہ سے علمی اِفادہ اور استفادہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا، اور طالبِ علمی کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو تعلیم سے فراغت کے بعد علمی مشغلہ جاری نہیں رکھ پاتے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑی عبرت کی بات ہے، جس پر سب کو متنبہ رہنے کی ضرورت ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۱)

محدث شعیب بن حربؒ - جو حضرت اِمام بخاریؒ کے اَساتذہ میں سے ہیں - فرماتے ہیں کہ: ''ہم ۴؍ ہزار طلبہ حدیث پڑھا کرتے تھے؛ لیکن اُن میں صرف ۴؍ طلبہ کامیابی کے مرتبہ کو پہنچ پائے''۔ (یعنی جنھوں نے بعد میں علمی مشغلہ برقرار رکھا، وہی کامیاب ہوئے)

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام شعبہ بن الحجاجؒ ایک مرتبہ اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائے، تو دیکھا کہ دروازہ پر طالبین حدیث کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، تو حضرت امام شعبہؒ نے اپنے ایک شاگرد امام ابوداؤد الطیالسیؒ - جن کے ہاتھ پر آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے - سے پوچھا کہ: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا یہ سب محدث بن جائیں گے؟'' تو اِمام ابوداؤد الطیالسیؒ نے فرمایا: ''نہیں'' یہ سن کر اِمام شعبہؒ نے فرمایا کہ: ''تم نے سچ کہا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید اِن میں سے پانچ لوگوں کا بھی محدث بننا مشکل ہے''۔ اِمام ابوداؤدؒ کو اِس پر تعجب ہوا، تو حضرت نے فرمایا کہ: ''میں یہ اِس لئے کہہ رہا ہوں کہ بسا اَوقات آدمی بچپن میں حدیثیں لکھتا اور جمع کرتا ہے؛ لیکن جب بڑا ہو جاتا ہے، تو یہ مشغلہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور کبھی بچپن میں لکھتا ہے؛ لیکن بڑی عمر کو پہنچنے کے بعد فتنہ وفساد میں (یعنی علم کش مشاغل میں) پڑ جاتا ہے''۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت الامام شعبہؒ بار بار یہی جملہ دہراتے رہے، اور میں نے جب غور کیا اور اندازہ لگایا تو حضرت کی بات بالکل درست پائی کہ اس مجمع میں سے پانچ لوگ بھی محدث بن کر نہیں نکلے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۲)

(جو بات حضرت امام شعبہؒ نے فرمائی وہ بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہے، آدمی کتنا

ذہین کیوں نہ ہو اور اُس کا حافظہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، اگر وہ مسلسل علمی مشغلہ میں نہ لگے، تو اُسے علمی کمال ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ بعض طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ فراغت کے بعد کسی معاشی محنت میں لگ جائیں؛ تاکہ فارغ البالی نصیب ہو، تو اُنہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دیگر کسی مشغلہ میں لگنا اگرچہ دنیوی اعتبار سے مفید ہو؛ لیکن اِس علمی استعداد کو ضرور نقصان پہنچتا ہے، اور ماضی کی ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے) (مرتب)

اِمام سلیمان اعمشؒ کا تجزیہ

علامہ ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے کہ محدث کبیر حضرت سلیمان اعمشؒ سے پوچھا گیا کہ: ''آپ نے بے شمار طلبہ کو حدیث پڑھا کر علم کو زندگی بخشی ہے'' تو آپ نے فرمایا کہ: ''اِس پر تعجب نہ کرو؛ اِس لئے کہ اُن طلبہ میں سے تہائی تو ایسے ہوں گے جو درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے وفات پا جائیں گے، اور تہائی وہ ہوں گے جو حاکموں کی صحبت اختیار کرلیں گے، تو اُن کا حال مُردوں سے بھی بدتر ہے، اور تیسرے تہائی بچیں گے، اُن میں سے بھی بہت معمولی مقدار کامیابی حاصل کر پائے گی''۔

لہٰذا مذکورہ واقعات واَقوال سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے خود طلبہ کو اپنا جائزہ لینا چاہئے، اور علم کی بقا میں رکاوٹوں میں نہیں لگنا چاہئے، اور طلبہ کے سرپرستوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی اَولادوں میں زیادہ سے زیادہ علم دین پڑھانے کی کوشش کریں؛ تاکہ اُنہی میں سے دین کی مرجعیت کا مقام حاصل کرنے والے اَفرادِ اُمت کو مہیا ہوسکیں۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۳)

سبق کی پابندی کے حیرت انگیز واقعات

سلف صالحین طالبِ علمی کے زمانے میں سبق کی حاضری کا کس قدر اہتمام کرتے تھے، اِس کا کچھ اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے:

الف:- شیخ ابوالہلال العسکری نے امام الحنفیہ علامہ ابوالحسن الکرخیؒ کے بارے میں

نقل کیا ہے کہ موصوف اپنے اُستاذ شیخ ابوحازم عبدالحمید بن عبدالعزیز القاضیؒ کے درس میں ہر دن حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ علامہ کرخیؒ فرماتے ہیں کہ ''اگرچہ اُستاذ محترم جمعہ کو درس نہیں دیتے تھے؛ لیکن میں پھر بھی صبح کے وقت درس گاہ میں ضرور حاضری دیتا تھا؛ تاکہ میری حاضری کی عادت پر کوئی فرق نہ پڑے''۔

ب:- اِسی طرح حلب و دمشق کے بہت سے علماء اپنے اَساتذہ کے درس میں بلاناغہ حاضری کا اہتمام فرماتے تھے؛ حتیٰ کہ منگل کے دن سبق کی چھٹی رہتی تھی، اور درس گاہ پر تالا پڑا رہتا ہے؛ مگر وہ حضرات پھر بھی درس گاہ کے پاس آتے، اور دروازے کا دستہ پکڑ کر گھر واپس چلے جاتے، اور سردی یا گرمی ہر زمانے میں اُن کا یہ معمول جاری رہتا تھا؛ تاکہ سبق کی حاضری کی عادت متأثر نہ ہو۔ اِس بارے میں بطور خاص حلب کے علماء میں ''شیخ عبدالجواد بوادقجیؒ'' اور دمشق کے علماء میں ''شیخ عبدالوہاب دبس وزیتؒ'' کا نام قابل ذکر ہے، جو بالترتیب اپنے اَساتذہ ''شیخ محمد نجیب سراج الدینؒ'' اور ''شیخ عطاء اللہ الکسمؒ'' کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کرتے تھے۔

بلاشبہ یہی وہ حضرات ہیں جو مسلسل نگرانی کے ذریعہ امراض نفسانیہ کا علاج کرتے ہیں، اور سستی اور غفلت سے بچ کر زندگی گذارتے ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۳-۲۵۴)

(اللہ تعالیٰ نے اَسباق کی حاضری میں بے مثال برکت رکھی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بسا اَوقات کم ذہن والا طالبِ علم سبق میں حاضری کی برکت سے آگے نکل جاتا ہے، جب کہ بڑے بڑے ذہین طلبہ حاضری کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ترقی سے محروم رہ جاتے ہیں، اِس لئے ہر طالبِ علم کو بہر حال حاضری کی پابندی کرنی چاہئے، اور بلا شدید عذر کے ناغہ نہیں کرنا چاہئے) (مرتب)

گیارہویں فصل:

سبق کے لئے تکرار و مطالعہ کا اہتمام

طالب علم؛ بلکہ اُستاذ کے لئے ضروری ہے کہ سبق میں حاضر ہونے سے پہلے کم از کم اتنی مقدار سبق کا مطالعہ ضرور کر لیا کرے، جتنا اُس دن سبق ہونے کا اندازہ ہو۔

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ کے لئے مطالعہ کس قدر ضروری ہے؟ اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب میں فقہ حنفی کے درس کے پہلے سال میں تھا، تو ہمارے محبوب اُستاذ، العالم الفقیہ، فضیلۃ الشیخ مصطفیٰ مزرابؒ نے ایک طالب علم کے بارے میں محسوس کیا کہ وہ پیشگی مطالعہ کے بغیر درس میں حاضر ہوتا ہے، تو آپ نے اُسے بڑے پیار اور نرمی سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ "پیارے بچو! ہمارے اُستاذ شیخ ابراہیم الترمانینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جامعہ اَزہر میں بہت سے علوم کی تعلیم حاصل کی، جن میں سے چھبیس علوم تو مجھے بالکل از بر تھے؛ لیکن اِس کے باوجود میں کبھی بھی مطالعہ کے بغیر درس میں حاضر نہیں ہوا"۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۵)

(بلاشبہ استعداد سازی کے لئے سبق کا پیشگی مطالعہ اور بعد میں تکرار ضروری ہے، اِس کے بغیر مباحث ذہن نشیں نہیں ہو پاتے، اِس لئے طلبہ کو اِس کا ضرور اہتمام رکھنا چاہئے) (مرتب)

طالب علم کے لئے تکرار کی اہمیت

اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ طالب علم کے لئے سبق میں حاضری اور اُستاذ کے سامنے عبارت پڑھنے سے قبل اُس کا مطالعہ کرنا اَز حد ضروری ہے۔ اِس بارے میں سلف صالحین سے بہت سے آثار و اَقوال منقول ہیں:

الف:- علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''اَلسَّبَقُ حَرْفٌ وَالتَّکْرَارُ أَلْفٌ'' (یعنی سبق کی مقدار اگر چہ کم ہو؛ لیکن درس میں حاضری سے قبل اُس کا تکرار ہزار بار ہونا چاہئے)

ب:- اِسی ضمن میں آپ نے فرمایا کہ ''ذہن میں سبق اچھی طرح محفوظ ہونے کے لئے مناسب ہے کہ طالب علم تکرار کی ایک تعداد مقرر کر لے؛ کیوں کہ عام طور پر بار بار دہرائے بغیر بات ذہن میں راسخ نہیں ہوتی''۔

ج:- علامہ ابواسحٰق شیرازیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ اُنہیں ''باقلا'' کے شوربے والا ''ثرید'' بہت پسند تھا؛ لیکن مسلسل سبق کی مشغولی اور عبارت خوانی کے شوق کی وجہ سے آپ کو وہ ''ثرید'' کھانے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ آپ خود فرماتے تھے کہ ''میں سبق کے ہر حصہ کو ایک ہزار مرتبہ دوہرایا کرتا تھا، اور اگر کسی معاملے میں کوئی شعر دلیل میں پیش کیا جاتا تو میں صرف ایک شعر کے بجائے پورا قصیدہ ہی یاد کرلیا کرتا تھا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۵-۲۵۶)

تکرار کا بے مثال معمول

علامہ سبکیؒ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں لکھا ہے کہ علامہ ابوالحسن الکیا ہراسیؒ جب نیشاپور کے ''مدرسہ سرہنگ'' میں زیرِ تعلیم تھے، تو وہاں ایک چشمہ نما نہر تھی، جس میں اُترنے کے لئے سیڑھی کے ۷۰/درجات تھے، تو جب سبق ختم ہوجاتا، تو موصوف اُس نہر میں اُترتے، اور سیڑھی کے ہر درجہ میں ایک مرتبہ سبق دوہراتے تھے، اور چڑھتے ہوئے بھی ایسا ہی کرتے تھے''۔ (اِس طرح اُترتے چڑھتے ہوئے ۱۴۰/مرتبہ تکرار ہوجاتا تھا)

اور بعض کتابوں میں ہے کہ ہر درجہ پر ۷/مرتبہ سبق دوہراتے تھے، تو اِس حساب سے تکرار کی تعداد ۴۹۰/مرتبہ ہوجاتی ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۷)

فقہ حنفی میں ضرب المثل

علامہ ابن الجوزیؒ نے مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوالفضل بکر بن محمد الزرنجریؒ کے حالات بیان

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن سے ایک مرتبہ کوئی فقہی مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ''میں نے بخاریٰ کے ایک قلعہ کے برج میں ایک رات یہ مسئلہ چار سو مرتبہ دوہرا کر یاد کیا ہے''۔ اُن کی اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ اُن کے دور میں فقہ حنفی کے مسائل یاد کرنے میں اُن کا نام ضرب المثل ہوگیا تھا، جب بھی دورانِ درس اُن سے کوئی طالب علم کوئی فقہی سوال کرتا تو آپ کسی تکلف اور کتاب کی طرف مراجعت کے بغیر فوراً جواب دے دیا کرتے تھے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۷-۲۵۸)

کتابوں کے تکرار کے محیر العقول واقعات

○ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے حوالے سے مالکیہ کے بڑے عالم امام ابوبکر الابہریؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنہوں نے ابن عبدالحکم کی ''المختصر'' ۵۰۰ر سو مرتبہ پڑھی۔ اور ''الاسدیہ'' ۷۵ر مرتبہ، اور ''المؤطا'' ۴۵ر مرتبہ، اور ''مختصر البرقی'' ۷۰ر مرتبہ اور ''مبسوط'' ۳۰ر مرتبہ پڑھی ہے۔

○ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُستاذ محترم الامام الحافظ الناقد غالب بن عبدالرحمٰن ابن عطیہ الغرناطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ آں موصوف نے اپنی ۷۷ر سالہ زندگی میں ۷ر سو مرتبہ مکمل بخاری شریف پڑھی تھی، اِس حساب سے گویا کہ اُنہوں نے ۶۰ر سال تک ہر مہینے میں ایک مرتبہ بخاری شریف کا ختم فرمایا۔

○ اور علامہ محمد بن علی بن علوی خرد التریمیؒ (المتوفی ۹۶۰ھ) نے اپنی کتاب ''غرر البہاء الضوی'' میں نوی صدی ہجری کے معروف عالم: علامہ محقق العصر فضل بن عبداللہ بن ابی فضل العلوی التریمیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''آپ نے ایک ہزار مرتبہ بخاری شریف کا مکمل ختم فرمایا تھا''۔ اور بقول مصنف تاریخ میں آپ کے علاوہ کسی کے بارے میں اتنی مرتبہ بخاری شریف پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

○ اور علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''المنہاج السوی'' میں حضرت امام نووی (شارح مسلم)

کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت امام نوویؒ نے اپنی بعض تالیفات میں امام غزالیؒ کی کتاب ''الوسیط'' سے کوئی عبارت نقل کی، تو بعض لوگ اس عبارت کے بارے میں آپ سے بحث کرنے لگے، تو آپ نے فرمایا کہ ''آپ لوگ مجھ سے بحث کر رہے ہیں، حالاں کہ میں نے اِس کتاب ''الوسیط'' کا مکمل ۴رسو مرتبہ مطالعہ کر رکھا ہے''۔

اِن تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین نہ صرف درس کا تکرار کرتے تھے؛ بلکہ دیگر کتابوں کا بھی بار بار مطالعہ کرتے تھے؛ تا کہ کتابیں اچھی طرح یاد ہو جائیں۔ اِس عمل کی وجہ سے اُن کے لئے بعد میں تدریس اور تصنیف کا عمل آسان ہو جاتا تھا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۵۸-۲۵۹)

تکرار کتنی مرتبہ؟

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''مناسب ہے کہ تازہ سبق کو ۵ر مرتبہ دوہرائیں، اور گذشتہ سبق کو ۴ر مرتبہ، اور اس سے پہلے کے سبق کو ۳ر مرتبہ، اور اس سے قبل والے کو ۲ر مرتبہ دوہرایا کریں''۔ اِس سے یاد رکھنے اور سمجھنے میں مدد ملے گی۔ (معالم اِرشادیہ ۲۶۰)

بالجہر تکرار کے فائدے

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''طالب علم کو چاہئے کہ چپکے چپکے بلا آواز سبق کے تکرار کی عادت نہ ڈالے؛ بلکہ متوسط آواز سے تکرار کا معمول بنائے؛ کیوں کہ درس و تکرار میں جوش اور نشاط کی ضرورت ہوتی ہے''۔ (اور اس کے لئے آواز مناسب ہے) البتہ اتنی بلند آواز نہ ہو کہ جلدی تھک کر بیٹھ جائے؛ بلکہ میانہ روی کا خیال رکھا جائے۔

علامہ ابو ہلال العسکریؒ فرماتے ہیں کہ ''طالب علم کو کم از کم اتنی آواز سے پڑھنا چاہئے کہ وہ خود سن سکے؛ کیوں کہ کان سے سنی ہوئی بات دل میں زیادہ راسخ ہوتی ہے''۔

اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ میں نے بعض نبطی دیہاتوں میں ایک جوان کو دیکھا، جس کی گفتگو بہت صاف اور فصیح تھی، تو میں نے تعجب کے ساتھ اُس کی فصاحتِ لسانی کی وجہ

پوچھی (حالاں کہ اُس قبیلے کے اکثر لوگوں کی زبان موٹی ہوتی ہے) تو اس جوان نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ''میں ہر دن امام لغت و بلاغت علامہ جاحظؒ کی کتاب کے ۵۰/صفحات بلند آواز سے پڑھا کرتا تھا، تو کچھ ہی دنوں میں مجھے وہ مہارت حاصل ہوگئی، جو آپ دیکھ رہے ہیں''۔

اور امام الشافعیہ علامہ ابوالحامد الاسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے: ''إِذَا دَرَسْتُمْ فَارْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَإِنَّهُ أَثْبَتُ لِلْحِفْظِ وَأَذْهَبُ لِلنَّوْمِ'' (جب تم پڑھو تو اپنی آواز بلند رکھو؛ کیوں کہ اِس سے یاد کرنے میں سہولت ہوگی، اور نیند کو دور کرنے میں مدد ملے گی) (معالم اِرشادیہ ۲۶۰)

نوٹ:- مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ بہت اہم نصیحت ہے، آواز سے پڑھنے کی الگ تاثیر ہے، ہر آدمی اس کا تجربہ کرسکتا ہے۔

طلبہ کو شیخ محمد عوامہ مدظلہ کی تاکیدی نصیحت

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں طلبہ کو تاکید کرتا ہوں کہ نہ صرف کتابوں کے سبق کا بلند آواز سے تکرار کیا کریں؛ بلکہ قرآنِ کریم کا اپنا یومیہ معمول بھی بالجہر پڑھا کریں، اور ساتھ میں حدیث شریف کی کسی کتاب مثلاً: ''بخاری شریف'' یا ''ریاض الصالحین'' کے کچھ صفحات بھی بالجہر پڑھا کریں۔ اِس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ سنت نبویہ کا استحضار ہوگا، اور ساتھ میں صحیح اور مضبوط قرأت کی عادت بنے گی؛ کیوں کہ اصل مقصود محض قرأت نہیں؛ بلکہ ضبط کے موافق صحیح قرأت اصل مطلوب ہے۔

اور جب زبان صحیح پڑھنے کی عادی ہوجائے، تو داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حیاۃ الصحابہ'' کے چند صفحات بھی روز پڑھ لیا کریں۔ (اِس سے دینی حمیت اور دعوتِ دین کا جذبہ پیدا ہوگا)

نیز معروف اِسلامی اَدیب اور مصنف شیخ علی الطنطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابوں کے

مطالعہ کی بھی میں وصیت کرتا ہوں: (۱) رجال من التاریخ (۲) قصص من التاریخ ۔ اِن کتابوں کو پڑھنے سے بیان اور تحریر کا اُسلوب معلوم ہوگا، اور یہ کتابیں نہایت آسان اور فصیح عربی میں لکھی گئی ہیں؛ گویا کہ سہل ممتنع ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۲۶۰-۲۶۱)

استعداد میں پختگی کے لئے ایک اہم تدبیر

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ ''کبھی طالب علم خود اپنی ہمت اور محنت سے ترقی کرتا ہے، اور بعض مرتبہ اُستاذ؛ شاگرد کی محنت کی بدولت علمی ترقی سے بہرہ ور ہوتا ہے (یعنی محنتی طالب علم کو پڑھاتے وقت خود اُستاذ کو زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے) اور اِس کی صورت یہ ہے کہ طالب علم درسی کتاب کے ساتھ ساتھ اُس سے اگلی کتاب کا بھی مطالعہ کر کے درس میں جایا کرے؛ تاکہ اُس کی معلومات کا دائرہ وسیع ہو، اِس کی وجہ سے اُستاذ کی توجہ اُس کی طرف زیادہ مبذول ہوگی، اور وہ اَساتذہ کا منظورِ نظر بن جائے گا، اور مستقبل میں اس کے بے شمار فوائد حاصل ہوں گے''۔

اِس کی تائید میں شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ اپنے اساتذہ کا ایک یادگار واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میرے مشفق اُستاذ فقیہ حنفی علامہ شیخ محمد السلقینی رحمۃ اللہ علیہ جو حلب کے ''مدرسہ خسرویہ شرعیہ'' میں اُستاذ تھے، ایک مرتبہ اُنہیں مختصر وقت کے لئے ایک سفر کی ضرورت پیش آئی، تو آپ نے اپنے عزیز شاگرد، ''حضرۃ الاستاذ شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ'' کو اپنی جگہ درس دینے پر مامور فرمایا؛ چناں چہ شیخ عبدالفتاح حکم کی تعمیل میں سبق پڑھانے لگے، اور طلبہ آپ کے درس سے بہت مانوس ہوئے، اور اُنہیں بہت خوشی ہوئی۔

جب شیخ السلقینی رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لائے، اور مجلس درس میں رونق افروز ہوئے، تو طلبہ نے آپ سے سوال کیا کہ: ''کیا شیخ عبدالفتاحؒ آپ کے شاگرد ہیں؟''

تو حضرۃ الاستاذ فضیلۃ الشیخ السلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تواضع والی عادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا کہ: ''ہاں وہ میرے شاگرد ہیں؛ لیکن اَب میں اُن کے شاگردوں کے درجہ میں

آ گیا ہوں؛ اِس لئے کہ جب وہ طالب علم تھے، تو میں اُنہیں نحو کی کتاب ''الاجرومیہ'' پڑھاتا تھا، جب کہ وہ (اس سے اعلیٰ درجہ کی کتاب) ''مغني اللبيب'' کا مطالعہ کر کے آیا کرتے تھے''۔

یہی وہ صفت ہے جس کی وجہ سے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف علومِ شرعیہ؛ بلکہ علومِ عربیہ میں بھی مرجعیت کا مقام حاصل ہو گیا تھا، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

(معالم اِرشادیہ ۲۶۱-۲۶۲)

بارہویں فصل:

علمی مذاکرہ کی اِفادیت

طالب علم کو چاہئے کہ وہ خود بھی علمی مشغلے میں لگا رہے، ساتھ میں اپنے ساتھیوں، اَساتذۂ کرام اور دیگر حضرات سے بھی علمی مذاکرہ اور گفتگو کا اہتمام رکھے، اور مذاکرہ کا مقصد لڑائی جھگڑا، خود رائی یا عصبیت ہرگز نہ ہو؛ بلکہ مقصد اصلی مسئلہ کی تنقیح وتحقیق ہو، اور اُسلوب اور انداز سنجیدہ ہو۔

ویسے تو علمی مشغلہ انفراداً بھی ہوسکتا ہے، مثلاً: مطالعہ یا تحریر وتالیف؛ لیکن مذاکرہ کے لئے دوسرے کے ساتھ شرکت کی ضرورت ہوتی ہے، اور اِس شرکت کی وجہ سے سمجھنے کی صلاحیت میں اِضافہ ہوتا ہے، معاملے کے مختلف پہلو اور احتمالات اور شبہات وجوابات سامنے آنے سے طبعیت کھل جاتی ہے، جیسا کہ مشائخ کے درمیان یہ جملہ بطور ضرب المثل مشہور ہے: "ذُبِحَ الْعِلْمُ بَيْنَ اثْنَيْنِ" (یعنی جب دو آدمی کسی علمی مسئلے پر کھل کر گفتگو کرتے ہیں، تو مشکل سے مشکل مسائل سلجھ جاتے ہیں) (معالم ارشادیہ ۲۶۳)

علمی مذاکرہ کے تین اہم فائدے

کسی علمی موضوع پر جب آپ مذاکرہ کے لئے تیار ہوں، تو کم از کم تین فائدے آپ کو ضرور حاصل ہوں گے:

الف:- جس موضوع پر آپ دوسرے سے مذاکرہ کریں گے تو اَولاً اُسے یاد کرنے اور ذہن میں راسخ کرنے کی فکر کریں گے۔

ب:- مذاکرہ کی وجہ سے مسئلہ کے مختلف پہلو خود بخود ذہن میں محفوظ ہو جائیں گے۔

ج:- اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اِس کی بدولت آپ کو دیگر لوگوں کے علم سے استفادہ کا موقع ملے گا۔(اور نت نئے پہلو کھل کر سامنے آئیں گے)

ظاہر ہے کہ مذکورہ فائدے کوئی معمولی نہیں ہیں کہ اُن سے پہلو تہی کی جائے۔اِسی لئے اَکابر علماء اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں مذاکرہ کی اہمیت کو اُجاگر فرمایا ہے۔(معالم اِرشادیہ ۲۶۳)

رات بھر علمی مذاکرہ

فضیل بن غزوان فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ علامہ ابن شبرمہ، علامہ مغیرہ بن مقسم الضبی، علامہ حارث العکلی اور علامہ قعقاع بن یزید رحمہم اللہ رات میں علمی مذاکرہ میں مشغول ہوتے؛ تا آں کہ صبح فجر کی اَذان ہو جاتی۔

واضح ہو کہ یہ سب حضرات اپنے دور میں عراق کے مشہور فقہاء میں شمار ہوتے تھے، اور اِن کا نظریہ یہ تھا کہ علمی و فقہی مشغولیت میں لگنا نماز اور عبادت سے بھی افضل مشغلہ ہے، اور پہلے سیدنا حضرت عمر اور سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ وہ حضرات علمی مسئلے کو نماز کی طرح موجب اَجر و ثواب سمجھتے تھے۔(معالم اِرشادیہ ۲۶۴)

مذاکرہ نہ کرنے والا فتویٰ کا اہل نہیں

علامہ برزلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ شیخ ابوالحسن قاسی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ ''جو شخص ''المدونۃ'' (فقہ مالکی کی معتبر کتاب) کو یاد کرلے، تو اُس کے لئے مذہب مالکی پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے؟'' تو آپ نے جواب دیا کہ ''اگر اُس نے اپنے اَساتذہ سے مذاکرہ کیا ہو اور تفقہ حاصل کیا ہو، تو وہ مفتی بننے کا اہل ہے، اور اگر اُس نے مذاکرہ نہ کیا ہو تو وہ فتویٰ نہ دے''۔

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ آپ اِس سے طالب علم کے اَساتذہ کے ساتھ علمی مذاکرہ کی

اہمیت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ مذاکرہ بھی دراصل اُستاذ سے علم براہِ راست حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

پس اِسی سے معلوم ہوگیا کہ آج جو لوگ کسی اُستاذ کے بغیر محض مطالعہ کی بنیاد پر اپنے کو عالم اور مقتدیٰ کہلانا چاہتے ہیں، وہ علمی مقام اور فہم وفراست سے کس قدر دور ہیں؟ (معالم اِرشادیہ ۲۶۵)

مذاکرے کے بغیر علم باقی نہیں رہتا

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے کہ ''اگر علم کا استعمال اور اُس کا مذاکرہ نہ ہو، تو اُس کی مثال اُس مشک کی طرح ہے جسے برتن میں رکھ کر چھوڑ دیا جائے، تو رفتہ رفتہ اُس کی خوشبو خود بخود اُڑ جاتی ہے۔ یا اُس صاف پانی کی طرح ہے جو لمبی مدت تک کسی جگہ ٹھہرے رہنے کی وجہ سے مشتبہ یا خشک ہوجاتا ہے، یا اُس کنویں کے مانند ہے کہ اگر اُس کے سوت سے پانی لیا جاتا رہے، تو وہ بڑی نہر میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور ایک خلق خدا اُس سے مستفیض ہوتی ہے؛ لیکن اگر اُس سے پانی نکالنا بند کردیا جائے، تو اُس کا نفع کم سے کم ہوجاتا ہے؛ بلکہ کبھی کبھار تو اُس کا پانی بالکل خشک ہوجاتا ہے۔ پس یہی حال علم کا بھی ہے، اگر اُس کا مذاکرہ اور اُس میں مشغول نہ رہے (تو وہ جلد ہی رخصت ہوجاتا ہے) اِس کے برخلاف اگر علمی مذاکرہ اور اُس کی نشر واشاعت جاری رہے، تو وہ جاری نہر کے مانند مسلسل فائدہ کا ذریعہ بنتا ہے، اور وقت کے ساتھ اُس کی گہرائی اور گیرائی میں اِضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت کمی محسوس ہو، تو دوسری جانب سے پھر اِضافہ ہوجاتا ہے، اور مخلوق اس سے برابر فائدہ اُٹھاتی رہتی ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۶۶)

علمی بحث ومباحثہ کے اہم آداب

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ مذاکرہ کے متعلق اہم نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''طالب علم کو علمی مباحث میں مذاکرہ اور مناظرہ کا ضرور اہتمام کرنا چاہئے؛ لیکن لازم ہے کہ

بحث کرتے وقت انصاف، بردباری اور غور وفکر کو پیش نظر رکھے، شور وشغب اور غصہ سے احتراز کرے؛ اِس لئے کہ مذاکرہ دراصل محض ایک مشورہ کے درجہ میں ہے، اور مشورہ کا مقصد حق اور صواب کا حصول ہوتا ہے، جو صرف انصاف پسندی اور بردباری سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ پس اگر مباحثہ کا مقصد فریق مخالف کو زیر کرنا یا اُسے خاموش کرنا ہو تو اِس کی اجازت نہیں ہے، علمی بحث صرف اور صرف اظہار حق کے لئے ہی ہونی چاہئے'' (معالم اِرشادیہ ۲۶۶)

ضدی شخص سے مذاکرہ مفید نہیں ہے

اِس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مطالعہ اور تکرار کے مقابلے میں مذاکرہ کا فائدہ کہیں زیادہ ہے؛ لیکن علماء سے منقول ہے کہ: ''کسی ضدی اور بدخُلق شخص سے مذاکرہ ومباحثہ نہ کیا جائے؛ اِس لئے کہ آدمی کی طبعیت اثرات قبول کرنے والی واقع ہوئی ہے، اور ماحول اور صحبت سے آدمی کے اَخلاق بھی متاثر ہو جاتے ہیں''۔ (اِس لئے ایسے بدخُلق لوگوں سے دور ہی رہنا بہتر ہے) (معالم اِرشادیہ ۲۶۶)

سمجھدار شخص کے ساتھ علمی مباحثہ کی اہمیت

محدثِ کبیر اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث کی تحصیل کے طرق بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں کہ ''علم سے مراد یہ ہے کہ متونِ حدیث اور راویانِ حدیث کی سندوں کے بارے میں غور وفکر اور تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا جائے، پھر اپنی کاپیوں میں جو نوٹ کرے اُس کا مطالعہ کرتا رہے، اور جو علوم یاد کرلئے ہیں، اُن کا مذاکرہ ایسے شخص کے ساتھ جاری رکھے جو خود علمی مشغلے میں لگا ہوا ہو، خواہ وہ شخص اُس کے ہم پلہ ہو، یا بلند ہو یا کم رتبہ ہو؛ اِس لئے کہ مذاکرہ سے علم ذہن میں محفوظ ہو جاتا ہے، اور جتنا زیادہ مذاکرہ ہوگا اُتنا ہی علم منقح ہوگا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ اور تھوڑی دیر کسی ماہر شخص کے ساتھ علمی مذاکرہ کا فائدہ کئی دنوں تک مسلسل مطالعہ یاد کرنے سے زیادہ اَہمیت رکھتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ مذاکرہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے، اور

اِس سے استفادہ یا اِفادہ ہی مقصود ہونا چاہئے، اور اِس کے ذریعہ سے سامنے والے پر دل سے یا زبان سے برتری کا اظہار ہرگز نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ نرم انداز سے سنجیدہ گفتگو ہونی چاہئے، اگر ایسا ہوگا تو علم میں بڑھوتری ہوگی اور اُس کی یادداشت نکھرے گی‘‘۔

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ جب ماہر شخص کے ساتھ کچھ دیر کے مذاکرے کا یہ فائدہ ہے، تو اندازہ لگائیے کہ جو طالب علم کسی اُستاذ سے براہِ راست استفادہ کرے؛ بلکہ اُس کے ساتھ سالوں سال گذارے تو اُسے کتنا نفع ہوگا۔ اِس کے برخلاف جو صرف ڈگری لے کر عالم بن جائے یا اپنے کو علم کے لئے اہل سمجھنے لگے، اُس کو علمی گیرائی اور تحقیق وجستجو سے کوئی حصہ کیسے نصیب ہوسکتا ہے؟ (معالم اِرشادیہ ۲۶۸-۲۶۹)

تیرہویں فصل:

ضرورت کے وقت علمی سوال کا اہتمام

طالب علم کے لئے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اُسے جو بات معلوم نہ ہو یا جو بحث اُس کی سمجھ میں نہ آئے، اُس کے متعلق وہ (اہلیت رکھنے والے علماء سے) سوال کرنے میں دریغ نہ کرے۔ مشہور ہے کہ حبر الامت مفسر قرآن سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ''آپ کو یہ علمی مقام ومرتبہ کیسے حاصل ہوا؟'' تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''بِلِسَانٍ مَسْئُوْلٍ وَقَلْبٍ عَقُوْلٍ'' (یعنی مجھے یہ مرتبہ اِس لئے ملا کہ میرے پاس ضروری سوال کرنے والی زبان اور عقل رکھنے والا دل تھا) (گویا کہ میں سمجھ کر سوال کرنے کا اہتمام کیا کرتا تھا)

اِسی طرح کا جواب دغفل بن حنظلہ شیبانیؒ سے بھی منقول ہے کہ جب اُن سے امیر المؤمنین سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مختلف علوم کے متعلق سوالات کئے، اور اُنہوں نے سب سوالوں کے جوابات بے تکلف دے دئے، تو حضرت معاویہؓ نے اُن سے پوچھا کہ: ''مِنْ أَيْنَ حَفِظْتَ هٰذَا؟ تو اُنہوں نے جواب دیا: ''حَفِظْتُ هٰذَا بِقَلْبٍ عَقُوْلٍ وَلِسَانٍ سَئُوْلٍ، وَإِنَّ غَائِلَةَ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ'' (یعنی میں نے یہ سارے علوم سمجھ دار دل اور سوال کرنے والی زبان کے ذریعہ حاصل کئے ہیں، اور علم کی بڑی آفت نسیان یعنی بھول جانا ہے)

اور یہ اِس وجہ سے ہے کہ علم کی حیثیت خزانے کی ہے، اور سوال اِس خزانے کی چابی کے درجہ میں ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ اُس چابی کا خوب صورتی سے استعمال کیا جائے۔

وہب بن منبہ، سلیمان بن یسار اور میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ: ''حُسْنُ الْمَسْأَلَةِ نِصْفُ الْعِلْمِ'' (یعنی اچھے انداز سے سوال کرنا آدھا علم ہے)

علامہ زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب اور نادر بات لکھی ہے کہ بعض سلف سے منقول ہے کہ اُنہوں نے کثرتِ سوال کی وجہ سے بعض طلبہ کا لقب ہی ''مَا تَقُوْلُ'' رکھ دیا تھا۔ (گویا ہر وقت اُس کی زبان پر کوئی نہ کوئی سوال رہتا تھا) (معالم اِرشادیہ ۲۷۰-۲۷۱)

شبہ والے سوالات کا حل ہونا ضروری ہے

سوالات کئی طرح کے ہوتے ہیں، مثلاً نامعلوم بات کے متعلق سوال، یا کسی مجمل یا مغلق عبارت کے متعلق سوال، اِن کا جواب تو اپنی جگہ؛ لیکن کبھی طالب علم کے سامنے ایسے سوالات آتے ہیں جو دل میں شبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اور شبہ کی تعریف یہ ہے کہ ایسی دلیل سامنے آنا جس کی مراد واضح نہ ہو؛ کیوں کہ اُس کی وجہ سے حق وباطل میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور صحیح اور غلط میں امتیاز مشکل ہوتا ہے، تو اِس طرح کے سوالات سے پہلوتہی ہرگز روا نہیں۔ طالبِ علم کو چاہئے کہ جب اُس کے سامنے ایسے سوالات آئیں تو وہ فوراً اپنے معتبر اور معتمد علیہ اساتذہ اور علماء کی طرف رجوع کرے اور اُس شبہ کو حل کرائے، اور اُستاذ اور مربی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شفقت کے ساتھ طالب علم کے سوال کا اِس طرح جواب دے کہ اُس کا دل شبہ سے بالکل پاک ہو جائے، اِس بارے میں اُستاذ کو بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اِزالۂ شبہات کی اہمیت بتاتے ہوئے ایک بڑی اہم بات لکھی ہے، جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ: ''میں اپنے اُستاذ گرامی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے سامنے بہت سے اشکالات پیش کیا کرتا تھا، تو ایک دن آپ نے فرمایا کہ اِن اشکالات کے لئے اپنے دل کو اسپنج کی طرح مت بناؤ کہ یہ سب شبہات دل میں جذب ہوتے رہیں؛ بلکہ دل کو ایسی بوتل کی طرح رکھو جس پر مضبوط ڈھکن لگا ہوا ہو کہ یہ شبہات اوپر اوپر سے گذر جائیں، اور دل میں راسخ نہ ہوں کہ شیشہ کے اوپر سے شبہات نظر آئیں، مگر اس کی مضبوطی کی وجہ سے اندر نہ جاسکیں، ورنہ اگر یہ شبہات دل میں جذب ہو گئے تو تمہارا دل شبہات کا مرکز بن جائے گا''۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت الاستاذؒ کی اِس نصیحت سے اتنا فائدہ ہوا جس کو میں بیان نہیں کرسکتا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۷۳)

(مرتب عرض کرتا ہے کہ یہ بہت اہم ہدایت ہے، شبہات کو دل میں پنپنے کا ہرگز موقع نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ اپنے بڑوں سے رجوع کرکے شبہات کو جلد از جلد حل کرانا چاہئے، ورنہ فکری گمراہی کا بہت اندیشہ رہتا ہے) (مرتب) وَاللّٰہُ ھُوَ الْھَادِيْ إِلیٰ سَوَاءِ السَّبِیْلِ۔

طالبِ علم کی تربیت میں اُستاذ کا کردار

پہلی فصل:

مشفق و مربی اُستاذ کا کردار

علماء ربانیین کا یہ مقولہ مشہور ہے: "اَلْفَاسِقُ ضَالَّةُ کُلِّ دَاعِیَةٍ إِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی" (یعنی بدعمل شخص ہر داعی الی اللہ کے لئے ایک گم شدہ سامان کی حیثیت رکھتا ہے، کہ جہاں بھی کوئی بدکار شخص ملے، اُسے سیدھا راستہ دکھانے کی محنت کی جائے) اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک عالم اور معلّم کے لئے اَن پڑھ اور جاہل شخص بھی "گم شدہ متاع" کی حیثیت رکھتا ہے۔

لٰہذا معلّم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اَن پڑھوں کو تلاش کر کے اُنہیں علم سے آراستہ کرنے کی کوشش کرے، خاص کر جب کہ کوئی جاہل شخص خود طالب بن کر آئے اور عالم کی حیثیت ایک مطلوب کی ہو، تو ایسی صورت میں عالم پر لازم ہے کہ وہ ایسے طالب علم کا دل کی گہرائی، وسعتِ قلبی، نرمی اور شفقت کے ساتھ استقبال کرے، اور اُس پر اپنا وقت بھی لگائے، اور اُسے علم سے بھی نوازے۔

چناں چہ سراج الامت حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خصوصی شاگرد حضرت امام ابو یوسفؒ کو خاص نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: "وَاَقْبِلْ عَلٰی مُتَفَقِّهِکَ کَأَنَّکَ اتَّخَذْتَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ اِبْنًا وَوَلَدًا لِتَزِیْدَهُمْ رَغْبَةٌ فِي الْعِلْمِ" (یعنی اپنے پاس پڑھنے کے لئے آنے والوں پر ایسے متوجہ ہوا کرو، گویا کہ تم نے اُن میں سے ہر ایک کو اپنا بیٹا بنالیا ہے؛ تاکہ اُن کے اندر علم کی رغبت میں اِضافہ ہو سکے) (معالم اِرشادیہ ۲۷۴)

طالب علم اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے

عالم کو چاہئے کہ جب اُس کی نظر کسی طالب علم پر پڑے تو اُسے - اِس علم بیزاری کے دور

میں-اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے، جسے اللہ تعالیٰ نے اُس کے پاس بھیجا ہے؛ تا کہ وہ عالم اُس طالب علم کو وہ علمی و دنیوی وراثت منتقل کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمائی، اور جو قرناً بعد قرنٍ دورِ نبوت سے منتقل ہوتی آ رہی ہے۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا بَقِيَ الْأَوَّلُ حَتّٰى يَتَعَلَّمَ مِنْهُ الآخِرُ'' (یعنی اُس وقت تک لوگ خیر میں رہیں گے جب تک کہ بعد کے لوگ پہلے لوگوں سے علم سیکھنے کا سلسلہ جاری رکھیں گے)

اور جیسے بھی حالات ہوں، یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۲۷۴-۲۷۵)

اُستاذ کے لئے طالب علم سب سے بڑا سرمایہ ہے

علامہ ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''نیک اور باصلاحیت طالب علم اُستاذ کے لئے دنیا و آخرت کے اعتبار سے سب سے بڑا سرمایہ ہے، ایسا طالب علم اُستاذ کی نظر میں سب سے زیادہ قابلِ قدر اور اُس کے اہل خانہ سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اِسی بنا پر خیر خواہی رکھنے والے علماءِ سلف ایسے طالب علم کو اپنی شاگردی میں لانے کے لئے پوری کوشش کیا کرتے تھے؛ تا کہ اُمت اس طالب علم سے زندگی میں اور وفات کے بعد فیض یاب ہو سکے؛ حتیٰ کہ اگر کسی اُستاذ کو صرف ایک ایسا طالب علم مل جائے جو نفع رسانی میں روشن کردار رکھنے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی ایک طالب علم اُستاذ کے رفعِ درجات کے لئے کافی ہوگا؛ اِس لئے کہ اُس طالب علم کے ذریعہ اُستاذ کا جو بھی علم اُمت تک پہنچے گا، تو اپنے حصہ کے مطابق اُستاذ کو ضرور اَجر وثواب ملے گا''۔ (اِن شاء اللہ تعالیٰ) (معالم اِرشادیہ ۲۷۵)

(مترجم عرض کرتا ہے کہ آج ہمارے سامنے اَئمہ کرام اور اکابرِ عظام کے جو علوم موجود ہیں، یہ سب اُن کے قابل اور باصلاحیت تلامذہ کی محنتوں کا ثمرہ ہے، اور بلاشبہ اچھے تلامذہ اپنے اَساتذہ کے لئے اجر وثواب میں اِضافے اور رفعِ درجات کا بڑا سبب بنتے ہیں۔ مرتب)

طالب علم کی طرف پوری توجہ

لٰہذا جب کسی اُستاذ کو ایسا باکمال شاگرد نصیب ہو جائے تو اُس کی قدر کرتے ہوئے اُسے طالب علم کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا چاہئے، جیسا حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا تھا۔ علامہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ''اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے میری غرض کی تکمیل کے لئے گویا کہ اپنے آپ کو بالکل فارغ کرلیا، اور میرے لئے رہنے کی جگہ کا انتظام کیا، اور مجھے ہر وقت حاضری کی اِجازت مرحمت فرمائی۔ چناں چہ میں صبح وشام اور سہ پہر اور دو پہر جب موقع ملتا، حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوتا؛ حالاں کہ آپ اپنے گھریلو کپڑوں میں تشریف فرما رہتے تھے''۔ گویا کہ ایسی بے تکلفی اور وسعت ظرفی تھی کہ کسی بھی حال میں طالب علم کا آنا حضرت کو ناگوار نہ گذرتا تھا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۷۵)

(بلاشبہ اُستاذ کی ایسی خاص توجہ طالب علم کو کندن بنادیتی ہے) (مرتب)

اُستاذِ کامل تدریس کے وقت کیا تصور کرے؟

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ اور معلم کے متعلق جو باتیں سلف سے منقول ہیں، اُن سب کا خلاصہ یہ دو باتیں ہیں:

(۱) اُستاذ دل میں یہ احساس کرے کہ وہ دراصل معلم اِنسانیت سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دے رہا ہے۔

(۲) دوسرے وہ یہ تصور کرے کہ وہ طالب علم کے ایک نہایت مہربان اور خیر خواہ باپ کے درجہ میں ہے۔ پس جس طرح ایک باپ اپنی اَولاد پر توجہ دیتا ہے، اور اُن کی تربیت کا خواہاں رہتا ہے، یہی کردار طالب علم کے ساتھ اُستاذ کا ہونا چاہئے۔

جو اُستاذ مذکورہ دونوں باتوں کا خیال رکھے گا، وہی ''معلم مربی'' کہلائے جانے کے

لائق ہے، جو علمی اور روحانی تعلیم وتربیت میں اُس کا قائد اور بغیر ہتھیار کے طالب علموں کے دلوں پر حکومت کرنے والا ہے۔ (معالم ارشادیہ ۲۷۶)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ایک رہنما تحریر

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آج سے پچاس سال پہلے معروف اِسلامی مفکر اور عالم ربانی ہمارے شیخ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الندویؒ نے ''اِسلامی ممالک میں علم ومعرفت کا ماحول کیسے بنایا جائے''؟ کے موضوع پر عربی میں ایک محاضرہ پیش کیا تھا، جو بعد میں سعودی عرب کے دارالافتاء سے شائع ہوا، اُس مقالے کے اخیر میں اَساتذہ کے انتخاب اور تقرر پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا موصوف نے لکھا تھا کہ: ''اَساتذہ کا انتخاب کوئی آسان اور معمولی مسئلہ نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں؛ اِس لئے کہ اُستاذ کے تقرر میں محض علمی، تعلیمی صلاحیت اور تعلیمی ڈگریاں ہی نہیں دیکھی جاتیں؛ بلکہ اَولین طور پر اَساتذہ کے کردار، اَخلاق، اِیمان، عقیدہ اور دیگر بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا لازم ہے۔

ضروری ہے کہ معلّم کے رگ وریشے اور اُس کے افکار واحساسات پر صحیح عقیدہ چھایا ہو، اُسے ایمانِ کامل کی دولت نصیب ہو، ہر طرح کے شکوک وشبہات سے اُس کا دل پاک ہو، عقیدے کی قوت وپختگی نے اُسے ایسا داعی بنا دیا ہو، جو نہ کبھی تھکتا ہو اور نہ اُکتاتا ہو۔

یہ اُس معلم کا نمونہ ہے جس سے نظام تعلیم سنورتا اور بہتر ہوتا ہے، ایسا معلم اپنے مشن کو نہایت آسانی اور کامیابی سے انجام دیتا ہے۔

میری نظر میں تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے اَثرات قوم کی زندگی اور اُس کے مستقبل پر بہت گہرے پڑتے ہیں، یہ وہ اَمانت ہے جو سب سے اہم اور سب سے زیادہ احساسِ ذمہ داری کی متقاضی ہے، تعلیم کے باب کی ایک لغزش پوری قوم کو تباہی کی کھائی میں ڈھکیل سکتی ہے، اور اُسے اَخلاق، معاشرت، سیاست اور تعلیم کے اعتبار سے ضعف واِنحطاط اور انتشار؛ حتیٰ کہ اِلحاد اور لادینی میں مبتلا کرسکتی ہے۔

دوسری طرف صحیح تعلیم تن تنہا عقلوں کی صحیح رہنمائی، قوموں کی نشأ ۃ ثانیہ اور اُن کے لئے اچھے مستقبل کی تعمیر کا فریضہ انجام دے سکتی ہے۔

لہٰذا (تعلیم کو صحیح رخ پر آگے بڑھانا) ایک قابل فخر ذمہ داری ہے، جس سے راہِ فرار اختیار کرنا کوئی شرف اور مردانگی نہیں؛ بلکہ عالی ہمتی کا تقاضا یہ ہے کہ اُمت نے جو ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر ڈالی ہے، اُس کو اُٹھا کر اُمت کی تعمیر و ترقی میں بڑے سے بڑا حصہ لیا جائے؛ بلکہ اُس سے آگے بڑھ کر ایسی ترقی کی بنیاد ڈالی جائے، جس پر معاشرہ کی تعمیر ہو سکے۔

معلم اپنے اِسی مقام، اِسی تاثیر اور اِسی اہم ذمہ داری کی وجہ سے حکام کی طرح اُنہیں کے شانہ بشانہ "أُولُوا الْأَمرِ" کی تفسیر میں شامل رہے ہیں، جن کی اطاعت کا اللہ نے حکم دیا ہے، اِرشاد ہے: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء، جزء آیت: ۵۹] (اے ایمان والو! اللہ کی اِطاعت کرو، اور اُس کے رسول کی اِطاعت کرو، اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں اُن کی بھی)

پس "أُوْلُوا الْأَمْرِ" یعنی صاحبانِ اختیار سے جس طرح اربابِ اقتدار مراد ہیں، اِسی طرح علماء بھی مراد ہیں، علماء زبان و قلم سے اپنا کردار اَدا کرتے ہیں اور حکمراں حضرات سیف و سنان سے، اور ضرورت دونوں ہی کی ہے"۔ (ترجمہ از: مولانا مفتی محمد اجمل صاحب اُستاذ ادب مدرسہ شاہی مرادآباد) (معالم اِرشادیہ ۲۷۶-۲۷۷)

اُستاذ کی دو اہم ذمہ داریاں

اُستاذ کو خاص طور پر دو باتوں کا بہت اہتمام کرنا چاہیئے:

(۱) طلبہ کو تعلیم دینے میں اخلاص ہو اور طلبہ کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہو۔

(۲) تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہو اور علم و عمل میں مطابقت پر پوری توجہ دی جائے۔

(معالم اِرشادیہ ۲۷۸)

وارثِ نبی ہونے کی حیثیت سے عالم کی ذمہ داری

علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے حدیث: ''إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ'' الخ. (سنن أبي داؤد) (یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی وراثت میں روپیہ پیسہ نہیں چھوڑتے؛ بلکہ اُنہوں نے علم نبوی کو وراثت میں چھوڑا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا ہے کہ اِس حدیث میں خاص طور پر دو باتوں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے:

(۱) وہ عالم جس نے علم دین سیکھ کر پیغمبر علیہ السلام کی وراثت حاصل کی ہے، اور وہ بفضلہٖ تعالیٰ رسول کا وارث بنا ہے، تو اُسے چاہئے کہ وہ بھی اپنے پیچھے اسی طرح علم چھوڑ کر جائے، جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام علم چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور اِس کی صورت یہی ہوگی کہ یہ عالم یا تو لوگوں کو تعلیم دے یا تصنیف وغیرہ چھوڑ کر جائے، جس سے لوگ بعد میں فائدہ اُٹھاتے رہیں۔ چناں چہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اِنسان جب مرجاتا ہے تو اُس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین کاموں کا ثواب بعد میں بھی جاری رہتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) اَولاد صالح؛ جو اُس کے لئے دعا کرتی رہے۔

پس جو عالم ایسے طلبہ کو پڑھائے جو اُس کے بعد بھی پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھیں، تو گویا کہ وہ علم نافع کی وراثت چھوڑ کر جانے والا ہوگا۔ مزید یہ کہ اُس کے حق میں صدقہ جاریہ بھی ہوگا، اِس لئے تعلیم دینا بجائے خود صدقہ ہے، اور اُس نے جن طلبہ کو پڑھایا وہ اُس کی اَولاد کے درجہ میں ہوں گے۔ تو خلاصہ یہ کہ وہ عالم مذکورہ حدیث کی تینوں باتوں کا مستحق اور مصداق بن جائے گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ عالم کے کامل وارثِ رسول ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بعد زیادہ مال ومتاع چھوڑ کر جانے کی فکر نہ کرے، جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے اپنے بعد وراثت میں مال ومتاع نہیں چھوڑا؛ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اقتداء کی علامت یہ ہے کہ آدمی دنیا سے

بے رغبت رہے، اور زہد و استغناء کے ساتھ زندگی گذارے، اور بقدر کفایت دنیا پر اکتفاء کرے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۷۸-۲۷۹)

قول وفعل میں موافقت کی فکر

ایک مقتداء عالم دین کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ اپنے اَقوال واَفعال میں مطابقت کے بارے میں فکرمند رہے، اور مسلسل اپنا محاسبہ کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ - جو عالم الغیب والشہادہ ہے- سے ڈرتا رہے۔

اِس سلسلے میں یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسے علامہ ابن ابی شیبہؒ نے نقل کیا ہے کہ میمون بن شبیبؒ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ میں ایک کتاب لکھ رہا تھا، تو ایک مرحلہ ایسا آیا کہ اگر میں ایک جھوٹی بات کتاب میں لکھ دیتا تو کتاب کی ظاہری زینت بڑھ جاتی، اور اگر میں اُسے نہ لکھتا تو ایک طرح کی کمی رہ جاتی؛ حالاں کہ سچائی کا تقاضا یہی تھا کہ اُس بات کو نہ لکھا جائے، تو میں کافی دیر تک شش وپنج میں رہا کہ لکھوں یا نہ لکھوں؟ بالآخر میں نے ہمت کرکے جھوٹی بات نہ لکھنے کا عزم کرلیا، تو اُسی وقت کمرے میں قبلے کی طرف سے غیبی آواز آئی کہ کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ [إبراهيم، جزء آيت: ٢٧] (یعنی اللہ تعالیٰ اِیمان والوں کو سچی بات پر جمادیتے ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) (معالم اِرشادیہ ۲۷۹-۲۸۰)

صاحب ''ہدایہ'' کی مقبولیت کا راز

علامہ ''اکمل البابرتی رحمۃ اللہ علیہ'' نے ''عنایہ شرح ہدایہ'' کے مقدمہ میں اور ''علامہ عینیؒ'' نے ''بنایہ شرح ہدایہ'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ (علامہ ابوبکر المرغینانی) نے ۱۳ سال میں فقہ کی مشہور اور عدیم المثال کتاب ''ہدایہ'' کی تصنیف فرمائی، اور اِس پورے عرصے میں آپ نے روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا، اور اخفاء کا حال یہ تھا کہ آپ اپنے روزے کو

دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیتے تھے؛ حتیٰ کہ خادم جب کھانا لاتا تو اُس سے کہتے کہ رکھ کر چلے جاؤ اور بعد میں وہ کھانا کسی طالب علم یا ضرورت مند کو کھلا دیتے تھے۔ آپ کی اِسی زاہدانہ اور ورع وتقویٰ والی زندگی کا اثر تھا کہ آپ کی کتاب کو علماء کے طبقے میں بے مثال مقبولیت حاصل ہوئی۔ (فالحمد للہ علیٰ ذلک) (معالم اِرشادیہ ۲۸۰)

دورانِ درس اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ

اُستاذ کو دورانِ درس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، جیسا کہ مشہور عالم ربانی، حضرت امام مالکؒ کے شاگرد اور جانشین علامہ عبدالرحمٰن بن القاسم العتکیؒ کے بارے میں ''ترتیب المدارک'' میں لکھا ہے کہ: ''موصوف پورے درس کے دوران نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائے رکھتے اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی توفیق اور غلطیوں سے حفاظت کے طالب رہتے تھے، یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ تعلیم وتدریس میں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۰)

مدرس اپنے کو محض ملازم نہ سمجھے

علم دین پڑھانے والا اُستاذ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ تعلیم وتدریس اُس کے لئے دیگر ذرائع کی طرح کا محض ایک ذریعہ معاش ہے؛ بلکہ اُسے عبادت سمجھتے ہوئے تعلیمی خدمات انجام دینی چاہئے۔ حضرت الامام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ علوم نبوت کی تعلیم وہی اَساس اور بنیاد ہے جس پر پورے دین کی عمارت قائم ہے، اسی کے سبب علم مٹنے سے محفوظ رہتا ہے؛ لہٰذا وہ دین کا اہم ترین معاملہ ہے، اور عظیم ترین عبادت اور فرائض کفایہ میں سب سے زیادہ مؤکد ہے''۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذکورہ دعویٰ پر قرآن وسنت سے متعدد دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۱)

نیابت نبوت کی لاج رکھیں!

تدریس کے وقت اَساتذہ کو چاہئے کہ وہ یہ تصور کریں کہ وہ یہ خدمت گویا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں انجام دے رہے ہیں، اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی شریعت، اُس کا دین اور پیغمبر علیہ السلام کی سنت پہنچا رہے ہیں، اور فتویٰ دیتے وقت گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دستخط کرنے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۱)

اپنے بتائے ہوئے سبق پر عمل

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے کو طلبہ کے لئے رہبر اور رہنما سمجھتے ہوئے اُس کا ضرور جائزہ لیتا رہے کہ وہ طلبہ کو جو جائز و ناجائز کے بارے میں پڑھا رہا ہے، آیا خود اُس کی زندگی قولی اور عملی طور پر اُس کے موافق ہے یا نہیں؟

اور ہمیشہ اُس حدیث کو پیش نظر رکھے جو سیدنا حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: ''ایک آدمی کو قیامت میں لایا جائے گا، پھر اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، تو اُس کے پیٹ کی آنتیں پھٹ پڑیں گی، اور وہ اُن کے اِرد گرد ایسے چکر کاٹے گا جیسے کہ گدھا چکی کے اِرد گرد گھومتا ہے، تو جہنمی لوگ اُس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے کہ: ''اَرے فلانے! تیرا یہ حال کیسا ہے؟ کیا تو ہم لوگوں کو (دنیا میں) اچھی باتوں کا حکم نہ دیتا تھا، اور برائیوں سے نہ روکتا تھا؟ تو وہ کہے گا کہ ہاں! میں تمہیں تو اچھی باتیں بتاتا تھا، مگر خود اُن پر عامل نہ تھا، اور میں تمہیں بری باتوں سے روکتا تھا، مگر خود اُن کا مرتکب ہوتا تھا''۔

(نعوذ باللہ من ذلک) (بخاری شریف حدیث: ۳۲۶۷، مسلم شریف حدیث: ۲۲۹۰، معالم اِرشادیہ ۲۸۱-۲۸۲)

طلبہ کی طرف علم منتقل کرنے کا جنون

اُستاذ کے دل میں طلبہ کی طرف علم منتقل کرنے کا بے حد شوق ہونا چاہئے، جیسا کہ سیدنا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے تھے کہ ''اگر تم میری گدی پر تیز دھار کی تلوار رکھ دو، اور مجھے اُمید ہو کہ گردن کٹنے سے قبل پیغمبر علیہ السلام سے سنی ہوئی کوئی بات میں تمہیں سنا سکتا ہوں، تو میں ضرور سنا دوں گا''۔

اور ابن ابی العوام نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے بعض شاگردوں سے فرمایا کہ: ''اگر میرا بس چلے تو میں اپنا سارا علم تمہارے درمیان تقسیم کر دوں، اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھوں''۔

اور علامہ سنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے جو اُنہوں نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمانؒ سے فرمایا تھا کہ: ''لَوْ أَمْكَنَنِي أَنْ أُطْعِمَكَ الْعِلْمَ لَأَطْعَمْتُكَ'' (یعنی اگر تم کو علم کھلانا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں ضرور علم کھلا دیتا)

اور علامہ اَسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں علامہ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے سفر کے لئے رخصت ہوتے وقت ملاقات کے لئے گیا تو آپ نے یہ نصیحت ضرور فرمائی کہ ''أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْقُرْآنِ وَنَشْرِ هٰذَا الْعِلْمِ'' (یعنی میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، قرآنِ پاک میں اشتغال اور اِس علم کی نشر و اِشاعت میں لگے رہنے کی تاکیدی ہدایت دیتا ہوں) (معالم اِرشادیہ ۲۸۲)

تدریس میں میانہ روی

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کا نفع ہمیشہ پیش نظر رکھے، اور جس قدر زیادہ سے زیادہ علمی مادہ اُن کی طرف منتقل کر سکتا ہو، اُس میں کمی نہ کرے؛ البتہ اِس کا خیال رکھے کہ اُن کی عقل وفہم کے معیار سے زیادہ یا بلند گفتگو اُن کے لئے نقصان دہ ہے، جیسا کہ سطحی گفتگو اُن کی حق تلفی ہے۔ (یعنی ایسا بھی نہ ہو کہ علم کے جوش میں استعداد سے اُوپر کی تقریر اُن کے سامنے کرے اور نہ ایسی لاپرواہی ہو کہ جو ضروری بات ہے اُسے بھی نہ بتایا جائے، یہ دونوں باتیں طالب علم کے لئے مضر ہیں) (مرتب) (معالم اِرشادیہ ۲۸۳)

تفہیم کا بہترین انداز

کامیاب اُستاذ وہ ہے جو اپنے طویل تدریسی تجربہ کی روشنی میں مشکل سے مشکل بحث کو آسان سے آسان کر کے طالب علم کے ذہن نشیں کرانے کی کوشش کرے۔ عموماً یہ بات نئے اُستاذ میں نہیں پائی جاتی؛ بلکہ یہ جلیل القدر اَساتذہ کی خاص پہچان ہے، اِسی لئے اِمام اَعظم حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، آپ فرماتے ہیں کہ: ''جب میں سب سے پہلی مرتبہ اُستاذ معظم حضرت اِمام حماد بن ابی سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہایت بردبار، باوقار، سمجھدار اور سمجھانے کی صلاحیت رکھنے والے اُستاذ ہیں، تو میں نے آپ کی شاگردی لازم پکڑ لی اور جس علم کی بھی مجھے ضرورت تھی وہ سب مجھے حضرت الاستاذؒ کے ذریعہ حاصل ہوگیا؛ یہاں تک کہ ایک دن حضرت نے مجھ سے فرمایا: ''ابوحنیفہ! تم نے تو مجھے بالکل نچوڑ لیا''۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً واعلی اللہ درجاتہ یوم القیامۃ) (معالم اِرشادیہ ۲۸۳)

طلبہ کے ساتھ لطف مہربانی کا معاملہ

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے برتاؤ سے طالب علم کے دل میں تعلق ومحبت اور اُنسیت کی آبیاری کرے؛ تاکہ تعلیم وتدریس کا پورا فائدہ حاصل ہوسکے، بایں طور کہ اُستاذ کو اَجر وثواب، صدقہ جاریہ اور نیک نامی نصیب ہو، اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ علمی استفادہ کا موقع مل سکے۔

(معالم اِرشادیہ ۲۸۳)

طلبہ کی ہمت افزائی

اُستاذ اور شاگرد کے درمیان تعلق ومحبت میں اِضافے کے لئے ضروری ہے کہ شاگرد کے ساتھ بے جا سختی اور تشدد سے پرہیز کیا جائے، اور اُس کی ہرگز حوصلہ شکنی نہ کی جائے؛ بلکہ اُستاذ موقع بموقع اُس کی ہمت افزائی کرتا رہے، اور اُسے رغبت دلاتا رہے کہ اگر محنت کروگے تو ایک دن تم اُمت کے قائد اور عالم باعمل بن جاؤ گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۳)

حوصلہ اَفزائی کرنے والے اُستاذ کا فیض

جو اُستاذ طلبہ کی حوصلہ اَفزائی کرتا ہے، اس کا فیض عالم میں زیادہ پھیلتا ہے۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ اِمام حسن بن زیادہ اللؤلؤیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت اِمام زفر بن ہذیلؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں استفادے کے لئے حاضر ہوتا تھا، تو مجھے اندازہ ہوا کہ تعلیم اور نفع رسانی کے معاملے میں حضرت اِمام ابو یوسفؒ کا بستہ زیادہ کشادہ تھا۔ چناں چہ میں اَولاً جب حضرت اِمام زفرؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر سوالات کرتا تو ایک دو مرتبہ تو آپ وضاحت فرمادیتے؛ لیکن جب میں بار بار سوال کرتا تو آپ کو ناگواری ہوتی۔ اور فرماتے کہ: ''کیا تمہارا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، مجھے اُمید نہیں ہے کہ تم کبھی کامیاب ہوگے''، وغیرہ۔ اُن کے اِس رویہ سے میں اپنے کو بہت غم زدہ اور تھکا ہوا محسوس کرتا تھا؛ لیکن جب اُس کے بعد حضرت اِمام اَبو یوسفؒ کے پاس جاتا اور جو بات سمجھ میں نہ آتی، تو آپ سے سوال کرتا تو آپ پورے شرحِ صدر سے جواب مرحمت فرماتے، اگر پھر بھی نہ سمجھتا تو فرماتے: ''اطمینان رکھو! اور یہ بتاؤ کہ پہلے کے مقابلے میں کچھ زیادہ سمجھ میں آیا کہ نہیں؟'' تو میں کہتا کہ ''ہاں! پہلے کے مقابلے میں تو کچھ کچھ سمجھ میں آیا ہے''۔ تو آپ فرماتے کہ: ''جس کو تھوڑا بھی سمجھ میں آجائے تو عنقریب مکمل بھی سمجھ جاتا ہے، اِس لئے صبر کرو اور ڈٹے رہو، اور اُمید ہے کہ تم منزل مقصود تک پہنچو گے''۔ حسن بن زیادؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت امام ابو یوسفؒ کے کمالِ صبر پر بہت تعجب ہوتا تھا۔

اور اِمام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اَولاً (اپنے ماموں) اِمام مزنی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھتے تھے، تو ایک دن اِمام مزنیؒ نے اُن سے یہ فرمادیا: ''وَاللّٰہِ لَا أَفْلَحْتَ'' (یعنی اللہ کی قسم! تم کبھی کامیاب نہ ہوگے) تو اُن کی یہ بات امام طحاویؒ کو ناگوار گذری، اور آپ نے اُن کا درس چھوڑ دیا۔ اُس کے بعد (حنفی اکابر علماء) سے مذہب حنفی میں تفقہ حاصل کیا؛ تا آں کہ ''اِمام الحنفیہ'' قرار پائے۔ تو جب آپ درس دیتے اور مشکل مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوجاتے، تو فرماتے کہ: ''اللہ تعالیٰ ابو ابراہیم اِمام

مزنیؒ پر رحم فرمائیں، اگر وہ آج باحیات ہوتے تو اُنہیں اپنی قسم ’’وَاللّٰهِ لَا أَفْلَحْتَ‘‘ کا کفارہ دینا پڑ جاتا‘‘۔(معالم اِرشادیہ ۲۸۴-۲۸۵)

اُستاذ کی طرف سے طلبہ کی خبر گیری

اُستاذ اور شاگردوں کے درمیان محبت کی تخم ریزی کے اَسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ اُستاذ شاگرد کے بارے میں خبر رکھے، اور اگر وہ غیر حاضر ہو تو اُس کے متعلق تحقیق کرے، اگر بیمار ہو جائے تو اُس کی عیادت کرے، اور اگر اُسے مالی مدد کی ضرورت ہو تو اُس میں بھی دریغ نہ کرے۔ اِسی طرح دیگر اُمور کی خبر گیری رکھے (تو اُس سے قدرتی اور فطری طور پر شاگردوں کے دل میں اُستاذ کی محبت جاگزیں ہوگی)

اِس سلسلے میں ایک عجیب اور عبرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کی ایک بڑی شخصیت علامہ اِمام اَبوبکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ -جن کی عظمت کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُن کو دو عباسی خلفاء- مطیع اللہ اور معز الدولہ کی طرف سے منصب قضاء کی پیش کش کی گئی؛ لیکن اُنہوں نے کمالِ بے نیازی سے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اُن کے متعلق قاضی محمد بن محمد الحسن حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا علامہ حسن بن محمدؒ نے اِمام اَبوبکر الرازیؒ کے پاس فقہ حنفی کی تعلیم حاصل کی، اِسی درمیان وہ تقریباً سو دن بیمار رہے، اور درس میں حاضر نہ ہو سکے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اِس عرصے میں ۵۰/مرتبہ علامہ ابوبکر الرازیؒ نے میرے دادا جان کی قیام گاہ پر جا کر اُن کی مزاج پرسی فرمائی، اور جب وہ صحت یاب ہو کر مجلس درس میں حاضر ہوئے، تو حضرت الاستاذ ابوبکر الرازیؒ نے فرمایا کہ: ’’میاں تم سو دن بیمار رہے اور ہم نے تمہاری ۵۰/دن عیادت کی، اور یہ تمہارے حق کے اعتبار سے بہت کم ہے‘‘۔(معالم اِرشادیہ ۲۸۵-۲۸۶)

(بلاشبہ یہ بہت اہم بات ہے، ہمارے ایک بہت ہی مشفق اُستاذ تھے: حضرت مولانا عبدالرحیم سنبھلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب نحو قاسمی) اُن سے ہم نے ’اُصول الشاشی‘‘ کا کچھ حصہ پڑھا ہے، ایک دن ہم کسی عذر سے سبق میں حاضر نہ ہو سکے، بعد میں جب حضرت کی

خدمت میں کمرے میں حاضری ہوئی، تو بڑے پیار سے فرمایا: ’’میاں سلمان! آج تم سبق میں نہ تھے تو درس میں زیادہ جی نہیں لگا‘‘ (اِس شفقت بھرے جملے کی مٹھاس آج بھی محسوس ہوتی ہے) پھر آپ نے وہی سبق کمرے پر پڑھایا۔

موصوف نہایت باکمال اُستاذ تھے، اُن کی تدریس کا ایک منفرد انداز تھا، افسوس ہے کہ عمر نے وفا نہ کی، اور ہمارے دارالعلوم دیوبند میں داخلے کے چند ہی مہینے بعد وفات پا گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اُن کی رحلت سے ہمیں اتنا صدمہ ہوا تھا جو نا قابل بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شاگردوں کے ساتھ اُن کے مشفقانہ رویہ کا اثر تھا، اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، آمین۔ (مرتب)

شاگرد کو بروقت مناسب تنبیہ

شاگرد کی مسلسل خبر گیری کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ شاگرد سے اگر کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو اُستاذ کی طرف سے فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے۔

چناں چہ علامہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ مغیرہ بن مقسم الضبیؒ امام اِبراہیم نخعیؒ کے درس میں ایک دن کچھ تاخیر سے حاضر ہوئے، تو حضرت ابراہیم نخعیؒ نے تاخیر کی وجہ پوچھی، تو مغیرہ نے عرض کیا کہ ’’اصل میں ایک محدث صاحب تشریف لے آئے تھے، تو ہم اُن سے حدیث لکھ رہے تھے، اُس میں دیر لگ گئی‘‘۔ تو حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اِرشاد فرمایا کہ ’’ہمارا معمول یہ رہا ہے کہ ہم اُسی شخص سے حدیثیں لیتے ہیں جو اُس کے حلال وحرام اور جائز ونا جائز کو اچھی طرح جانتا ہو؛ کیوں کہ بہت سے حدیث کے راوی وہ ہیں جو لاشعوری میں اس کے معنی بدل دیتے ہیں، اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے ہیں‘‘۔

حضرت کی اِس تنبیہ سے بعد میں آنے والوں کے لئے بہترین رہنمائی ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۶)

حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کی جانب سے اِمام ابو یوسفؒ کی کفالت

اِمام الصمیریؒ نے حضرت اِمام ابو یوسفؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''میں اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کے پاس حدیث اور فقہ پڑھا کرتا تھا، اور میں انتہائی نادار اور مفلوک الحال تھا، تو میں ایک دن حضرت الامامؒ کی مجلس میں حاضر تھا کہ میرے والد صاحب آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا اور راستے میں مجھ سے فرمانے لگے کہ ''اِمام اَبوحنیفہؒ کے ساتھ پیر مت پھیلاؤ؛ کیوں کہ اُن کی روٹی تو تلی ہوئی ہوتی ہے (یعنی وہ مالی وسعت والے عالم ہیں) جب کہ تم معاش کے محتاج ہو''۔ والد صاحب کی اِس بات پر میں نے طلب علم میں کافی کمی کردی، اور والد صاحب کی اِطاعت میں طلب معاش میں اُن کا معاون بن گیا۔ اِدھر حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ نے (میری غیر حاضری پر) میرے بارے میں تحقیق شروع فرمائی؛ تاآں کہ میں آپ کی مجلس میں دوبارہ حاضر ہونے لگا، جب پہلی مرتبہ حاضر ہوا، تو سب طلبہ کے جانے کے بعد آپ نے مجھے سودرہم کی ایک تھیلی ہدیہ فرمائی، اور فرمایا کہ ''تم بلاناغہ مجلس میں حاضر ہوا کرو، اور جب یہ رقم ختم ہوجائے تو مجھے بتانا''۔ حضرت اِمام اَبو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد میں پابندی سے حضرت کے درس میں حاضر ہونے لگا، اور حضرت وقفہ وقفہ سے میری طلب کے بغیر ہی میری مالی مدد فرماتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کو خبر ہوجاتی تھی کہ میری رقم ختم ہوگئی ہے؛ تاآنکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مالی وسعت سے سرفراز فرمادیا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۶-۲۸۷)

حضرت اِمام محمدؒ کی اسد بن فراتؒ پر شفقت

اَسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں افریقہ سے حضرت اِمام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عراق حاضر ہوا، تو حضرت نے ایک دن مجھے سبیل سے پانی پیتے ہوئے دیکھ لیا، تو حضرت نے فرمایا کہ ''تم بھی یہ پانی پیتے ہو؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! میں ایک مسافر شخص ہوں'' (اِس لئے سبیل کا پانی پیتا ہوں) تو اُسی رات حضرت الامامؒ نے میرے پاس ۸۰/اشرفیاں بھیجیں، اور فرمایا کہ ''ہمیں پہلے سے پتہ نہ تھا کہ تم مسافر ہو''۔ اسد بن فراتؒ

فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے وطن افریقہ واپس ہونے لگا تو میرے پاس زادِ سفر کا انتظام نہ تھا، تو حضرت امام محمدؒ نے ولی عہد سے بذاتِ خود ملاقات کر کے مجھے ۱۰/ ہزار درہم دلوائے (جس سے میرا سفر آسان ہوگیا) (معالم اِرشادیہ ۲۸۷)

تابعی جلیل حضرت سعید بن المسیبؒ کا حیرت انگیز واقعہ

شاگردوں کی خبر گیری کے ضمن میں اِمام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ کا یہ واقعہ بہت مشہور اور حیرت انگیز ہے کہ اُن کے شاگرد رشید ''کثیر بن المطلب ابن ابی وداعہؒ'' فرماتے ہیں کہ میں حضرت کی مجلس درس میں حاضری دیا کرتا تھا، تو ایک مرتبہ میں کئی دن غیر حاضر رہا، پھر جب واپس لوٹا تو حضرت نے پوچھا کہ ''تم کہاں تھے؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا، تو میں اُس کی وجہ سے مشغول تھا'' یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ ''تم نے ہمیں پہلے نہیں بتایا، تو ہم بھی جنازے وغیرہ میں شریک ہوتے''؟ اُس کے بعد میں اُٹھ کر جانے لگا تو حضرت نے فرمایا کہ ''کیا تم نے کوئی نئی عورت تلاش کی؟'' تو میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں کہ مجھ سے کون اپنی بیٹی کی شادی کرائے گا؟ جب کہ میں دو تین درہم سے زیادہ کا مالک نہیں ہوں''، تو حضرت الامام سعید بن المسیبؒ نے فرمایا کہ ''میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کروں گا''۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی، پھر آپ نے اُسی مجلس میں خطبہ پڑھ کر (حاضرین کے سامنے) دو یا تین درہم پر اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح فرمادیا۔

کثیر بن المطلبؒ کہتے ہیں کہ مارے خوشی کے مجھے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ کہاں سے تقریب کا انتظام کروں؟ کس سے قرض مانگوں؟ بہر حال یہی سوچتے سوچتے میں گھر واپس آ گیا، پھر چوں کہ میرا روزہ تھا اِس لئے مغرب کی نماز پڑھ کر میں رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگا، جو صرف روٹی اور زیتون کے تیل پر مشتمل تھا، اِسی دوران اچانک دروازے پر دستک ہوئی، میں نے پوچھا ''کون؟'' تو آواز آئی کہ ''سعید'' تو میں سوچنے لگا کہ سعید کون ہوسکتا ہے؟ میرا حضرت الاستاذؒ کی طرف خیال بھی نہیں گیا؛ اِس لئے کہ حضرت کو گذشتہ

۴۰ رسال سے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں دیکھا ہی نہیں گیا تھا۔ بہر حال میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن المسیبؒ سامنے کھڑے ہیں، تو مجھے خیال آیا کہ شاید حضرت کی طرف سے بیٹی دینے کا اِرادہ بدل گیا ہے، اِس لئے میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! آپ مجھے کسی سے بلوا بھیجتے، میں خود حاضر ہو جاتا'' (گویا آپ نے زحمت کیوں فرمائی؟) تو حضرت نے فرمایا: ''تم ہی اس کے زیادہ حق دار ہو کہ تمہارے پاس آیا جائے''۔

تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! کیا حکم ہے؟ تو فرمانے لگے کہ ''تم ایک مجرد شخص ہو، اَب تم نے نکاح کرلیا ہے، تو میں نے یہ بات ناپسند سمجھی کہ تم ایک رات بھی بغیر بیوی کے گذارو، اِس لئے یہ تمہاری منکوحہ تمہارے حوالے ہے''۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی صاحب زادی کا ہاتھ پکڑا اور میرے دروازے کے اندر داخل فرما کر دروازہ بند کردیا اور واپس تشریف لے گئے۔ اِدھر صاحب زادی کا حال یہ تھا کہ حیا کے مارے دوہری ہوئی جارہی تھیں، بالآخر میں نے اُنہیں اُس پیالے کے پاس لاکر بٹھایا جس میں زیتون کا تیل اور روٹی رکھی ہوئی تھی۔

حضرت کثیر بن المطلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد میں نے کمرے کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو پکارا، لوگوں نے پوچھا کہ ''کیا بات ہے؟'' تو میں نے اُنہیں بتایا کہ ''حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی صاحب زادی کا مجھ سے نکاح کردیا ہے، اور وہ بغیر کسی اطلاع کے صاحب زادی کو میرے گھر چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں، اور حضرت کی بیٹی میرے گھر میں موجود ہے''۔ یہ سن کر پڑوس کی عورتیں سب میرے گھر آ گئیں اور میری والدہ کو معلوم ہوا تو وہ بھی تشریف لے آئیں، اور مجھ سے فرمایا کہ تین دن سے پہلے بیوی سے نہ ملنا؛ چناں چہ جب تین دن کے بعد میں اہلیہ سے ملا تو اُنہیں نہایت حسین وجمیل ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کی بہترین عالمہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت واقف کار اور شوہر کے حقوق کو بہت زیادہ پہچاننے والی پایا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۸۷-۲۸۹)

❍❖❍

دوسری فصل:

اُستاذ و مرشد کے اہم فرائض

حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کامل اُستاذ اور مرشد کے فرائض اور ذمہ داریوں کو شمار کراتے ہوئے ۸/ باتوں کو ذکر فرمایا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) طالب علموں پر شفقت:- یعنی اُستاذ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ مشفق باپ جیسا رویہ ہونا چاہئے؛ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا: "إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ" (یعنی میں تمہارے لئے باپ کے مانند ہوں) تو جس طرح والدین اپنے بچوں کو دنیوی آگ سے بچانے کی فکر کرتے ہیں، اِسی طرح اَساتذہ کو اپنے طلبہ کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے متفکر رہنا چاہئے۔

(۲) تعلیم پر جزاء کا طالب نہ ہو:- یعنی اُستاذ کو چاہئے کہ پیغمبر علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے اخلاص کے ساتھ درس دے اور دنیوی مفادات کا طالب نہ رہے۔

(۳) طالب علم کے ساتھ ہم دردی سے غافل نہ ہو:- یعنی قدم قدم پر شاگرد کی بہترین رہنمائی کرے، اور استحقاق سے پہلے منصب حاصل کرنے اور علم ظاہر سے قبل باطنی علوم میں لگنے اُسے روکے، اور اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھائے کہ علومِ دینیہ کا اصل مقصد تقرب الی اللہ کا حصول ہی ہے۔

(۴) طالب علم کو بدخلقی پر تنبیہ کرے:- یعنی اُستاذ کو چاہئے کہ حکمت عملی اور نرمی کے ساتھ طالب علم کو بداخلاقی پر تنبیہ کرتا رہے۔

(۵) طالب کے سامنے کسی دینی علم کی برائی نہ کرے:- بعض اَساتذہ کی عادت

ہوتی ہے کہ وہ جس علم کے اُستاذ ہوتے ہیں، تو وہ دورانِ درس دوسرے علم کی برائی بیان کرتے ہیں، مثلاً لغت کا اُستاذ علم فقہ کو کم تر جانے وغیرہ، تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اِس سے طالب علم کا ذہن پراگندہ ہوتا ہے۔ اُستاذ کو ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۶) طالب علم کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرے:- یعنی دورانِ درس طالب علم کی فہم اور استعداد کے مطابق ہی گفتگو کرے، اور ایسے علوم اُس کے سامنے بیان نہ کرے جو اُس کی سمجھ سے بالاتر ہوں، ایسا نہ ہو کہ وہ متنفر ہوجائے، یا کج فکری میں مبتلا ہوجائے۔ اور بہرحال علام کو اپنی ساری معلومات ہر ایک کے سامنے آشکارا نہیں کرنی چاہئیں۔

(۷) کم فہم طالب علم کو آسان انداز میں سمجھائے:- یعنی اُستاذ کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ کم فہم اور کمزور طلبہ سے نہ اُکتائے؛ بلکہ اُن کو آسان سے آسان انداز میں سبق سمجھانے کی کوشش کرتا رہے۔

(۸) علم وعمل اور قول وفعل میں مطابقت رکھے:- یعنی اُستاذ کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اُس کی زندگی اپنے علم پر عمل میں گذرے، اور اُس کا کردار اُس کے زبانی دعوے کے خلاف نہ ہو؛ کیوں کہ اگر علم وعمل میں تطابق نہ ہو تو رشد وہدایت کے راستے بند ہوجاتے ہیں۔

اور جو شخص ایسا عمل کرے جس سے وہ دوسروں کو منع کرتا ہو، تو یہ ہلاکت خیز اور زہرناک بات ہے، جس کی بنا پر لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں، اور اُس پر تہمتیں لگاتے ہیں، اور جس چیز سے اُنہیں منع کیا جاتا ہے اُس طرف لوگوں کی رغبت اور بڑھ جاتی ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ عمل بہترین اور لذیذ نہ ہوتا تو عالم اس کو اختیار نہ کرتے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۰-۲۹۱)

دوطرح کے لوگ؛ اُمت کے لئے نقصان دہ

حضرت اِمام غزالیؒ نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ دو آدمیوں نے میری کمر توڑ کر رکھ دی (یعنی اُمت کے لئے بڑے نقصان دہ ہیں) (۱) عَـالِمٌ مُتَهَتِّكٌ (یعنی شرعی احکامات کو پامال کرنے والا عالم) (۲) وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ (اور دوسرا عبادت گذار

جاہل) اِس لئے کہ جاہل اپنی عبادت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتا ہے، اور عالم اپنی بے خبری اور بد عملی کی وجہ سے لوگوں میں فتنہ کا سبب بنتا ہے (نعوذ باللہ) (معالم اِرشادیہ ۲۹۱-۲۹۲)

علمی اِفادہ میں بخل نہ کریں

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عالم جس علم سے اچھی طرح واقف ہو اُس کی تعلیم و تدریس اور اِفادہ میں تنگ دلی اور بخل کا مظاہرہ ہرگز نہ کرے؛ اِس لئے کہ علمی اِفادہ میں بخل کرنا باعث مذمت ہے اور بالقصد اس سے منع کرنا گناہ اور موجب حسد ہے۔ اور علماء کے لئے اِس بارے میں بخل کی کیسے گنجائش ہو سکتی ہے؟ جب کہ اُن کو یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی بخل کے عطا ہوا ہے، اور وہ بغیر کسی خرچ کے مفت میں اِس نعمت سے نوازے گئے ہیں۔ اور اگر متقدمین اس کے متعلق تنگ دلی کا مظاہرہ کرتے تو یہ علم ہم تک کیسے پہنچتا؟ بلکہ اُن کے دنیا سے پردہ کرنے کے ساتھ علم بھی ناپید ہو جاتا۔ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جاہلوں کو اُس وقت تک علم سیکھنے کا مکلّف نہیں فرمایا جب تک کہ عالموں کو علم سکھانے کا ذمہ دار نہیں بنایا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۲)

اُستاذ کو صاحبِ فراست ہونا چاہئے

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ کے اندر ایسی فراست ہونی چاہئے کہ وہ طالب علم کی ذہنی وجسمانی صلاحیت کا صحیح اندازہ لگا کر اُس کی استعداد اور فہم کے مطابق اُسے تعلیم دے، اِس میں اُستاذ کے لئے بھی راحت ہے اور طالب علم کے لئے بھی کامیابی ہے۔ اور جو اُستاذ اِس بات کا لحاظ رکھے گا، تو خود اُسے شاگرد سے کوئی مشقت نہ ہوگی اور کوئی شاگرد اُس کے اِفادات سے محروم نہ رہے گا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۳)

طالب علم کی حوصلہ شکنی نہ کریں

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اُستاذ کو چاہئے کہ وہ طلبہ کے ساتھ نرمی اور

شفقت کا معاملہ رکھے، اور تعلیمی معاملات میں اُن کی مدد کرنے میں حتی الوسع کوشش کرے۔ اِس کی بنا پر وہ عظیم اَجر کا مستحق ہوگا، اُسے نیک نامی نصیب ہوگی، اُس کا علمی فیضان عام ہوگا، اور خود اُسے علمی رسوخ حاصل ہوگا، اور طالب علم کی خواہ مخواہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے، اور ابتدائی طالب علم کی بھی تحقیر نہ کرے، اور کوئی طالب علم سچی طلب لے کر آئے تو اُسے تعلیم سے منع نہ کرے، اور کسی بھی طالب علم کو مستقبل کے بارے میں مایوس نہ کرے؛ کیوں کہ بسا اَوقات اُستاذ کی حوصلہ شکنی یا بے جا سختی کی وجہ سے طالب علم کی طبعیت تعلیم سے اُچاٹ ہو جاتی ہے، اور بالآخر وہ درس چھوڑ دیتا ہے، اگر سب اُستاذ ایسا ہی کریں گے تو جلد ہی دنیا سے علم مٹ جائے گا۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۳)

(بلاشبہ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اَساتذہ کی طرف سے طلبہ کی حوصلہ اَفزائی اُن کے اندر خود اعتمادی اور ذوق وشوق پیدا کرنے میں بہت زیادہ معاون اور مددگار ثابت ہوتی ہے۔ جب کہ حوصلہ شکنی اور بات بات پر طعن وتشنیع یا گالم گلوچ اچھے اچھے ذہین طالب علم کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اِس لئے اُستاذ کو بہرحال اِس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اُس کے قول وعمل سے طالب علم کا حوصلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ (مرتب)

بنیادی علوم کو زبانی یاد کرانا

ماہر اُستاذ کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ طالب علم کے مستقبل کو تابناک اور روشن بنانے کے لئے اُسے قرآنِ کریم، سنت نبوی اور علمی وفقہی متون کو زبانی یاد کرنے پر آمادہ کرے، اور کوشش کرے کہ ہر فن کا کم از کم ایک متن اُسے حفظ یاد ہو جائے۔ اِسی طرح نحو وصرف اور دیگر علوم میں استشہاد کے لئے لغوی اور اَدبی اشعار وعبارات اُسے محفوظ ہو جائیں۔ علامہ ابواسحٰق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ''إِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ بَيْتٌ يُسْتَشْهَدُ بِهٖ حَفِظْتُ الْقَصِيْدَةَ'' یعنی اگر کسی مضمون میں کوئی شعر کسی بات کے استدلال کے ضمن میں مذکور ہوتا تو میں صرف ایک شعر ہی نہیں؛ بلکہ اُس کا پورا قصیدہ حفظ کر لیتا تھا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۴)

اَحادیثِ شریفہ کو یاد رکھنے کا اہتمام

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کے دور میں اگرچہ قرآنِ کریم کے حفاظ معتد بہ تعداد میں (بحمدہ تعالیٰ) پائے جاتے ہیں؛ لیکن بڑے اَفسوس کی بات ہے کہ اَحادیث شریفہ کے حافظ نظر نہیں آتے؛ حتیٰ کہ ''ریاض الصالحین'' (جو اَحادیث شریفہ کا مقبول اور معتبر مجموعہ ہے) کے یاد کرنے والے بھی نایاب ہیں، اِس لئے میں بالخصوص دینی مدارس ومعاہد کے ذمہ داروں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ طلبہ میں باقاعدہ سنت نبویہ کے حفظ کا نظام قائم فرمائیں، اِس مقصد سے متعین مدت کے لئے خصوصی پروگرام، مسابقے اور دیگر ترغیبی صورتیں بھی اپنائی جاسکتی ہیں۔

دور حاضر میں الاستاذ العلام الحافظ الشیخ عبد اللہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اُمت کے لئے بڑا سانحہ قرار پائی؛ اِس لئے کہ میرے علم میں حضرت موصوف نے احادیث شریفہ کے حفظ میں اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا (اللہ تعالیٰ حضرت کو دامن رحمت میں ڈھانپ لیں) موصوف کی عادت شریفہ تھی کہ جو حدیث بھی اُن کے علم میں آتی تو وہ اُسے ضرور حفظ فرمانے کا اہتمام کرتے تھے، اور اِس معاملے میں کبھی اُکتاتے نہ تھے، خواہ اُنہیں کتنا زیادہ یاد کرنا پڑے۔ وہ اَحادیث شریفہ کے متن کو تمام متعلقات اور راویوں اور صحابی کے نام کے ساتھ حفظ فرماتے تھے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۴-۲۹۵)

حضرت اِمام اَصمعیؒ کا اہم مقولہ

مشہور اِمام لغت واَدب حضرت اِمام اَصمعیؒ کا مقولہ مشہور ہے: ''**كُلُّ عِلْمٍ لَا يَدْخُلُ مَعَ صَاحِبِهِ الْحَمَّامَ فَلَا تَعُدُّهُ عِلْمًا**'' (یعنی جو علم غسل خانے میں صاحب علم کے ساتھ نہ رہے (یعنی دماغ میں محفوظ نہ ہو) تو تم اُسے علم (نافع) مت سمجھنا''۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۶)

حفظ کی ترتیب

علامہ بدر ابن جماعۃ رحمۃ اللہ علیہ طالب علم کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

’’طالب علم کو چاہئے کہ اَولاً کتاب اللہ (قرآنِ کریم) اچھی طرح حفظ کرے اور اُسے بھولنے سے ڈرتا رہے۔ اُس کے بعد حدیث، علوم حدیث، عقائد، اُصول فقہ اور نحو وصرف کا کوئی ایک جامع متن یاد کرے اور اُس کی تفہیم وتشریح کے لئے ماہر اَساتذہ ومشائخ سے استفادہ کرے، اور محض اپنے مطالعہ کتب پر اعتماد نہ کرے؛ بلکہ ہر فن کے بہترین اور محقق اُستاذ کی باتوں پر ہی اعتماد کیا کرے، اور ساتھ میں دین داری اور صلاح وتقویٰ کا بھی اہتمام رکھے۔

اور جو کتاب پڑھے اُسے مکمل کرے، بلا وجہ درمیان میں نہ چھوڑے۔ اِسی طرح ہر فن میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش کرے، اُسے بیچ میں چھوڑ کر دوسرے فن میں مشغول نہ ہو، اور جس علم کا سیکھنا جتنا زیادہ اہم ہو اُسی اعتبار سے اُس کی طرف زیادہ توجہ دے۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۶-۲۹۷)

عبارت کی تصحیح پر توجہ

علامہ بدر ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ مزید توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ’’طالب علم پر ضروری ہے کہ وہ حفظ سے قبل اپنے اُستاذ وغیرہ کے سامنے عبارت کی اچھی طرح تصحیح ضرور کرلے، اُس کے بعد اچھی طرح یاد کرے، ایسا نہ ہو کہ غلط اعراب کے ساتھ عبارت زبان پر چڑھ جائے‘‘۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۷)

ذہن میں محفوظ علم ہی اصل سرمایہ ہے

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحب زادے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:
’’عَلَیْکَ بِالْحِفْظِ؛ فَإِنَّهٗ رَأْسُ الْمَالِ، وَالتَّصَرُّفُ رِبْحٌ‘‘ (یعنی علم کو زبانی یاد کرنے کا اہتمام کرو؛ کیوں کہ یہی رأس المال ہے، اور لکھی ہوئی باتیں تو زائد نفع کی حیثیت رکھتی ہیں)

(معالم اِرشادیہ ۲۹۸)

’’مَجْمُوْعُ مُهِمَّاتِ الْمُتُوْنِ‘‘ کو یاد کرانے کا اہتمام

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کے لئے ایک جلد کی ’’مَجْمُوْعُ مُهِمَّاتِ

الــمُتُــوْنِ" نامی کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے، جس میں مختلف علوم وفنون کے ۶۰/متون جمع کردیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ابتدائی مدارس بالخصوص جامعہ اَزہر مصر کے "معاہد" میں طلبہ کو یاد کرائی جاتی تھی، جس کا فائدہ ظاہر تھا۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۸)

حضرت علامہ کشمیریؒ کا بے مثال حافظہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اِمام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کو مختلف متون کے ۲۵/ ہزار اشعار حفظ تھے، یہ نثری متون کے علاوہ تھے"۔ (اللہ اکبر) (معالم اِرشادیہ ۲۹۸)

بعض مشائخ کا طرزِ عمل

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ "ہمارے بعض مشائخ اور اُن کے طلبہ نے علامہ ابن یونس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الحاوي الصغير" کے مضامین کا منظوم مجموعہ یاد کر رکھا تھا، جسے الامام ابن الوردی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "البهجة الوردي" کے نام سے نظم کیا تھا، جو ۵/ ہزار ۲۸۶/ اشعار پر مشتمل ہے۔ علاوہ اَزیں سیرتِ نبویہ پر "الفية العراقي" اور علومِ حدیث میں "الفية السيوطي" اور علم نحو میں "الفية ابن مالك" اور علم توحید وکلام میں "جوهرة التوحيد" اور "بدأ الأمالي" کے حفظ کا بھی اہتمام کرتے تھے"۔

شیخ فرماتے ہیں کہ "افسوس ہے کہ اَب لوگوں کے دماغ میں جدید تعلیمی نظریات کے اثر سے یہ بات سما گئی کہ زیادہ رٹنا اور یاد کرنا علم کے لئے نقصان دہ ہے، جس کی بنا پر حفظ کا سلسلہ کم ہوگیا، تو اُسی اعتبار سے فہم میں بھی کمی آتی جارہی ہے"۔ (معالم اِرشادیہ ۲۹۹)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ بچپن میں علم کی بنیادی باتیں یاد کرنے کا فائدہ آگے ہر مرحلے پر ہوتا ہے؛ اِس لئے ہر فن کے اُصول وقواعد طلبہ کو ضرور اچھی طرح یاد کرانے چاہئیں، خاص کر طلبہ کو نحو وصرف کے قواعد وغیرہ اور ضروری مثالیں اَزبر ہونی چاہئیں) (مرتب)

ڈاکو کی تنبیہ سے بڑی نصیحت ملی!

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الطبقات'' میں لکھا ہے کہ علامہ اِمام اسعد الیمنی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ''ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران ڈاکوؤں نے قافلے پر ڈاکہ ڈالا اور میرا سارا سامان ضبط کرلیا اور چلتے بنے۔ تو میں اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگا، تو اُن میں سے ایک ڈاکو نے مجھے دیکھ کر کہا کہ ''تم واپس لوٹ جاؤ، ورنہ مارے جاؤ گے''۔ میں نے کہا کہ ''میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ تم میری وہ کاپیاں جن میں مختلف علوم وفنون کے متعلق ضروری باتیں تحریر ہیں؛ جنہیں میں نے اَساتذہ سے سن کر لکھا ہے اور اُن کے لئے اَسفار کئے ہیں، بس وہ مجھے واپس کردو، وہ تمہارے بھی کسی کام کی نہیں'' میری یہ باتیں سن کر وہ ڈاکو ہنسا اور کہنے لگا کہ ''تم علم کا دعویٰ کیسے کرسکتے ہو، جب کہ حال یہ ہے کہ اگر ہم تم سے تمہاری لکھی ہوئی کاپیاں لے لیں تو تم علم سے کورے رہ جاؤ؟'' بہر حال اُس نے وہ کاپیوں کا تھیلہ مجھے واپس کرنے کا حکم دیا''۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے دل میں سوچا کہ اِس ڈاکو کی زبان سے جو بات نکلی ہے وہ دراصل میرے لئے اللہ کی طرف سے بڑی رہنمائی اور تنبیہ ہے، اِس لئے میں واپس ''طوس'' پہنچا اور وہاں مسلسل تین سال مقیم رہ کر وہ سب حواشی اور تعلیقات اِس طرح حفظ یاد کئے کہ اگر کوئی مجھ سے کاپیاں چھین لے تو بھی میرے سینے میں وہ معلومات محفوظ رہیں''۔ (جس کے بعد اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ واقعی اِمام بنے۔ مرتب) (معالم اِرشادیہ ۲۹۹-۳۰۰)

چند زبان زد قیمتی جملے

اورعلوم کے حفظ کرنے سے متعلق علماء ومشائخ کی زبانوں پر جاری رہنے والے چند مفید جملے بطور اِفادہ ذیل میں درج ہیں:

(۱) مَنْ حَفِظَ الْمُتُوْنَ نَالَ الْفُنُوْنَ (جو شخص متون کو یاد کرلے گا وہ فنون تک رسائی حاصل کرلے گا)

(۲) حِفْظُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِنْ سِمَاعِ وِقْرَیْنِ (یعنی دو لفظوں کو یاد کرنا دو بھاری بوجھوں کے برابر سننے سے بہتر ہے)

(۳) فَهْمُ حَرْفَیْنِ خَیْرٌ مِنْ حِفْظِ وِقْرَیْنِ (یعنی دو لفظوں کا سمجھنا دو بوجھوں کو یاد کرنے سے بہتر ہے)

(۴) حَرْفٌ فِيْ قَلْبِکَ خَیْرٌ مِنْ أَلْفٍ فِيْ کُتُبِکَ (یعنی ایک لفظ کا دل میں محفوظ ہونا تمہاری کتابوں میں (بغیر حفظ کے) ہزار حروف سے بہتر ہے۔

(۵) لَا خَیْرَ فِيْ عِلْمٍ لَا یَعْبُرُ مَعَکَ الْوَادِيَ وَلَا یَعْمُرُ بِکَ النَّادِيَ (اُس علم میں کوئی بھلائی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ جنگل کی وادیوں میں نہ رہے اور تم اُس علم سے علمی مجالس کو فیض یاب نہ کرسکو) (معالم اِرشادیہ ۳۰۰)

علم کے تحریری ذخیرہ کی اِفادیت

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ”یہ جو مثل مشہور ہے: ”مَا کُتِبَ قَرَّ وَمَا حُفِظَ فَرَّ“ (یعنی لکھی ہوئی بات برقرار اور باقی رہتی ہے، اور یاد کی ہوئی بات اُڑ جاتی ہے) اِس کا مقصد حفظ کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے؛ بلکہ مفہوم یہ ہے کہ بسا اَوقات عمر کی زیادتی یا اور کسی وجہ سے یادداشت کمزور پڑ جاتی ہے اِس لئے علم کو تحریری شکل میں منضبط کرنا بھی ضروری ہے؛ تاکہ یاد دہانی کی جاتی رہے۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ فہم کے ساتھ علم کو ذہن میں یاد رکھنا یہ علم کی بنیاد اور عالم کا سرمایہ ہے؛ البتہ یہ بات اپنی جگہ مقرر ہے کہ مستقبل کے زمانے تک علم کو محفوظ اور جاری رکھنے کے لئے تحریری کاوش ناگزیر ہے، اِس سے انکار نہیں کیا جاسکتا“۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۰)

”الفیۃ ابن مالک“ کے حفظ کا اہتمام

مشائخ کے یہاں متون کے حفظ کا کس قدر اہتمام تھا، اِس کا اندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حلب کے مفتی اعظم الدکتور الشیخ ابراہیم السلقینی نور اللہ مرقدہٗ (م: ۱۴۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ جب میری عمر ۱۰؍سال سے بھی کم تھی، تو میرے دادا جان عالم جلیل شیخ ابراہیم السلقینی (م:

۱۳۶۷ھ) مجھے خود علم نحو کا عربی منظوم متن ''الفیۃ ابن مالک'' یاد کراتے تھے؛ حالاں کہ اُس وقت اُن کی عمر ۹۰ رسال سے زائد تھی۔

اِس طرح اُس دور کے ایک اور بڑے مفتی شیخ احمد الجی الکردیؒ (م: ۱۳۷۳ھ) کا حال یہ تھا کہ وہ دارالافتاء میں خالی اَوقات میں ''الفیۃ ابن مالک'' کے اَشعار دوہراتے تھے۔

اور میں نے خود مکہ معظّمہ میں جامعہ اَزہر کے ایک فاضل بڑے عالم اور فقیہ فضیلۃ الشیخ محمود عبدالدائم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۴۱۲ھ) سے ملاقات کی ہے، آپ طلبہ کو اُونچی کتابیں پڑھاتے تھے، اور عبارت خوانی کے دوران اگر طالب علم کوئی غلطی کرتا تو آپ اُس کی نہ صرف تصحیح فرماتے؛ بلکہ فوراً نحوی قاعدہ اور ترکیب بیان فرماتے، اور دلیل میں ''الفیۃ ابن مالک'' کا متعلقہ شعر بھی پڑھ کر سناتے تھے۔

بلاشبہ ''الفیۃ ابن مالک'' کے مرتب کے اخلاص کی یہ برکت ہے کہ ایک زمانہ گذر جانے کے باوجود اِس کتاب سے اِفادہ اور اِستفادہ کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کو اپنی خوشنودی سے مالا مال فرمائیں، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۰-۳۰۱)

''شمائل ترمذی'' یاد کرانے کا مشورہ

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں ہے کہ ''اِس مناسبت سے میرا اِرادہ تھا کہ بعض اُن متون کا نام یہاں تفصیل سے لکھوں جن کا یاد کرانا طلبہ کے لئے مفید ہے؛ لیکن یہ سوچ کر کہ ہر علاقے کے علماء نے الگ الگ متون کی کتابیں پسند کر رکھی ہیں، اِس لئے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی؛ تاہم میں طلبہ کو ابتدائی عمر میں حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تالیف "الشمائل المحمدیۃ" (شمائل ترمذی) پڑھنے اور یاد کرنے کی تاکید کرتا ہوں؛ اِس لئے کہ اِس کتاب کو پڑھنے سے طبعیت میں اخلاقِ محمدیہ اور نبوی آداب کے مطابق زندگی گذارنے کا سلیقہ اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر ابتدائی طالب علمی میں سیرت کی باتیں نظر میں رہیں گی، تو اِن شاء اللہ مرتے دم تک کے لئے طبعیت میں راسخ ہو جائیں گی''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۰-۳۰۱)

تیسری فصل:

بتدریج پڑھنا مفید ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کو تدریجاً علم سکھانے پر محنت کرے (ایک دم سے ساری معلومات اُن کے سامنے نہ رکھے) اور اِس بات کا درج ذیل تین صورتوں میں خیال رکھا جائے:

(۱) طالب علم کے لئے جو علم سب سے زیادہ اہم ہو، اُس کو پہلے پڑھایا جائے۔

(۲) سال بہ سال ایک کے بعد دوسرا علم سکھایا جائے۔

(۳) ہر علم کے متعلق آسان مسائل اَولاً سکھلائے جائیں، اُس کے بعد دقیق مسائل ذہن نشیں کرائے جائیں۔

اگر اِس ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند سال بھی طالب علم تعلیم میں لگالے گا، تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور فضل سے اُس کے سینے میں رفتہ رفتہ علم کا بڑا ذخیرہ محفوظ ہو جائے گا۔

اِسی کے متعلق علامہ ابن النحاس الحلبی المصریؒ (م: ۶۹۸ھ) نے بڑے اچھے اشعار کہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

اَلْيَوْمَ شَيْءٌ وَ غَدًا مِثْلُهُ ❖ مِنْ نُخَبِ الْعِلْمِ الَّتِي تُلْتَقَطُ

يُحَصِّلُ الْمَرْءُ بِهَا حِكْمَةً ❖ وَإِنَّمَا السَّيْلُ اجْتِمَاعُ النُّقَطْ

ترجمہ:- (۱) چنندہ علم کی منتخب باتوں میں سے کچھ آج حاصل کرو اور کچھ کل۔

(۲) اِس کے ذریعہ سے آدمی حکمت اور دانائی حاصل کرتا ہے؛ کیوں کہ سیلاب بھی دراصل نقطوں اور قطروں کا اجتماع ہی تو ہے۔ (قطرہ قطرہ دریا شود) (معالم اِرشادیہ ۳۰۲-۳۰۴)

حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کو اُن کے اُستاذ کی گراں قدر نصیحت

علامہ صیمری رحمۃ اللہ علیہ نے ''اخبار ابوحنیفہ'' میں اور علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''آداب الفقیہ والمتفقہ'' میں نقل کیا ہے کہ جب اِمام اعظم حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے جلیل القدر اُستاذ حضرت الامام حماد بن ابی سلیمانؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے، تو اُنہوں نے یہ نصیحت فرمائی: **''تَعَلَّمْ كُلَّ يَوْمٍ ثَلاثَ مَسَائِلَ، وَلَا تَزِدْ عَلَيْهَا شَيْئًا، حَتّٰى يَنْفَتِقَ لَكَ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ''** (ہر روز صرف تین مسئلے سیکھا کرو، اور اِس سے زائد مت سیکھو؛ یہاں تک کہ تمہارے لئے علم کے دروازے کھل جائیں) چناں چہ حضرت اِمام ابوحنیفہؒ نے اپنے اُستاذ گرامی کی اِس نصیحت کو گرہ سے باندھ لیا، اور اُستاذ کی مجلس درس سے مسلسل وابستہ رہے؛ تا آں کہ فقہ کے اُس مقام تک پہنچ گئے کہ لوگ اُن کی طرف اُنگلیوں سے اِشارہ کرنے لگے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۴)

حضرت اِمام ماوردیؒ کی حکمت آمیز گفتگو

اِس موضوع سے متعلق اِمام حضرت اِمام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اَدب الدنیا والدین'' میں بہت شاندار گفتگو فرمائی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ''ویسے تو ہر علم قابل شرافت ہے، اور اپنی جگہ ہر علم کی مستقل فضیلت اور اہمیت ہے؛ لیکن یہ بات بھی طے ہے کہ تمام علوم کا بیک وقت اِحاطہ کرنا محال ہے؛ لہٰذا جب سارے علوم کی کامل معرفت کا کوئی راستہ نہیں ہے، تو لازم ہے کہ جو اہم ترین اور افضل ترین علم ہو، اُس کو سیکھنے پر پہلے توجہ مبذول کی جائے، اور ظاہر ہے کہ تمام علوم میں سب سے اولیٰ اور افضل ''علم دین'' ہے، جس کو جاننے سے لوگ ہدایت پاتے ہیں، اور اُس کے نہ جاننے کی وجہ سے گمراہی پھیلتی ہے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ ''جاننا چاہئے کہ ہر علم کے کچھ مبادی ہوتے ہیں، جن کے ذریعہ سے اُن کے انتہاء تک پہنچا جاتا ہے۔ یہ مبادی گویا کہ اُن علوم کے حقائق تک پہنچنے کے دروازے ہیں؛ لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ اولاً مبادیات پر محنت کرے؛ تاکہ اُسے علم کی گیرائی نصیب ہو، اور مبادیات

سے پہلے آخری اور انتہائی درجے کی بحثوں میں نہ پڑے، اگر ایسا کرے گا تو اُسے گیرائی اور حقیقت کی معرفت حاصل نہ ہوگی؛ اِس لئے کہ بنیاد کے بغیر عمارت کھڑی نہیں کی جاسکتی، اور پودا لگائے بغیر پھل حاصل نہیں کئے جاسکتے"۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۵)

ایک دلچسپ واقعہ

طالب علم کو اَولاً مبادیات پر توجہ دینی چاہئے، اِس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ ذیل میں درج ہے:

علامہ رامہرمزی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ "ایک شخص نے اِمام المحدثین حضرت سفیان بن عیینہؒ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت اِمام ابن شہاب زہریؒ سے کتنی حدیثیں سن رکھی ہیں؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ عام مجلس درس میں دیگر طلبہ کے ساتھ تو بے شمار حدیثیں سنی ہیں؛ لیکن تنہائی میں ایک حدیث سن رکھی ہے، تو میں نے پوچھا کہ "وہ کونسی حدیث ہے؟" تو حضرت نے فرمایا کہ "ایک مرتبہ میں مکہ معظّمہ میں "بابِ بنی شیبہ" سے مسجد حرام میں داخل ہوا، تو میں نے دیکھا کہ حضرت اِمام زہری رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے ایک ستون سے ٹیک لگائے ہوئے اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں، تو میں نے دل میں سوچا کہ حضرت سے تنہائی کا موقع نہیں ملتا، (یہ موقع غنیمت ہے) لہٰذا میں آپ کے پاس جاکر بیٹھ گیا، اور عرض کیا کہ "مجھے ایک دو حدیثیں سنائیے!" تو حضرت نے فرمایا کہ "کس مضمون کی حدیث سننا چاہتے ہو!" تو میں نے عرض کیا کہ "پیغمبر علیہ السلام نے جس مخزومیہ عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا اُس کے متعلق حدیث سنائیے!"، میری یہ درخواست سن کر حضرت اِمام زہریؒ ناراض ہوگئے، اور میرے چہرے پر کنکری اُٹھا کر ماری، اور فرمایا کہ "فوراً یہاں سے چلے جاؤ! لوگ ہمارے پاس ایسی باتیں پوچھنے آتے ہیں جو ہمیں پسند نہیں ہیں"۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے بہت شرمندگی اور ندامت

ہوئی، اور میں وہاں سے اُٹھ کر قریب ہی میں دوسری جگہ بیٹھ گیا، اِتنے میں ایک آدمی سامنے سے گذرا، جس سے اِمام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی کام تھا؛ چناں چہ حضرت نے آواز دے کر اور کنکری پھینک کر اُسے اپنی طرف بلانا چاہا؛ مگر وہ متوجہ نہ ہوا، بالآخر حضرت نے مجبوراً میری طرف رخ کر کے فرمایا کہ ''جاؤ! اُس آدمی کو بلا کر لاؤ'' چناں چہ میں نے حکم کی تعمیل کی؛ بہر حال اُس شخص سے آپ نے بات چیت کی، پھر وہ چلا گیا، اور میں اپنی جگہ جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد حضرت خود میری طرف متوجہ ہوئے، اور مجھے اپنے پاس بلایا، پھر اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث سنائی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے: ''اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ''. (صحيح البخاري رقم: ١٤٩٩) (یعنی چوپائے جانور کی حرکت سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اُس پر کوئی ضمان نہیں، اِسی طرح کوئی شخص خود بخود کسی کے کنوئیں میں گر جائے تو کنوئیں کے مالک پر ضمان نہیں، اور کھودی ہوئی کان میں کوئی گر کر مر جائے تو اُس میں بھی ضمان نہیں ہے؛ البتہ دفینے یا زمینی معدنیات (سونا چاندی، لوہا، کوئلہ وغیرہ) میں حسبِ ضابطہ بیت المال کے لئے پانچواں حصہ ہے) یہ حدیث سنا کر حضرت اِمام زہریؒ نے فرمایا: ''هٰذَا خَيْرٌ لَکَ مِنَ الَّذِيْ أَرَدْتَّ'' (یعنی یہ حدیث تمہارے لئے اُس حدیث سے بہتر ہے جسے تم پوچھنا چاہ رہے تھے)

(گویا کہ حضرت اِمام زہریؒ نے یہ نصیحت فرمائی کہ حدود وقصاص کے انتہائی مسائل سے زیادہ ابتدا میں عبادات وغیرہ کے مسائل کا جاننا زیادہ اہمیت رکھتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۰۵-۳۰۶)

''پود کے بغیر فصل نہیں اُگائی جاسکتی''

اور علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا گفتگو کے آخر میں یہ فرمانا کہ ''پود لگائے بغیر پھلوں کی فصل نہیں کاٹی جاسکتی'' تو یہ ایک بلیغ تشبیہ ہے جو بڑی گہری، معنی خیز اور مفید ہے۔ اِس پر غور کیجئے اور آج کے حالات پر اس کو منطبق کیجئے، کتنے مدعیانِ علم ہیں جن کے پیٹ خالی ہیں، مگر وہ

شکم سیر کی طرح ڈکاریں لے رہے ہیں، مفلس وقلاش ہیں اور باور کراتے ہیں کہ بڑے سرمایہ دار ہیں، یہ بے چارے زینے کے بغیر ہی چھت پر چڑھ گئے، اور انگور بنے بغیر ہی کشمش بن گئے، یہ بزعم خویش دین، اُصولِ دین اور حدیث وفقہ میں اجتہاد کے منصب پر فائز ہیں۔ اور اِسی پر بس نہیں؛ بلکہ یہ چاروں ائمہ مجتہدین ودیگر ائمہ کے بیچ جج بن کر بیٹھ گئے ہیں، اور یہ صحیح اور وہ غلط فیصلے صادر کرتے رہتے ہیں، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جس اِمام کے چبائے ہوئے لقموں پر وہ پلتے ہیں، اُسی کی کتاب کی تحقیق کرتے ہوئے کتاب کے مقدمے میں اُس اِمام کے عقیدے کے بارے میں ایک بحث لکھ کر اِمام کو بدعتی اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اور اِن سب کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے ایسی تعلیم گاہوں میں تربیت پائی ہے جس کی طلب علم کے باب میں نہ کوئی بنیاد ہے، اور نہ شجرۂ نسب، یہ بغیر درخت کے پھل ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ وہ علم کے دسویں درجے پر پہنچے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ اُنہیں ابھی پہلا اور دوسرا درجہ بھی نصیب نہیں ہوا، اب وہ سلطان نہیں، جس کی تلوار دین اور علم کے حصار کی حفاظت کرے۔ (لہٰذا جو جس کے منہ میں آئے بکتا ہے، اور جو جس کے دماغ میں آئے کرتا ہے) (ترجمہ از: مولانا مفتی محمد اجمل صاحب اُستاذ ادب مدرسہ شاہی مرادآباد) (معالم ارشادیہ ۳۰۶-۳۰۷)

فضول معلومات سے پرہیز

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’طالبِ علم کو اَولاً مبادیات کی طرف توجہ دینی چاہیے، اور ایسی معلومات حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کہ جن کے نہ جاننے میں کوئی نقصان نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر وہ اِس میں لگ جائے گا تو بہت سی ضروری معلومات سے محروم رہ جائے گا؛ اِس لئے کہ ہر علم میں کچھ زائد باتیں ہوتی ہیں اور بے فائدہ مشغول کرنے والے نکات ہوتے ہیں، اگر اُن کی طرف دل لگا دیا جائے تو اُن سے اہم باتیں سیکھنے سے آدمی رہ جائے گا۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: ’’اَلْعِلْمُ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يُحْصٰى فَخُذُوْا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ أَحْسَنَهٗ‘‘ (یعنی علم کی کوئی انتہا نہیں ہے؛ لہٰذا ہر چیز میں جو

بہترین ہو اُسے لے لینا چاہئے)‘‘۔(معالم اِرشادیہ ۳۰۷)

(لہٰذا معلوم ہوا کہ طالب علمی کے زمانے میں طلبہ کو خارجی سرگرمیوں سے بدرجہ اولیٰ دور رہنا چاہئے؛ کیوں کہ اُن کی وجہ سے بہت زیادہ تعلیمی حرج اور نقصان ہوتا ہے) (مرتب)

عربی زبان میں مہارت

طالبِ علم کو اَولاً عربی زبان یعنی نحو وصرف، معانی اور بلاغت میں بتدریج مہارت حاصل کرنی چاہئے؛ (تاکہ عبارت میں غلطیوں سے حفاظت ہو سکے، اور نصوص کے مفاہیم کو سمجھنے میں سہولت ہو) اور اعرابی غلطی سے بچنا کس قدر اہم ہے؟ اِس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے کہا کہ ’’إِنْ لَحَنْتَ فِيْ حَدِيْثِيْ فَقَدْ كَذَبْتَ عَلَيَّ؛ فَإِنِّيْ لَا أَلْحَنُ‘‘ (یعنی اگر تم نے میری بات نقل کرنے میں اعرابی غلطی کی تو تم نے گویا مجھ پر جھوٹ باندھا؛ اِس لئے کہ میں اِس طرح کی غلطی نہیں کرتا)

اِسی بات سے استدلال کرتے ہوئے اِمام حمادؒ کے شاگرد علامہ اصمعیؒ فرماتے تھے کہ ’’جو شخص اَحادیث شریفہ کے متن میں (جان بوجھ کر) غلطی کرے تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اِس وعید میں داخل ہو جائے: ’’مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ‘‘ (جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)(معالم اِرشادیہ ۳۰۸)

غلط عبارت سن کر نیند اُڑ گئی

عبارت کی تصحیح اور غلط عبارت پر ناگواری کے عجیب وغریب اَحوال میں سے یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت اِمام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ’’إِنَّهُ رُبَّمَا يَقْرَأُ عَلَيَّ الْقَارِيْ فَيَلْحَنُ فِيْ قِرَاءَتِهِ فَأُحْرَمُ نَوْمِيْ وَطَعَامِيْ‘‘ (یعنی کبھی کوئی طالب علم میرے سامنے عبارت پڑھتے ہوئے کھلی ہوئی غلطی کرتا ہے، تو اُس کے صدمہ میں میری نیند اور بھوک اُڑ جاتی ہے)

بلا شبہ ہمارے علماء ومشائخ کو عربی زبان میں مرجعیت کا مقام حاصل تھا؛ لیکن آج کل لوگ اِس سے لا پرواہی برت رہے ہیں، جس کی بنا پر علم کی بساط اُن سے لپیٹ لی گئی ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۰۸)

فقہ اِسلامی کی اَہمیت وضرورت

عربی زبان میں مہارت کے ساتھ ساتھ ہر طالب علم کو علم فقہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے؛ اِس لئے کہ کلمہ شہادت اور ضروری عقائد کے بعد اُس کے لئے سب سے ضروری چیز دینی احکام کو جاننا ہے، جس کی اُسے قدم قدم پر ضرورت پیش آئے گی؛ بلکہ جب وہ عوام کے سامنے جائے گا تو لوگ اُس سے پیش آمدہ دینی مسائل کے بارے میں ہی زیادہ تر سوالات کریں گے۔

اور مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن مفلح رحمۃ اللہ علیہ اپنی نفع بخش بہترین کتاب ''الآداب الشرعیہ'' میں صاحب محیط کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: ''أَفْضَلُ الْعُلُوْمِ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ بَعْدَ مَعْرِفَةِ أَصْلِ الدِّيْنِ وَعِلْمِ الْيَقِيْنِ مَعْرِفَةُ الْفِقْهِ وَالْأَحْكَامِ الْفَاصِلَةِ بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ'' (یعنی جمہور علماء کے نزدیک اُصولِ دین اور عقائد کے علم کے بعد سب سے اَفضل علم فقہ اور اُن دینی اَحکام کا جاننا ہے جن سے حلال وحرام کا علم ہوتا ہے)

اور علامہ ابن الجوزیؒ علم فقہ کی اَہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''مَنْ كَانَ ذَا هِمَّةٍ وَنَصَحَ نَفْسَهُ تَشَاغَلَ بِالْمُهِمِّ مِنْ كُلِّ عِلْمٍ، وَجَعَلَ جُلَّ شُغْلِهِ الْفِقْهَ فَهُوَ أَعْظَمُ الْعُلُوْمِ وَأَهَمُّهَا'' (یعنی جو شخص ہمت والا ہو اور اپنے ساتھ خیر خواہی کرنے والا ہو، تو وہ ہر علم میں سے صرف اہم ترین علم میں مشغول ہوگا، اور اُس کا زیادہ تر مشغلہ علم فقہ میں ہوگا؛ اِس لئے کہ وہ تمام علوم میں سب سے پر عظمت اور سب سے زیادہ اہم ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۰۸-۳۰۹)

تفقہ کے لئے بھی عربی زبان جاننا ضروری ہے

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

کے جلیل القدر شاگرد علامہ ابراہیم الحربی فرمایا کرتے تھے: ''مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ الْفِقْهِ بِغَيْرِ لُغَةٍ تَكَلَّمَ بِلِسَانٍ قَصِيْرٍ'' (یعنی جو شخص لغت کے بغیر فقہ میں گفتگو کرتا ہے، وہ کوتاہ زبان میں بات کرنے والا ہے)(معالم إرشادیہ ۳۰۹)

اِمام نوویؒ کا مشورہ

مشہور شارحِ حدیث حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المجموع'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ''سب سے پہلے طالب علم کو قرآنِ کریم حفظ کرنا چاہئے، اُس کے بعد ہر فن کا کوئی مختصر متن یاد کرے، اور جو زیادہ اہم ہو اُسے ترجیح دے، اور اُن میں سب سے اہم نحو اور فقہ ہے، اُس کے بعد حدیث اور اُصول حدیث کی طرف متوجہ ہو، پھر جیسے جیسے سہولت ہو آگے بڑھتا جائے''۔(معالم إرشادیہ ۳۱۰)

نصاب کی کتابوں سے پہلوتہی نہ کریں

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''مدارس و جامعات میں جو نصاب کی کتابیں رائج ہیں، وہ علماء اور اَکابر و مشائخ کی نظر میں سالہا سال سے قابل اعتماد رہی ہیں، اور اُن کی ترتیب میں طالب علم کی ذہنی کیفیت اور صلاحیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اِس لئے میں اپنے عزیز طلبہ کو تاکید کرتا ہوں کہ اُن کتابوں کو یاد کرنے اور تکرار و مطالعہ کے ذریعہ اُن کا اہتمام رکھنے اور اپنی علمی ترقی کے لئے اُن کتابوں کو ذریعہ بنانے میں ہرگز سستی نہ کریں؛ کیوں کہ یہی کتابیں اُن کا سب سے بڑا توشہ اور سرمایہ ہیں''۔(معالم إرشادیہ ۳۱۱)

(یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس طالب علم کو نصابی کتابوں پر کامل عبور نہ ہو اُس کے لئے علمی ترقی بہت دشوار ہوتی ہے، اِس لئے کسی بھی مرحلے میں نصاب کی کتابوں سے پہلو تہی نہیں ہونی چاہئے، اور بے ضرورت خارجی مطالعہ سے اِس زمانے میں احتیاط کرنی چاہئے) (مرتب)

اِنسان کے لئے تمام علوم کا اِحاطہ ممکن نہیں

قاضی ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اِنسانی عقل میں علوم و معارف کو قبول کرنے اور اسرار و حقائق میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھی ہے؛ لیکن تمام معلومات کا اِحاطہ کرنا اِنسان کے بس میں نہیں ہے۔ (یہ شان تو صرف ''ربِ محیط'' کی ہے، جس میں کوئی شبہ نہیں ہے) کیوں کہ ساری معلومات کے اِحاطے کے لئے لمبی عمر بھی ناکافی ہے، تو ہم اپنی مختصر عمر میں بھلا اِس کا اِحاطہ کیسے کرسکتے ہیں؟ البتہ علوم کا خلاصہ اور تفصیلات کو چھوڑ کر ضروری معلومات پر توجہ دینا یقیناً ممکن ہے''۔ (جسے حاصل کرنا چاہئے) (معالم اِرشادیہ ۳۱۱)

اور علامہ ابوالہلال العسکری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''اَلْحَثُّ عَلیٰ طَلَبِ الْعِلْمِ'' میں لکھتے ہیں کہ ''جو شخص ہر طرح کا علم (ایک ساتھ) سیکھنے کی کوشش کرتا ہو، تو اُس کے گھر والوں کو چاہئے کہ اُس کا علاج کرائیں؛ کیوں کہ اِس بات کا تصور اُس کے دل میں جنون کی وجہ سے ہی آیا ہوگا''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۲)

قلبِ اِنسانی کی فطری وسعت

حضرت اِمام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اِنسان کے دل کی حفاظت ابتدائی طالب علمی کے زمانے میں ایک تنگ گلی کی طرح ہوتی ہے؛ لیکن جب اُس میں معلومات بتدریج داخل کی جاتی ہیں، تو وہ رفتہ رفتہ ایک ایسے وسیع میدان میں تبدیل ہوجاتا ہے جس میں جو بات بھی ڈالی جائے وہ اُسے اپنے اندر سمالیتا ہے''۔

علامہ ابوالہلال العسکری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''مطلب یہ ہے کہ شروع شروع میں باتوں کا یاد رکھنا مشکل ہوتا ہے؛ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو بعد میں آسانی ہوجاتی ہے۔ چناں چہ علماء کا مقولہ مشہور ہے کہ ''ہر برتن جس میں کوئی چیز بھری جائے تو وہ کبھی نہ کبھی تنگ ضرور پڑ جائے گا، سوائے دل کے کہ اُس کو جتنا بھی بھرا جائے وہ مزید وسیع ہوتا چلا جاتا ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۲)

تحصیل علم تدریجاً ہی مفید ہے

علامہ اِمام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد رشید ''یونس بن یزید الدیلمیؒ'' کو وصیت کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''اے یونس! علم کو ہلکا مت سمجھو؛ اِس لئے کہ علم کے بہت سے میدان ہیں، اُن میں سے جو میدان بھی تم عبور کرنا چاہو گے تو تمہاری عمر ختم ہو جائے گی؛ لیکن وہ میدان ختم نہ ہوگا؛ لہٰذا علم کو (بتدریج) دن رات حاصل کرو، اور سارا علم ایک دن سے حاصل کرنے کے شوقین مت بنو؛ کیوں کہ جو بیک وقت سارا علم حاصل کرنے کا اِرادہ کرے گا، تو اُس کا سارا علم ایک دم سے رخصت بھی ہو جائے گا (اسے قرار حاصل نہ ہوگا) لہٰذا ایک کے بعد ایک اور دن بدن حاصل کیا کرو''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۲)

(بلاشبہ کیسا سچا کلام ہے، آدمی ایک دن میں علامہ نہیں بن سکتا، اس کے لئے طویل وقت درکار رہوتا ہے) (مرتب)

تدریس میں طالب علم کی ذہنی حالت کی رعایت

اُستاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ابتدائی درجات کے طلبہ کو اَولاً ہر فن کی آسان باتیں ہی بتائے، اور دقیق بحثوں سے گریز کرے۔ اُستاذ کو اپنے شاگردوں کے ساتھ اُس مشفق ماں کی طرح معاملہ کرنا چاہئے جو اپنے نومولود بچے کو اُس کی جسمانی صلاحیت کے اعتبار سے غذا دیتی ہے کہ چند دن کے بچے کو وہ غذا نہیں دیتی جو ایک سال کے بچے کو دی جاتی ہے۔ اِسی طرح اُستاذ کو ایسے دقیق اور اختلافی مسائل جو اعلیٰ درجہ کے طلبہ کے لائق ہیں، اُنہیں مبتدی طلبہ کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۲-۳۱۳)

(اِس لئے کہ عمر کے اِس مرحلے میں اعلیٰ مضامین سمجھنے میں طلبہ کو دشواری ہوگی، اور اُن کا ذہن اُنہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہوگا، جس کی وجہ سے اُن کی استعداد ناقص رہ جائے گی) (مرتب)

''عالم ربانی'' کے ایک معنی

امیر المؤمنین حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے ''کتاب العلم'' کے دسویں باب کے شروع میں نقل فرمایا ہے کہ: ''اَلرَّبَّانِيُّ الَّذِيْ يُرَبِّيْ النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهَا'' (عالم ربانی وہ ہے جو لوگوں کو بڑے مسائل بتانے سے قبل چھوٹے اور آسان مسائل سکھاتا ہے)

اور علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اِرشاد فرمایا کہ: ''اَلرَّبَّانِيُّ: قِيْلَ هُوَ مِنَ الرَّبِّ بِمَعْنَى التَّرْبِيَةِ، كَانُوْا يُرَبُّوْنَ الْمُتَعَلِّمِيْنَ بِصِغَارِ الْعُلُوْمِ قَبْلَ كِبَارِهَا'' (بعض حضرات کے نزدیک ''ربانی'' کا لفظ تربیت سے ماخوذ ہے؛ چناں چہ علماء طالب علموں کو بڑے بڑے علوم سے قبل ہلکے پھلکے علوم سکھا کر تربیت کرتے ہیں۔

اور علامہ بیضاویؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر کے شروع میں لفظ ''رب'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تربیت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ''کسی چیز کو بتدریج اپنی انتہاء تک پہنچانا'' (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ بتدریج مخلوقات کی پرورش فرماتے ہیں)

اسی طرح اُستاذ بھی اپنے شاگرد کے لئے ''مربی'' کی حیثیت رکھتا ہے، اور وہ اُسے رفتہ رفتہ علم سکھلاتا ہے؛ تا آں کہ وہ طالب علم اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

(معالم اِرشادیہ ۳۱۳)

ہر صحیح بات کا اظہار ضروری نہیں

حضرت اِمام شاطبیؒ کا مشہور اور زبان زد مقولہ ہے کہ ''لَيْسَ كُلُّ مَا يُعْلَمُ مِمَّا هُوَ حَقٌّ يُطْلَبُ نَشْرُهُ'' (یعنی ہر وہ صحیح بات جس کا علم ہو اُس کا پھیلانا مطلوب نہیں ہوتا)

(گویا کہ یہ ضروری نہیں کہ آدمی مخاطب اور مصلحت کا لحاظ کئے بغیر ہر جانکاری لوگوں کے سامنے رکھ دے؛ بلکہ موقع محل، مصلحت اور مخاطب کو دیکھ کر ہی گفتگو کرنی چاہئے) (مرتب)

نیز موصوف ہی کا یہ مقولہ بھی مشہور اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ''وَمِنْهُ أَنْ لَّا يَذْكُرَ لِلْمُبْتَدِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا هُوَ حَظُّ الْمُنْتَهِيْ؛ بَلْ يُرَبِّيْ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ'' (یعنی علم کے آداب میں سے یہ ہے کہ مبتدی طالب علم کے سامنے اُس علم کا ذکر نہ کیا جائے جو آخری درجہ کے طالب علم کے لائق ہو؛ بلکہ اَوّلاً چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا کر طلبہ کی تربیت کی جائے)

چناں چہ جو اِس طرح بتدریج علم حاصل کرے گا، وہی بالآخر ''عالم ربانی'' صاحب علم وحکمت، راسخ فی العلم، فقیہ اور دانشور کہلائے گا، اور ہر بات کو اپنی جگہ پر رکھنے والا ہوگا۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۳-۳۱۴)

متون کی تالیف کا اصل منشاء

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اِسی تدریجی تعلیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے علماء کے اندر مختصر اور جامع مضامین لکھنے کا رجحان پیدا ہوا، جنہیں ''متون'' کہا جاتا ہے؛ چناں چہ وہ حضرات مبتدی طالب علم کے سامنے اَوّلاً ''متن'' پیش کرتے ہیں، پھر جب وہ اُنہیں اچھی طرح اَزبر ہو جاتا ہے، تو آگے کی کتابیں بالترتیب پڑھاتے ہیں۔

اور ہمارے اَکابر واَسلاف نے یہ متون اِس غرض سے ہرگز مرتب نہیں فرمائے تھے کہ لوگ کتاب وسنت سے اپنا رشتہ منقطع کر کے بس انہی متون کے ہو کر رہ جائیں (بلکہ اُن کے پیش نظر دراصل تدریجی تعلیم کا نظام تھا)

بریں بنا آپ ان متون میں صرف بنیادی مسائل ومباحث آسان زبان اور واضح تعبیر میں پائیں گے، نہ تو اُن میں مسئلہ کی ساری جزئیات کا اِحاطہ کیا جاتا ہے اور نہ ہی (عموماً) اختلافی آراء مذکور ہوتی ہیں (بلکہ صرف ضروری باتوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے؛ تاکہ سمجھنا اور یاد رکھنا آسان ہو) (معالم اِرشادیہ ۳۱۴)

شروحات لکھنے کی اصل غرض

پھر جو طالب علم متن پر عبور حاصل کر لیتا ہے، تو اَب اُسے شروحات کی طرف متوجہ کیا

جاتا ہے، تو اَب وہ تفصیلی مباحث، متعدد اَقوال اور دلائل پر مناقشات وغیرہ سے آگاہ ہوتا ہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ''شروحات کو متون کی تشریح وتسہیل کے لئے لکھا گیا؛ لیکن ہمیں اُن میں بہت سی جگہ (متن سے زیادہ) مشکل عبارات اور گنجلک بحثیں بھی نظر پڑتی ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ شروحات کی تالیف کی اصل غرض دلائل وبراہین کی تحصیل اور طالب علم کو اعلیٰ اور کامل علم کی طرف متوجہ کرنا ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۱۴-۳۱۵)

موجودہ دور میں علمی بے راہ روی کی وجوہات

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل علمی بے راہ روی اور خود رائی کا جو طوفان مچا ہوا ہے، اُس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علمی گفتگو کرنے والے حضرات دو باتوں سے دور ہوتے جارہے ہیں:

(۱) اَساتذہ سے براہِ راست تحصیل علم۔

(۲) تدریجی علم۔

کیوں کہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک دین دار شوقین جوان طالب علم پہلے دن ''سبل السلام'' نامی کتاب پڑھتا ہے، پھر دوسرے روز ''نیل الاوطار'' پڑھتا ہے، اور تیسرے روز علامہ ابن حزمؒ کی ''المحلی'' تک جا پہنچتا ہے۔ اَب بتائیے کہ اِن تین کتابوں کے بعد اُس کے سامنے دیگر بنیادی کتابوں اور مصادر شریعت کی کیا حیثیت رہے گی؟ اور اُس کے اندر مخالف رائے رکھنے والوں کے بارے میں گفتگو کے آداب کیسے پیدا ہوں گے؟ جب کہ ''المحلی'' کا کوئی صفحہ بھی ظاہر کتاب وسنت پر عمل کے دعوے کے باوجود ائمہ متقدمین پر سب وشتم اور طعن سے خالی نہیں ہے۔ اور ایسا طالب علم ائمہ اَربعہ؛ بلکہ سلف متقدمین کے مذاہب سے خروج کرنے سے کیوں ڈرے گا؟ حالاں کہ وہ ''نیل الاوطار'' میں شاذ اَقوال وآراء کی تائید میں اِجماعی آراء کو پارہ پارہ کرتے ہوئے دیکھے گا؟ (معالم اِرشادیہ ۳۱۵)

(اِس گفتگو میں شیخ محمد عوامہ مدظلہم نے جو مبنی بر اِنصاف تبصرہ فرمایا ہے وہ بہت زیادہ

قابلِ غور ہے۔ آج کل سلف کی طرف نسبت رکھنے والے بعض نام نہاد مدعیانِ علم کا مبلغ علم بس وہی کتابیں ہیں، جن کا شیخ نے اُوپر ذکر فرمایا ہے، جن کو ابتداء ہی میں پڑھ کر اُن کا سینہ ایسا تنگ ہو جاتا ہے کہ دیگر آراء کے لئے کوئی گنجائش اُن کے ذہن میں باقی نہیں رہتی، جس کا نتیجہ بالآخر اِجماعی آراء سے خروج کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے (اَعاذنا اللّٰہ منہ) (مرتب)

ایک سبق آموز اور فکر انگیز واقعہ

اِس بارے میں ایک بڑا ہی سبق آموز واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، جسے ”مصنف عبدالرزاق“ میں ”باب الخصومة في القرآن“ کے تحت نقل کیا گیا ہے۔ حبر الامت، مفسر قرآن سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صاحب امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضرت نے اُن سے لوگوں کے حال چال پوچھنے شروع کئے، اُنہوں نے بتایا کہ اُن میں سے بہت سے لوگوں نے اتنا اتنا قرآن پڑھ لیا ہے، تو اُن کی بات سن کر میں (ابن عباسؓ) نے عرض کیا کہ ”میں آج کے زمانے میں اتنی جلدی جلدی قرآن کریم سیکھنے کو پسند نہیں کرتا“۔ میرا جواب سن کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے، اور مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجلس سے اُٹھا دیا؛ چناں چہ میں وہاں سے اُٹھ کر بہت غم زدہ حالت میں گھر واپس آیا اور سوچنے لگا کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک خاص قدر و منزلت حاصل تھی؛ لیکن آج ایسا لگا کہ میں حضرت کی نظروں سے گر چکا ہوں، میری حالت اتنی متأثر تھی کہ گھر کی عورتوں نے میری مزاج پرسی کی؛ حالاں کہ مجھے کوئی جسمانی تکلیف نہ تھی، بس حضرت عمرؓ کے اندازِ گفتگو کا اثر تھا۔

بہر حال ابھی میں گھر میں بستر پر لیٹا ہی تھا کہ ایک شخص گھر کے دروازے پر آئے اور کہا کہ امیر المؤمنین یاد کرتے ہیں؛ چناں چہ میں حاضر ہوا، تو سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میرے منتظر تھے، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور لوگوں سے الگ ہو کر تنہائی میں لے گئے اور پوچھا کہ: ”بتاؤ مذکورہ شخص کی گفتگو میں تمہیں کیا بات بری لگی تھی؟“ میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر

مجھ سے غلطی ہوئی ہو تو میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں اور میں آپ کی مرضی سے باہر نہیں ہوں؛ تاہم حضرت نے پھر اِصرار کیا کہ ”بتاؤ تمہارے انکار کی اصل وجہ کیا تھی؟“ تو میں نے عرض کیا کہ: ”يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَتٰى مَا تَسَارَعُوْا هٰذِهِ الْمُسَارَعَةَ يَحْتَقُّوْا، وَمَتٰى مَا يَحْتَقُّوْا يَخْتَصِمُوْا، وَمَتٰى مَا يَخْتَصِمُوْا يَخْتَلِفُوْا، وَمَتٰى مَا يَخْتَلِفُوْا يَقْتَتِلُوْا“ (یعنی اے امیر المؤمنین! جب لوگ اِس طرح (رسوخ کے بغیر) جلدی جلدی قرآنِ کریم سیکھیں گے تو ہر ایک اپنی سمجھی ہوئی بات کو حق سمجھے گا، اور جب یہ بات ہوگی تو آپس میں جھگڑے شروع ہو جائیں گے، اور جھگڑے ہوں گے تو اختلافات رونما ہوں گے، اور نوبت جنگ وجدال تک جا پہنچے گی) میرا یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے شاباشی دی اور فرمایا کہ ”یہی بات میں لوگوں سے چھپا کر دل میں رکھتا تھا جو آج تم نے ظاہر کر دی“ (گویا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کی پوری تائید فرمائی) (معالم اِرشادیہ ۳۱۵-۳۱۷)

بڑوں کی غذا بچوں کے لئے زہر ہے

العالم الکبیر، المربی الفاضل، العلامۃ الشیخ عبدالکریم الرفاعی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۹۳ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ: ”غَذَاءُ الْكِبَارِ سَمٌّ لِلصِّغَارِ“ (بڑوں کی غذا چھوٹے بچوں کے لئے زہر ہوتی ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۱۷)

(یعنی جس طرح نومولود بچے کو اگر بھاری غذا دے دی جائے تو وہ اُسے ہضم نہیں کر پاتا، اور ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ اِسی طرح اگر کچی عمر والے مبتدی طالب علم کو منتہی درجہ والا علم سکھایا جائے تو وہ اُس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے) مرتب

اجتہاد کا دروازہ کس نے بند کیا؟

العلامۃ الشیخ محمد سعید البانی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۱ھ) اپنی تالیف ”عمدۃ التحقیق“ میں لکھتے ہیں کہ ”میں نے ایک دن ”اُصولِ فقہ“ کے درس کے دوران اپنے اُستاذ گرامی شیخ

عبدالحکیم افغانیؒ سے سوال کیا کہ اِس علم (اُصولِ فقہ) کو سیکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ تو حضرت نے فی البدیہہ جواب دیا کہ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی مجتہد بن جاتا ہے، تو میں نے اَدباً عرض کیا کہ ''حضرت! اجتہاد کا دروازہ تو بند ہے؟'' تو آپ نے سختی سے پوچھا کہ ''کس نے اُس کا دروازہ بند کیا؟ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ تمہارے علاقے کا طالب علم آج ''نورالایضاح'' پڑھے بغیر ہی مجتہد بننے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے''۔ (ایسے لوگوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے)

شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں کہ شیخ مذکور اگر ہمارے زمانے کے حالات دیکھتے تو کیا فرماتے؟ آج ہم خود کتاب وسنت اور سلف صالحین کی اتباع کے دعویٰ کی آڑ میں نوعمر جاہلوں کے اجتہاد کی حوصلہ اَفزائی کر رہے ہیں، جو بچے مجتہدین کی آراء سے قصداً اعراض کرتے ہیں، اور ائمہ متقدمین پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) (معالم اِرشادیہ ۳۱۷)

دو باتوں کا خاص اہتمام

طالب علم اور اُستاذ کو خاص طور پر دو باتوں کا اہتمام بہت ضروری ہے:

(۱) کتاب کی عبارت اور اُس کے اعراب پر گہری نظر رکھی جائے، اگر اس میں کوئی کلمہ ہو تو لغوی اعتبار سے اُس کو اچھی طرح ضبط کیا جائے۔ اگر کوئی فقہی یا اُصولی اصطلاح ہو تو اُس کے اصل مصادر سے سمجھنے کی کوشش کی جائے، اور اگر کوئی اسم عَلَم ہو تو اُس کو بھی صحیح طریقے پر پڑھا جائے۔ الغرض اِن باتوں کا خوب اہتمام رکھیں، خواہ اُستاذ سے پوچھ کر یا اپنے طور پر تحقیق کر کے۔

(۲) دوسرے یہ کہ کسی بھی علمی بات کو ہلکا نہ سمجھیں، یہ کبھی نہ سوچیں کہ یہ دوسرے درجہ کا مسئلہ ہے، یہ تو بہت نادرالوقوع ہے، اِس کی چنداں ضرورت نہیں وغیرہ؛ بلکہ جو بھی بات سامنے آئے اُس کی مکمل تحقیق کی جائے کہ اس کے متعلق ذہن میں کوئی شبہ نہ رہے۔ اِن شاء اللہ مستقبل میں اِس عادت کا بہترین نتیجہ ظاہر ہوگا کہ علمی مسائل میں طبعیت مطمئن ہوگی اور مختلف آراء کے درمیان موازنہ اور مناقشہ میں صحیح بات کی طرف رہنمائی نصیب ہوگی۔

چناں چہ حضرت الامام شافعیؒ نے اِس کے متعلق ایک بہترین ضابطہ اِرشاد فرمایا ہے:
”مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا فَلْيُدَقِّقْ فِيهِ لِئَلَّا يَضِيعَ دَقِيقُ الْعِلْمِ“ (یعنی جو شخص کوئی علم سیکھے تو اُس میں گہرائی پیدا کرے؛ تاکہ گہرا اور باریک علم ضائع نہ ہو جائے) (معالم اِرشادیہ ۲۱۷-۲۱۸)

کتابوں کو جمع کرنے کا اہتمام

طالب علم کو چاہئے کہ وہ ابتداء ہی سے کتابوں کو جمع کرنے کا شوقین ہو، اولاً اپنے نصاب کے متعلق کتابوں کو خریدنے پر توجہ مبذول کرے، اُس کے بعد اُستاذ کے مشورے سے ہر علم وفن کی ضروری کتابیں اپنے پاس جمع کرے۔ اور اُستاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کتابوں کے بارے میں طالب علم کی ضروری رہنمائی؛ بلکہ نگرانی کرتے رہیں، خاص طور پر طالب علم کو مطبوعہ اور ڈیجیٹل غیر اخلاقی مواد سے دور رکھنے کی پوری کوشش کریں؛ اِس لئے کہ ان چیزوں میں سراسر نقصان ہی ہوتا ہے، ان سے خیر کی کوئی اُمید نہیں ہے۔

کتابیں واقعۃً طالب علم کے لئے علمی اور روحانی زادِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں، بریں بنا اس طالب علم سے کسی خیر کی اُمید نہیں رکھی جاسکتی جو کتابوں سے دلچسپی نہ رکھتا ہو، جیسا کہ بعض نام نہاد طلبہ کا حال ہے کہ وہ اِس حال میں مدرسہ سے فارغ ہوتے ہیں کہ اُن کی ملکیت میں ایک بھی نصاب کی کتاب نہیں ہوتی۔ اَب سوچئے کہ اگر طالب علم کے پاس بنیادی کتابیں نہ ہوں، تو اُسے اگر درس میں مطالعہ کے دوران کسی لفظ کی تشریح کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ کیا کرے گا؟ لہٰذا اس کے پاس ہر علم کی بنیادی کتابوں کا ایک ذخیرہ ضرور رہنا چاہئے، مثلاً لغوی تحقیق کے لئے ”القاموس المحیط“۔

تاکہ جب بھی ضرورت پیش آئے تو اُن کی طرف مراجعت کرکے اپنی علمی پیاس بجھا سکے۔ (تلخیص: معالم اِرشادیہ ۳۱۹-۳۲۱)

چوتھی فصل:

عربی زبان کی صحت پر توجہ

اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو تربیت و تعلیم کے متعلق جن اہم کمالات سے سرفراز فرمایا ہے، وہ ویسے تو بہت ہیں؛ لیکن اُن میں اہم ترین امر یہ ہے کہ طالب علم اپنی عربی زبان کی صحت اور اُس کی عمدگی پر خصوصی توجہ دے، اور اِس سلسلے میں اُستاذ کو دو باتوں کی طرف طلبہ کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے:

(ا) زبان میں رائج عام اعرابی ولغوی غلطیوں سے طلبہ کو آگاہ کرنا:- اِس لئے کہ بسا اوقات بہت سے کلمات غلط اعراب کے ساتھ رائج ہو جاتے ہیں؛ حتیٰ کہ بعض اکابر مصنفین کے قلم سے وہ غلطیاں دوہرائی جاتی ہیں، تو علماء متقدمین ومتأخرین نے با قاعدہ ان غلطیوں کی تصحیح پر محنتیں کی ہیں؛ بلکہ اِس موضوع پر گراں قدر کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسا کہ علامہ ابن قتیبہؒ نے ''اَدب الکاتب'' لکھی اور اِمام نوویؒ نے ''تہذیب اللغات'' مرتب فرمائی، وغیرہ۔ اِس طرح کی غلطیوں کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں؛ تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو:

الف:- کہا جاتا ہے: ''فُلانٌ عَالِمٌ نَحوِيٌّ'' (بفتح الحاء) (فلاں نحوی عالم ہے) حالاں کہ صحیح ''نَحْوِيٌّ'' (بجزم الحاء) ہے، جو ''علم النحو'' کی طرف منسوب ہے۔

ب:- اِسی طرح بولتے ہیں: ''فَعَلْتُ كَذَا لِأَجلِ كَذَا'' (یعنی میں نے فلاں وجہ سے فلاں کام کیا) حالاں کہ صحیح جملہ یہ ہے: ''فَعَلْتُ كَذَا مِنْ أَجلِ كَذَا''۔

ج:- اِسی طرح کہتے ہیں: ''أَجِبْ عَلَى الْأَسْئِلَةِ التَّالِيَةِ'' (یعنی درج ذیل سوالوں کا جواب دو) جب کہ صحیح جملہ یہ ہے: ''أَجِبْ عَنِ الْأَسْئِلَةِ التَّالِيَةِ''۔

د:- اور بعض لوگ وفات شدہ لوگوں کے لئے ''اَلْـمُتَوَفِّيْ'' (بکسر الفاء) بولتے ہیں؛ جب کہ صحیح لفظ ''اَلْمُتَوَفّٰی'' (بفتح الفاء) ہے۔

ہ:- اِسی طرح بعض حضرات کتابوں کی تحقیق کے پیش لفظ میں یہ کہتے ہیں: ''قَابَلْتُ الْکِتَابَ عَلیٰ مَخْطُوْطَتَیْنِ'' (یعنی میں نے دو مخطوطوں کو سامنے رکھ کر کتاب کا مقابلہ کیا) حالاں کہ صحیح جملہ یہ ہے: ''قَابَلْتُهٗ بِمَخْطُوْطَتَیْنِ''۔

و:- اِسی طرح لکھتے ہیں: ''هُنَا فِيْ مَخْطُوْطَةِ ''أ'' مَثَلاً سَقْطٌ'' (بجزم القاف) (یہاں مخطوطہ نمبر ''أ'' میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے) حالاں کہ یہاں صحیح لفظ ''سَقَطٌ'' (بفتح القاف) ہے۔

ز:- اِسی طرح بعض لوگ لکھتے ہیں: ''بَلْ وَلَا بُدَّ مِنْ کَذَا'' حالاں کہ اِس میں ''بل'' کے بعد ''وْ'' زائد اور خلافِ اُصول ہے؛ اِس لئے کہ حرفِ عطف کو دوسرے حرفِ عطف پر داخل کرنا صحیح نہیں ہے۔

ح:- اِسی طرح لوگوں کی زبانوں پر یہ کلمات: ''اَلشُّئُوْنُ الْقُرَوِیَّةِ'' (بضم القاف) (آبادیوں سے متعلق اُمور) اور ''اَلْمُؤْتَمَرَاتُ الدُّوَلِیَّةِ'' (بضم الدال) (بین الاقوامی کانفرنسیں) چڑھے ہوئے ہیں؛ حالاں کہ اِن کا صحیح اعراب یہ ہے: ''اَلشُّئُوْنُ الْقَرَوِیَّةِ'' (بفتح القاف) اور ''اَلْمُؤْتَمَرَاتُ الدَّوْلِیَّةِ'' (بفتح الدال) یعنی یہ واحد ''قریة'' اور ''دولة'' کے ساتھ موصوف ہیں؛ نہ کہ لفظ جمع ''قُریٰ'' اور ''دُوَلْ'' کے ساتھ۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ:- معاشرہ میں رائج عربی زبان کے علاوہ کلمات کو انھی زبانوں میں اَدا کرنے کی عادت نہ ڈالی جائے؛ بلکہ اَولاً اُن عربی زبان کے قواعد کے مطابق مناسب ترجمہ کیا جائے، پھر اُسے زبان پر لایا جائے؛ تاکہ طالب علم کو اصل عربی زبان پر پورا عبور حاصل ہو، اور اِس زبان کے تہذیبی اثرات اُس کی شخصیت میں نمایاں ہوں۔ مثلاً: ہم طلبہ کے سامنے کتاب کو ''بُک'' نہ کہیں؛ بلکہ ''کتاب'' ہی کہیں۔ اِسی طرح موبائل کو

''جَوّالُ'' کہیں، اور فیکس کو ''فَاکَسُ'' کہیں، اور ڈرائیور کو ''سَائِقٌ'' کہیں، ''شوفر'' نہ کہیں؛ وغیرہ۔ (معالم اِرشادیہ ۳۲۲-۳۲۴)

گفتگو میں اَدب اور اَسلاف واَکابر کا احترام ملحوظ رکھیں

اُستاذ کو اِس پر بھی نظر رکھنی چاہئے کہ طالب علم کی روزمرہ کی گفتگو کا کیا انداز ہے؟ اُسے چاہئے کہ وہ طالب علم کو اِس بات کا اَدب سکھلائے کہ مشائخ کا تذکرہ کس انداز میں کیا جاتا ہے، اور اُن کے اَقوال وآراء پر بحث کرتے ہوئے طالب علم کا کیسا رویہ رہنا چاہئے؟

اِس سلسلے میں ایک نصیحت آموز واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت اِمام مزنی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُستاذِ معظم حضرت اِمام شافعیؒ نے میری زبان سے کسی راوی کے بارے میں یہ جملہ سن لیا کہ ''فُلانٌ کَذَّابٌ'' (فلاں مہا جھوٹا ہے) تو آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر اِرشاد فرمایا کہ ''اے ابو ابراہیم! (اِمام مزنی کی کنیت) اپنے اَلفاظ کو خوب صورت بنانے کی کوشش کرو، اور فلاں کو ''کذاب'' کہنے کے بجائے یہ کہو کہ ''حَدِيْثُهٗ لَيْسَ بِشَيْءٍ'' (اُس کی حدیث بالکل غیر معتبر ہے)

اِسی طرح ایک مرتبہ حضرت اِمام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک راوی اسحٰق ابن اسماعیل الطالقانی نے محدثِ کبیر حضرت اِمام عبدالرحمٰن بن مہدی کے بارے میں جرح کرنی شروع کردی، تو حضرت اِمام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو اُس کی بات پر بہت ناگواری ہوئی؛ لیکن اِس کے باوجود اُس شخص کے بارے میں صرف اتنا کہا کہ ''تیرا ناس ہو! تجھے ائمہ حدیث کے بارے میں تبصرہ کرنے کا کیا حق ہے؟'' (معالم اِرشادیہ ۳۲۴)

عبارت پڑھتے وقت ترضی اور ترحم کا خاص اہتمام

نیز علم کے اہم آداب میں سے یہ بات ہے کہ قرأت اور مطالعہ کے درمیان جن اَکابر کا نام آئے، تو اُن کے لئے دعائے خیر کا ضرور اہتمام کیا جائے، مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ''رضی اللہ عنہم'' اور علماء اور اولیاء اللہ کے لئے ''رحمہم اللہ'' کہنے کی عادت ڈالی جائے۔

چناں چہ علامہ قاضی عیاضؒ نے اپنے اُستاذ شیخ ابوعلی الصدفی سے نقل کیا ہے کہ اُن کے شیخ اِمام ابومحمد رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی حنبلیؒ فرمایا کرتے تھے: "یَقْبُحُ لَکُمْ أَنْ تَسْتَفِیْدُوْا مِنَّا عِلْمًا ثُمَّ تَذْکُرُوْنَا وَلَا تَتَرَحَّمُوْا عَلَیْنَا" (تمہارے لئے یہ بات اچھی نہیں ہے کہ تم ہم سے علمی اِستفادہ کرو اور پھر ہمارا ذکر کرتے وقت ہمارے لئے رحمت کی دعا نہ کرو)

اور پہلے حضرت اِمام نوویؒ کے حوالے سے یہ بات آ چکی ہے کہ اَساتذۂ کرام آدمی کے لئے والدین کے درجہ میں ہوتے ہیں، پس کون مسلمان یہ گوارا کرے گا کہ وہ اپنے آباء واَجداد کے لئے دعائے رحمت نہ کرے؟ (معالم اِرشادیہ ۳۲۵-۳۲۶)

احسان شناسی

علاوہ اَزیں سنن ابی داؤد اور سنن النسائی میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: "مَنْ صَنَعَ إِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَا تُکَافِئُوْنَهٗ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰی تَرَوْا أَنَّکُمْ قَدْ کَافَئْتُمُوْهُ" (یعنی جو شخص تم پر احسان کرے، تو اُس کا بدلہ پیش کرو، اور اگر تمہارے پاس بدلہ دینے کا انتظام نہ ہو، تو جب تک تمہیں یہ گمان نہ ہو جائے کہ تم نے احسان کا بدلہ دے دیا ہے، اُس وقت تک اُس کے لئے دعائے خیر کرتے رہو) لہٰذا جب دنیوی احسان کرنے والے کے لئے دعا کرنے کا حکم ہے، تو اِسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ دینی اعتبار سے ہمارے محسن ہیں، اُن کے لئے احسان شناسی کے طور پر دعا کرنا کتنا ضروری ہوگا؟

نیز جس طرح اَساتذۂ کرام کے لئے دعا کا حکم ہے، تو جو درجہ بدرجہ علماء متقدمین اور سلف صالحین ہیں، جن کی بدولت یہ دین ہم تک پہنچا، بالخصوص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اُن سے بھی آگے معلم اِنسانیت، رحمۃ للعالمین، سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت صلوٰۃ وسلام کا اہتمام کرنا بھی ضروری اور لازم ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل ترین جزائے خیر سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ۳۲۶) ○❖○

پانچویں فصل:

لغوی تحقیق کی عادت

ماہر اُستاذ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ طالب علم کو عربی زبان کے کلمات بالخصوص قرآن وحدیث میں آمدہ کلمات کی گہرائی کے ساتھ تحقیق کی عادت ڈالے، اور اس کلمہ سے سمجھے جانے والے متبادر معنی پر اکتفاء نہ کرے؛ اِس لئے کہ اگر صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے گا، تو آیات واَحادیث شریفہ کے اصل معانی ومفاہیم تک رسائی آسان نہ ہوگی۔

علماءِ عرب کے درمیان اگر چہ اِس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ عربی زبان کے کلمات کے درمیان ترادف پایا جاتا ہے، یا ہر ایک دوسرے کلمہ کے مابین کچھ نہ کچھ ظاہری یا پوشیدہ فرق پایا جاتا ہے، بہر حال کچھ بھی حقیقت ہو؛ لیکن طالب علم کو ہر کلمہ کے دقیق معنی کو ملحوظ رکھنا چاہئے؛ تاکہ اسے لغت دانی کے ساتھ ساتھ اور قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ کے کلمات کے اصل معانی کا ذوق ووجدان حاصل ہو سکے۔

اِس کو ایک مثال سے سمجھنا آسان ہوگا کہ قرآنِ کریم میں جہاں عقل مندوں کی تعریف فرمائی گئی ہے، وہاں ”أُولُو الْعُقُولِ“ نہیں کہا؛ بلکہ ”أُولُوا الْأَلْبَابِ“ کی تعبیر استعمال فرمائی ہے، تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں ”لُبٌّ ج: أَلْبَابِ“ کا استعمال ایسی عقل پر ہوتا ہے جو خارجی اثرات اور لذات وشہوات سے مغلوب نہ ہو۔ یہی خالص عقل حق تک پہنچانے والی ہے، اور وہی قابل تعریف ہے (اِس کے برخلاف وہ عقل جو خارجی ماحول اور لذات وشہوات کے تابع ہو، وہ ہرگز قابل تعریف نہیں۔ بہر حال ہمیں اِس باریک فرق کا علم ”لبّ“ کے معنی میں گیرائی سے معلوم ہوا)

اِسی طرح ایک اور مثال سے سمجھئے کہ قرآنِ کریم میں ''رَیب'' کا لفظ شک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ (یعنی اِس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے) لیکن دوسری طرف کئی جگہ یہ تعبیر بھی لائی گئی ہے: ﴿وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِنْهُ مُرِیْبٍ﴾ اَب یہاں اگر ''رَیْب'' کے معنی صرف شک کے لئے جائیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ ''وہ ایسے شک میں ہیں جو مزید شک پیدا کررہا ہے'' (ظاہر ہے کہ یہ معنی مناسب نہیں)

تو ہم نے تحقیق کی، تو پتہ چلا کہ اِمام اللغۃ علامہ زمخشریؒ نے ''رَیب'' کے دقیق معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''حَقِیْقَةُ الرَّیْبِ قَلَقُ النَّفْسِ وَاضْطِرَابُهَا'' (یعنی ''ریب'' کی حقیقت آدمی کے نفس کا کسی بات پر بے چین اور بے قرار ہونا ہے) تو اب اِس معنی کے اعتبار سے ﴿اِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ﴾ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''وہ لوگ ایسے شک میں ہیں جو اُنہیں بے چین کئے دے رہا ہے''۔ اور اب اِس معنی میں کوئی اشکال نہیں ہوگا۔

اور حدیث شریف میں اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کا دروازہ کھلوانے کا مضمون بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''اٰتِی بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ'' (یعنی میں جنت کے دروازے پر پہنچ کر اُسے کھلواؤں گا) اَب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں ''اٰتِي'' کا لفظ استعمال کیا گیا، ''أَجِيءُ'' کا لفظ نہیں بولا گیا، اِس میں کیا راز ہے؟ تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں ''اٰتِي'' کا لفظ سکون ووقار کے ساتھ آنے کے لئے بولا جاتا ہے (جب کہ ''أَجِيءُ'' بغیر کسی تفصیل کے صرف آنے کے معنی میں ہے) تو اِس خاص موقع پر ''اٰتِي'' کا لفظ استعمال کرنے سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوا کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازے پر نہایت سکون ووقار کے ساتھ شاہی انداز میں تشریف لائیں گے، اور آپ کی آمد عام لوگوں کی آمد کی طرح نہ ہوگی۔

ایک اور مثال سے سمجھیں کہ عربی زبان میں ''صَنَعَ'' کا لفظ عموماً ''فَعَلَ'' کے معنی میں سمجھا جاتا ہے، یعنی کام کرنا؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ''صَنَعَ'' کے معنی ''کسی کام کو بہترین

انداز میں انجام دینے'' کے آتے ہیں۔ اَب اِس فرق کو ملحوظ رکھ کر جب ہم سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں یہ آیت ''وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ'' پڑھیں گے تو اِس کا ترجمہ یہ کیا جائے گا کہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام جو کشتی بنا رہے تھے وہ بہت مضبوط اور شاندار تھی، جو بارش اور غیر معمولی سیلاب کے تھپیڑوں کو برداشت کر سکتی تھی۔ (دیکھئے یہ دقیق معنی ''یَصْنَعُ'' کے لفظ سے حاصل ہوئے)

اسی طرح بہت سے لوگ قرآنِ کریم میں ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کا ترجمہ ''نماز اَدا کرو'' سے کرتے ہیں؛ لیکن پھر بڑا اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ، اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (یعنی نماز قائم کرو؛ کیوں کہ نماز بے حیائی اور گناہ کے کاموں سے روکتی ہے) حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نماز پڑھنے والے بے حیائی اور گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ تو اِس اشکال کا حل یہ ہے کہ دراصل ''اِقامت صلوٰۃ'' کے معنی صرف نماز اَدا کرنے کے نہیں ہیں؛ بلکہ ''اِقامت صلوٰۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ تمام شرائط وآداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز اَدا کی جائے؛ گویا کہ ایسی نماز ہو جس میں فرائض، واجبات اور سنن ومستحبات کی پوری رعایت رکھی جائے، ساتھ میں کامل خشوع وخضوع کا اظہار ہو، اور اِمام جو قرأت کرے اُس کو غور سے سن کر اور سمجھ کر اس میں تدبر کیا جائے، اور کوشش کی جائے کہ قرآنی ہدایات کو اپنی نماز سے باہر کی زندگی میں بھی پوری طرح نافذ کیا جائے، اور اپنی روزمرہ کی گھریلو زندگی اور اپنے دیگر مشاغل میں اُنہی ہدایات کو ملحوظ رکھا جائے، پس جو شخص ایسی نماز پڑھے گا، اُس کے لئے برائیوں سے بچنا یقیناً آسان ہو جائے گا۔ (معالم ارشادیہ ۳۲۷-۳۲۹)

لغت کی دو مفید ترین کتابیں

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے دقیق معانی اور اسرار ورموز سے واقفیت کے لئے دو کتابوں کا مطالعہ نہایت مفید ہے:

(۱) المفردات للإمام راغب الأصفهاني (۲) النهاية لابن الأثير۔

اِن دو کتابوں سے کوئی طالب علم مستغنی نہیں ہوسکتا، اسے چاہئے کہ سفر وحضر میں یہ کتابیں اپنے ساتھ رکھے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۲۹)

لغوی تحقیق میں ٹال مٹول نہ کریں!

طالب علم کو اِس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جب بھی اُس کے سامنے پہلی مرتبہ کوئی کلمہ آئے، یا کسی کا نام نظر سے گذرے، تو فوری طور پر اُس کے صحیح اعراب کی تحقیق کی جائے، اور اِس میں لاپرواہی نہ برتی جائے، اور نہ یہ سوچا جائے کہ بعد میں اِس کی تحقیق کرلیں گے، پس اگر شروع سے ہی یہ عادت ڈالی جائے گی تو وہ آدمی تازندگی صحیح کلمات اَدا کرنے میں نہیں ہچکچائے گا۔

حضراتِ محدثین اعلیٰ درجے کے راوی کے متعلق یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ ''فُلانٌ ثَبتٌ'' (یعنی فلاں شخص اپنے سبھی اُمور میں ہوشیار اور ثابت قدم ہے) اور عالم کے لئے ''تثبت'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے علم کو پوری طرح مستحضر رکھے، اور بولنے اور لکھنے سے پہلے اِس بات کی تاکید کرلے کہ وہ جو کہنے جارہا ہے: لغوی اور معنوی اعتبار سے صحیح اور راجح ہے یا نہیں؟ چاہے وہ لغت سے متعلق ہو یا اُصولِ فقہ وغیرہ سے۔

اور اگر کسی بات کے متعلق تردد ہو تو پہلی فرصت میں متعلقہ کتاب کی طرف رجوع کرکے اطمینان حاصل کرے (کیوں کہ کتاب بھی دراصل ایک بے زبان اُستاذ کی حیثیت رکھتی ہے) اور اگر اِس موقع پر وہ عالم سستی برتے گا اور آج کل پر ٹالے گا، تو یہ تردد مسلسل اُس کے ذہن میں باقی رہ جائے گا۔ اور ہمیشہ بے یقینی کی کیفیت برقرار رہے گی۔ (معالم اِرشادیہ ۳۲۹-۳۳۰)

تحقیق میں لاپرواہی کے منفی اثرات

جاننا چاہئے کہ کلمات کی لغوی تحقیق ہی پر اگلے سبھی مراحل کا انحصار ہے، اگر اِس میں کوتاہی پائی جائے تو آئندہ چل کر عبارات ومفاہیم میں تحریف اور تصحیف کا واقعی اندیشہ رہتا

ہے؛ چناں چہ اِس بارے میں بہت سے لطائف وظرائف بھی کتابوں میں منقول ہیں۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ سُنن اَربعہ (ابوداوٗد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) مصنف ابن ابی شیبہ اور ابن خزیمہ میں یہ روایت منقول ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز جمعہ سے قبل الگ الگ حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اور ابن خزیمہ نے جو روایت نقل کی اُس کے اَلفاظ یہ ہیں: ''نَهٰى عَنِ الْحِلَقِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلاةِ''.

شارح حدیث علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے اِس حدیث کو اِس طرح نقل کیا: ''نُهِيَ عن الحَلْقِ'' (بسکون اللام) (جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ گویا جمعہ کی نماز سے قبل سر منڈانے سے منع کیا گیا ہے) پھر اُن صاحب نے علامہ خطابی کو یہ بتایا کہ وہ گذشتہ ۴۰ رسال سے نماز جمعہ سے قبل سر نہیں منڈاتے، تو علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن سے کہا کہ یہ لفظ ''حَلْق'' نہیں؛ بلکہ ''الحِلَق'' ہے، جو ''حَلْقَةٌ'' کی جمع ہے (جس کے معنی یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنا کر نہ بیٹھا جائے؛ بلکہ صف بندی کے ساتھ بیٹھا جائے) یہ سن کر مذکورہ عالم صاحب نے فرمایا کہ آپ نے میری مشکل آسان کردی، اور اِس تنبیہ پر اُنھوں نے شکریہ اَدا کیا اور دعائے خیر کی، اور وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے اَساتذہ سے اِس تنبیہ کہ ''محض کتاب پڑھنے سے علمی گیرائی نصیب نہیں ہوتی'' کے ضمن میں سنا کرتے تھے؛ لیکن علامہ خطابی کی اِس تحریر سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ حقیقی ہے، اور ایک ہزار سال پہلے پیش آچکا ہے، تو اِسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانے میں بغیر اُستاذ کے علم سیکھنے والوں کی علمی سطح کیا ہوگی؟'' (معالم اِرشادیہ ۳۳۰-۳۳۱)

تدریس کا کامیاب طریقہ

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ ''اَساتذہ اور مشائخ کو لازماً تدریس میں یہ طریقہ اپنانا چاہئے کہ جب طالب علم عبارت پڑھے، تو لغوی اور نحوی اعتبار سے اُس کی تصحیح پر پورا دھیان دیا جائے، اور ہر ضمیر کو اُس کے مرجع تک لوٹانے اور عبارت کو مربوط کرنے کا اہتمام رکھا جائے، پھر

کامل طور پر عبارت کو تحقیق کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

بعد اَزاں اُس عبارت میں ضمناً جن دیگر علوم مثلاً: عربی لغت، بلاغت، منطق اور اُصولِ فقہ وغیرہ کی اِصطلاحات استعمال ہوئی ہوں، اُن کی اچھی طرح وضاحت کی جائے، اِس طریقے کو علماء جامعہ اَزہر نے "التعیین" کا نام دیا ہے"۔

اِس طرز تدریس سے جس میں عبارت کی مکمل تحلیل اور اصطلاحات کا استحضار ہوتا ہے، اِسی سے عالم اور غیر عالم میں امتیاز کیا جاتا ہے؛ اِس لئے کہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے عوام جو لکھنا پڑھنا کچھ نہیں جانتے، وہ علماء کی صحبت میں حاضری اور دروس و بیانات وغیرہ سننے کی بدولت فقہ وحدیث اور تفسیر کی بہت سی ایسی باتیں یاد کر لیتے ہیں جو علماء کو بھی ہر وقت مستحضر نہیں رہتیں؛ لیکن اُن عوام کا حال یہ ہے کہ اُن سے اگر کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جو اُنہیں پہلے سے معلوم نہ ہو، تو وہ اُس کا حکم نہیں بتا پائیں گے؛ برخلاف علماء کے کہ وہ ایسے مسائل کو بھی کتابوں کی مراجعت کے ذریعہ جان سکتے ہیں، اور اُن کے اندر یہ استعداد مذکورہ بالا طریقۂ تدریس سے پیدا ہوتی ہے۔

(معالم اِرشادیہ ۳۳۱-۳۳۲)

چھٹی فصل:

طالب علم کو "لَا أَدْرِيْ" کہنا سکھایا جائے

اُستاذ کامل کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ طالب علم کی اس انداز پر تربیت کرے کہ اگر اس کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اُس کے علم میں نہ ہو، تو وہ (اٹکل سے اُس کا جواب نہ دے؛ بلکہ) صاف کہہ دے کہ "لَا أَدْرِيْ وَاللّٰـهُ أَعْلَمُ" (یعنی مجھے علم نہیں اللہ ہی کو معلوم ہے) پھر اِس مسئلے کو معلق نہ چھوڑے؛ بلکہ یا تو اپنے اَساتذہ سے رجوع کر کے علم حاصل کرے، اور اگر خود کتابوں سے تلاش کرنے کی اہلیت رکھتا ہو تو مراجع سے تلاش کرے۔

اِمام اہل سنت حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ نے حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام محمد بن عجلان رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ "إِذَا أَخْطَأَ الْعَالِمُ "لَا أَدْرِيْ" أُصِيْبَتْ مَقَاتِلُهٗ" (یعنی اگر کوئی عالم لاعلمی کے اظہار میں آنا کانی کرے تو وہ تباہی کی کگار پر پہنچ جاتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۳۳)

لاعلمی کے اظہار کے فائدے

شیخ محمد عوامہ مدظلہم اپنی کتاب "ادب الاختلاف" سے نقل فرماتے ہیں کہ جب کوئی طالب علم کسی مسئلے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے "لَا أَدْرِيْ" کہتا ہے تو اُس سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

الف:- اپنی طرف سے تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

ب:- یہ نصیحت ملتی ہے کہ آدمی کو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

ج:- اس کی وجہ سے مزید تحقیق کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے؛ کیوں کہ جس مسئلے کے بارے میں وہ ایک مرتبہ آخرت میں عذاب کے ڈر سے "لَا أَدْرِيْ" کہہ دے گا تو یہ بات بہت بعید ہے کہ اگلی مرتبہ اس سے وہی سوال پوچھا جائے، تو پھر بھی وہ "لَا أَدْرِيْ" کہے؟ بلکہ وہ اس کی تحقیق وجستجو میں مشغول ہوگا؛ تا کہ سائل کو مطمئن کر سکے۔

(اِس تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ عالم کا "لَا أَدْرِيْ" کہنا دراصل اُس کے علم میں ترقی کا ذریعہ ہے کہ اُس کی بنا پر اُس کے دل میں تحقیق کا بھرپور داعیہ پیدا ہوتا ہے؛ لیکن اگر کوئی عالم اپنی سستی کی وجہ سے اور محنت سے جان چراتے ہوئے ہر سوال کے بارے میں "لَا أَدْرِيْ" (میں نہیں جانتا) کہنے کا معمول بنالے تو یہ طریقہ ہرگز پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اِسی معنی کے اعتبار سے علامہ یاقوت الحموی رحمۃ اللہ علیہ نے "لَا أَدْرِيْ" کہنے کو "ردی علم" قرار دیا ہے۔ (اُن کا مقصد یہ ہے کہ عالم دین کو بافیض ہونا چاہئے، یہ نہ ہو کہ کوئی بھی سائل اُس سے فیض یاب نہ ہوسکے؛ بلکہ اُسے اپنے علم میں جلا پیدا کرنی چاہئے، اور لوگوں کی صحیح رہنمائی میں دریغ نہیں کرنا چاہئے، اور کوشش کے باوجود بھی کسی بات کا علم نہ ہوسکے تو اب "لَا أَدْرِيْ" کہنا چاہئے) (معالم ارشادیہ ۳۳۳-۳۳۴)

فقیہ الامت سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا طرزِ عمل

ایک ایسے مسئلے میں جس کی کوئی صریح دلیل سامنے نہ ہو، ایک محقق عالم کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اِس کے متعلق فقیہ الامت سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرزِ عمل سے ہمیں بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ "ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی؛ لیکن اُس کا کوئی مہر مقرر نہیں کیا، پھر رخصتی سے پہلے ہی اُس شخص کی وفات ہوگئی، تو اُس عورت کے مہر اور وراثت کا کیا حکم ہوگا؟" یہ مسئلہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اَولاً جواب دینے میں توقف کیا، اور لوگوں سے پوچھتے

رہے کہ تمہارے پاس اِس کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو پیش کرو، کبھی فرماتے کہ یہ مسئلہ کسی اور شخص سے پوچھ لو، تقریباً ایک مہینے تک آپ معذرت کرتے رہے۔ تو لوگوں نے اخیر میں عرض کیا کہ حضرت! آپ کا شمار پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے، آپ کے علاوہ ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جس سے رجوع کریں، تو مجبوراً آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ کہہ کر فتویٰ دیا کہ اگر وہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ وحدہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میرے اور شیطان کی طرف سے ہے، اور اللہ اور اُس کے رسول اس سے بری ہیں۔ پھر یہ مسئلہ بتایا کہ ''اُس عورت کو بلاکم و کاست پوری مہر مثل ملے گی اور وہ عدت گذارے گی، اور اپنے مرحوم شوہر کی طرف سے حسب ضابطہ وارث بھی ہوگی''۔ جب آپ یہ مسئلہ بتا چکے تو قبیلہ اشجع کے کچھ حضرات کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے اُسی مجلس میں گواہی دی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ہلال بن مرہ الاشجعی'' کی بیوہ ''بِرْوَعْ بنت واشق'' کے بارے میں بعینہٖ یہی فتویٰ دیا تھا جو آپ نے دیا ہے۔ تو راوی کہتا ہے کہ اِس گواہی کو سن کر سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے کہ اُن کا فتویٰ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فیصلے کے موافق ہوگیا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ (معالم اِرشادیہ ۳۳۴-۳۳۵)

ضروری تیاری کے بغیر بحث ہرگز نہ کریں!

یہاں ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلانا مناسب ہے کہ اُستاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کو متنبہ کرے کہ وہ کسی بھی مسئلے میں کسی سے اُس وقت تک بحث نہ کرے جب تک کہ اُس موضوع سے متعلق اُسے پوری معلومات حاصل نہ ہوں؛ خواہ اُس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے؛ حتیٰ کہ اجتماعی، اقتصادی یا سیاسی موضوع ہی کیوں نہ ہو، بغیر تحقیق کے گفتگو میں ہرگز حصہ نہ لیا جائے؛ بلکہ کوئی پوچھے تو صاف طور پر اپنی لاعلمی کے اظہار میں عار محسوس نہ کرے: کیوں کہ یہ مشاہدہ ہے کہ جو شخص تیاری کے بغیر ایسی بحثوں میں حصہ لیتا ہے وہ خود ہی (دوسرے سے مرعوب ہوکر) راہِ حق سے ہٹ کر گمراہ ہوجاتا ہے، اور دوسروں کو بچانے کے بجائے خود

غرق ہو جاتا ہے، یہ سب تیاری کے بغیر بحث بازی کا نتیجہ ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۳۵-۳۳۶)

نوٹ:- بلاشبہ یہ بہت ہی اہم نصیحت ہے، آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ پختہ علم کے بغیر فرقِ باطلہ کے لوگوں سے مباحثہ اور مناظرہ کرنے کا اِقدام کرتے ہیں، وہ بالآخر خود ہی شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ اُن کے پاس اپنی کم علمی کی بنا پر فریق مخالف کے شبہات کا اطمینان بخش جواب نہیں ہوتا، اس لئے عافیت کا راستہ یہی ہے کہ جن کے پاس پختہ علم نہ ہو وہ معاملہ پختہ کار علماء کے حوالے کر دیں اور کج بحثی سے احتراز کریں۔ (مرتب)

غیر متعلق شخص کی معلومات کا اعتبار نہ کیا جائے

خلاصہ یہ کہ عالم اور طالب علم کو اِس بات سے شرم آنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح علم کے بغیر وہ کسی دینی مسئلے میں زبان کھولے اور بحث کرے۔ اِسی کے ساتھ اُسے اِس بات سے بھی شرمانا چاہئے کہ وہ اس مسئلے میں جہالت اور لاعلمی پر قائم رہے؛ بلکہ اُسے معتبر مشائخ واَساتذہ سے رجوع کر کے اپنی جہالت دور کرنی چاہئے۔ گویا کہ:

الف:- بحث کے مالہ وماعلیہ کو جانے بغیر کسی سے مناظرہ نہ کرے۔

ب:- اور جس بحث سے اَب تک واقف نہ ہو اور اُس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو تو اُس میں گیرائی پیدا کرنے کی فکر کرے، لاعلمی پر اکتفاء نہ کرے (تاکہ آئندہ ضرورت کے وقت معذرت نہ کرنی پڑے)

ج:- اور ایک اہم بات یہ ہے کہ مسئلے کی تحقیق اُسی شخص سے کرے جو اُس کا اہل ہو، ایسا نہ ہو کہ فقہی یا مالی مسئلہ عربی زبان کے اُستاذ سے پوچھنے لگے، یا دقیق نئے مسئلے کی تحقیق ایسے فقیہ سے کرنے لگے جو حالاتِ زمانہ سے واقفیت نہ رکھتا ہو (کیوں کہ نااہل سے تحقیق کرنے سے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ اور معاملہ اُلجھ جائے گا) (معالم اِرشادیہ ۳۳۶)

ساتویں فصل:

اپنے کو کبھی اَساتذہ سے مستغنی نہ سمجھیں!

اُستاذ کی ذمہ داریوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ طالب علم کو متنبہ کرے کہ وہ کبھی بھی اِس وہم میں نہ رہے کہ وہ بس چند سال پڑھ کر اس قابل ہوگیا ہے کہ وہ علمی مجالس میں سوالات کا جواب دے سکے، اور سوشل میڈیا پر آ کر دینی بیانات کرنے لگے؛ حالاں کہ جس علم کو وہ مکمل سمجھ رہا ہے، حقیقت میں وہ بالکل ابتدائی مرحلے میں ہے، اور وہ ابھی اَساتذہ سے استفادہ کرنے سے ہرگز مستغنی نہیں ہوا ہے۔

اِس طرح کا وہم آج کل اکثر نوخیز طلبہ بلکہ فارغین مدارس وجامعات کو ہوجاتا ہے۔ (جس کی وجہ سے اُن کا علم سطحی رہتا ہے اور اُنہیں گیرائی نصیب نہیں ہوتی) (معالم اِرشادیہ ۳۴۷)

''انگور کے بور سے پہلے کشمش بننا'' پسندیدہ نہیں

منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسفؒ نے حضرت امام صاحبؒ سے اِجازت اور اطلاع کے بغیر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا، جب حضرت الامام رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک سمجھ دار شخص کو حضرت امام ابویوسفؒ کی مجلس میں چند سوالات اور اُن کے جوابات سکھا کر بھیجا، اور یہ کہا کہ وہ ان کا جواب ''ہاں'' یا ''نہ'' جس میں بھی دیں تو مجلس میں اُس کی تغلیط کرنا اور پھر صحیح مسئلہ بتانا؛ چناں چہ اُس شخص نے حضرت امام ابویوسفؒ کے درس میں جا کر درج ذیل پانچ سوالات کیے:

سوال (۱):- اگر قصار (دھلائی کرنے والا) اَولاً مستاجر سے کپڑا وصول کرنے کا

سرے سے انکار کردے، پھر بعد میں تقاضا کرنے پر اُسے دھوکر واپس کرے تو وہ اُجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

(تو حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے اولاً یہ جواب دیا کہ ''وہ اُجرت کا مستحق ہوگا''۔ یہ جواب سن کر اُس شخص نے کہا کہ ''آپ کا جواب غلط ہے''۔ تو حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''وہ اُجرت کا مستحق نہیں ہوگا''۔ اِس جواب کی بھی اُس شخص نے تغلیط کی، اور پھر صحیح حکم بتاتے ہوئے کہا کہ ''اگر کپڑا دھونے والے نے انکار کرنے سے پہلے ہی کپڑا دھولیا ہو تو وہ اُجرت کا مستحق ہوگا، اور اگر انکار کے بعد کپڑا دھویا ہے تو وہ اُجرت کا حق دار نہیں ہوگا''۔)

سوال (۲):- نماز کی ابتدا عملِ فرض سے ہوتی ہے یا عملِ سنت سے؟

(اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے اَولاً حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''فرض'' یعنی تکبیرِ تحریمہ سے نماز کا آغاز ہوتا ہے''۔ تو اُس شخص نے کہا کہ ''یہ جواب صحیح نہیں ہے''۔ تو اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''سنت'' یعنی رفع یدین سے نماز شروع ہوتی ہے''۔ اِس جواب کی بھی سائل نے تغلیط کی، اور پھر خود یہ جواب دیا کہ ''دراصل نماز کا آغاز بیک وقت فرض اور سنت یعنی تکبیر تحریمہ اور رفع یدین دونوں سے ہوتا ہے''۔)

سوال (۳):- اگر چولہے پر رکھی ہوئی سالن کی دیگچی میں کوئی پرندہ گر کر مر جائے تو اُس گوشت اور سالن کو کھایا جائے گا یا نہیں؟

(اِس کے جواب میں حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''اُس گوشت اور سالن کو کھایا جائے گا''۔ تو اُس شخص نے جواب کی تغلیط کی، پھر حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''اُسے نہیں کھایا جائے گا'' اِس کو بھی مذکورہ شخص نے غلط قرار دیا، اور پھر یہ مسئلہ بتایا کہ ''اگر دیگچی میں پرندہ گرنے سے پہلے گوشت پک چکا تھا تو اُسے تین مرتبہ دھوکر کھانے کی اِجازت ہوگی، اور شوربے کو پھینک دیا جائے گا۔ اور اگر گوشت پکنے سے پہلے ہی پرندہ گر چکا ہے تو ایسی صورت میں گوشت اور سالن دونوں کا کھانا درست نہ ہوگا''۔)

سوال (۴):- اگر کسی مسلمان کی حاملہ ذمیہ (یہودی یا نصرانی) بیوی کا انتقال ہو جائے تو اُسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا یا ذمیوں کے قبرستان میں؟

(اِس کے جواب میں حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''اُس ذمیہ عورت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جائے گا''۔ یہ جواب سن کر سائل نے کہا کہ ''جواب غلط ہے''۔تو حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ''ذمیوں کے قبرستان میں اُسے دفنایا جائے گا''۔ اِس جواب کو بھی سائل نے غلط قرار دیا،تو حضرت اِمام ابو یوسفؒ حیران رہ گئے۔ پھر اُس شخص نے صحیح مسئلہ بتاتے ہوئے کہا کہ ''اُس ذمیہ حاملہ عورت کو یہودیوں کے قبرستان میں اِس طرح دفنایا جائے گا کہ اُس کا چہرہ قبلے کی مخالف جانب ہوگا؛ تا کہ اُس کے پیٹ میں جو مسلمان کا بچہ ہے اُس کا رخ قبلہ کی طرف ہو سکے؛ کیوں کہ حالت حمل میں بچہ کا رخ ماں کی پیٹھ کی طرف ہوتا ہے''۔)

سوال (۵):- اگر کسی شخص کی اُم ولد باندی نے اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے نکاح کر لیا پھر مولیٰ کا انتقال ہو گیا،تو کیا اُس پر مولیٰ کی وفات کی عدت ہوگی؟

(اِس سوال کا جواب دیتے ہوئے اَولاً حضرت اِمام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اُس اُم ولد پر مولیٰ کی طرف سے عدت واجب ہوگی''۔ اِس جواب کی مذکورہ شخص نے تغلیط کی۔تو حضرت اِمام ابو یوسفؒ نے دوسرا جواب دیا کہ ''اُس پر عدت واجب نہیں ہوگی''، اِس جواب کو بھی مذکورہ شخص نے غلط قرار دیا۔ پھر صحیح مسئلہ بتاتے ہوئے کہا کہ ''اگر اُم ولد کا شوہر اُس سے جماع کر چکا ہے تو آقا کی طرف سے عدتِ وفات واجب نہیں ہوگی، اور اگر جماع نہیں کیا ہے تو اُس پر عدتِ وفات لازم ہوگی''۔) (الاشباہ والنظائر لابن نجیم، الفن السابع / الحکایات والمراسلات ۵۸۷-۵۸۸ دار الفکر بیروت)

یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر حضرت امام ابو یوسفؒ کو اپنی کوتاہی پر تنبہ ہوا اور وہ حضرت الامام ابو حنیفہ کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوئے،تو حضرت الامامؒ نے ان سے یہ تاریخی جملہ اِرشاد فرمایا جو بعد میں ضرب المثل بن گیا کہ ''تَزَبَّبْتَ قَبْلَ أَنْ تُحَصْرِمَ''؟

(یعنی تم انگور کا بور بننے سے پہلے ہی کشمش بننے کو تیار ہو گئے؟)

اس جملے کی تشریح یہ ہے کہ "اَلْحِصْرِمُ" انگور کے ابتدائی دانے کو کہتے ہیں، جس میں کوئی مٹھاس نہیں ہوتی، اور "زَبِیْبٌ" انگور کا وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں اُس کی مٹھاس مکمل ہو جاتی ہے۔ اَب ظاہر ہے کہ جو شخص ابتدائی دانے سے ہی مٹھاس تلاش کرنے کی کوشش کرے گا، وہ اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ اِسی طرح جو شخص نوخیزی کے زمانے میں ہی اپنے کو اپنے بڑوں سے مستغنی سمجھنے لگے گا وہ کبھی بھی کمال کو نہ پہنچے گا۔

نیز "تاریخ بغداد" اور "آداب الفقیہ والمتفقہ" میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ سخت بیمار ہو گئے، تو حضرت امام ابو حنیفہؒ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور جب آپ کو نہایت مضمحل دیکھا تو کئی مرتبہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا، پھر اِرشاد فرمایا کہ: "لَقَدْ كُنْتُ اٰمُلُکَ بَعْدِيْ لِلْمُسْلِمِيْنَ، وَلَئِنْ أُصِبْتَ لَيَمُوْتَنَّ عِلْمٌ كَثِيْرٌ" (یعنی میں اپنے بعد مسلمانوں کے لئے تمہاری ذات سے بہت اُمید رکھتا تھا، اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو تمہارے ساتھ بہت سا علم رخصت ہو جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کو صحت وعافیت سے نوازا، اور وہ بیماری سے شفایاب ہو گئے، تو لوگوں نے آپ کے متعلق حضرت اِمام اَعظمؒ کے مذکورہ تبصرہ کا ذکر کیا، جسے سن کر حضرت امام ابو یوسفؒ کو اپنی اہمیت کا احساس ہوا اور لوگوں کی نظر میں بھی اُن کی قدر و عظمت بڑھ گئی، تو آپ نے خود اپنی الگ فقہی مجلس شروع فرما دی اور حضرت امام اعظمؒ کی مجلس میں حاضری نسبۃً کم کر دی، تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اُن کے متعلق دریافت فرمایا، تو آپ کو بتایا گیا کہ اُنہوں نے آپ کا تبصرہ سننے کے بعد اپنی مجلس الگ قائم کر لی ہے۔

چناں چہ حضرت امام اعظمؒ نے اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بلایا اور اُسے مکلّف کیا کہ وہ حضرت امام یعقوب (ابو یوسفؒ) کی مجلس میں جا کر یہ سوال کرے کہ اگر کسی شخص نے اپنا کپڑا دھونے کے لئے قصار (ڈرائی کلینر) کو دیا اور ایک درہم کی اُجرت طے کی؛ لیکن جب وہ کپڑا

لینے گیا تو قصار نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس تمہارا کوئی کپڑا نہیں ہے۔ پھر کپڑے کے مالک نے اُس سے دوبارہ آ کر تقاضا کیا تو اُس نے دھلا دھلایا کپڑا اُسے واپس کیا؟ تو سوال یہ ہے کہ اُس کو دھلائی کی اُجرت ملے گی یا نہیں؟

اِس کے جواب میں اگر حضرت امام ابو یوسفؒ فرمائیں کہ اُسے اُجرت ملے گی، تو کہنا کہ یہ جواب صحیح نہیں، اور اگر یہ کہیں کہ وہ اُجرت کا مستحق نہیں ہے تو بھی یہی کہنا کہ آپ کا جواب غلط ہے۔ چناں چہ وہ صاحب حضرت امام ابو یوسفؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے، اور حضرت امام اعظمؒ کے حکم کے مطابق سوال کیا، اور حضرت کے دونوں جوابوں کی تغلیط کی۔

یہ ماجرا دیکھ کر حضرت امام ابو یوسفؒ اُسی وقت مجلس سے اُٹھ کر حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کو دیکھتے ہی حضرت الامامؒ نے فرمایا کہ ''قصار'' کے مسئلے ہی نے اِس وقت تمہیں یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے عرض کیا کہ ''جی اِسی مقصد سے حاضری ہوئی ہے''، تو امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ''جو شخص اجارہ اور کرایہ داری کا ایک معمولی مسئلہ نہ بتا سکے وہ اپنی فقہی مجلس الگ قائم کرتا ہے؟'' (یہ کیسی عجیب بات ہے) الخ۔ اُس کے بعد آپ نے بطور تربیت یہ پر حکمت جملہ اِرشاد فرمایا: ''مَنْ ظَنَّ أَنَّهٗ يَسْتَغْنِي عَنِ التَّعَلُّمِ فَلْيَبْكِ عَلٰى نَفْسِهٖ'' (یعنی جو شخص اپنے کو طلب علم سے مستغنی سمجھے تو اُسے اپنے آپ پر بس رونا ہی چاہیے) (معالم اِرشادیہ ۳۳۹-۳۴۰، الاشباہ والنظائر ۵۸۸ دار الفکر بیروت)

ہمہ دانی کا دعویٰ صحیح نہیں

مشہور محدث اِمام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ جا کر اِمام سلیمان اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثوں کو جمع کیا، اور اپنی دانست میں یہ سمجھنے لگا کہ میں نے اِمام اعمشؒ کی ساری روایتوں کا اِحاطہ کر لیا ہے۔ اِسی زعم کے ساتھ میں نے بصرہ کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر (اپنے اُستاذ گرامی) محدث کبیر اِمام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، حضرت نے پوچھا کہ ''تمہارے پاس جو علم ہے اُسے پیش کرو''، تو میں نے بہت ہی خود اعتمادی کے ساتھ

عرض کیا کہ: "مَا أَحَدٌ يُفِيدُنِي عَنِ الْأَعْمَشِ شَيْئًا" (یعنی اَب کوئی شخص امام اعمشؒ کی روایات میں سے کوئی ایسی روایت مجھ سے بیان نہیں کرسکتا جو میرے علم میں نہ ہو) میرے اِس جواب پر حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سخت آگ بگولہ ہو گئے، اور فرمانے لگے کہ "تم جیسے آدمی کو ایسی گفتگو ہرگز روا نہیں ہے، اِس طرح کے دعوے اہل علم کی شایانِ شان نہیں ہیں، پورے علم کا اِحاطہ بھلا کون کرسکتا ہے؟"۔

پھر آپ نے فرمایا کہ "کیا تمہارے پاس کوئی لکھنے کی چیز ہے؟" جب میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ روایت لکھو!" میں نے عرض کیا کہ "مجھے مہلت دیجئے کہ میں اپنے حافظے پر زور ڈالوں، شاید یہ روایت پہلے سے میرے پاس موجود ہو" تو آپ نے فرمایا کہ "میں صرف وہی روایتیں تمہیں املاء کراؤں گا جو تمہارے علم میں نہ ہوں گی"؛ چناں چہ آپ نے اُسی وقت ۳۰؍ ایسی حدیثیں امام اعمش کی سند سے مجھے لکھوائیں جو اُس سے پہلے میرے علم میں نہ تھیں۔

اُس کے بعد آپ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ "آئندہ ایسا دعویٰ مت کرنا"۔

اِمام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ اتفاق یہ کہ اِس واقعہ کے ایک سال کے بعد اِمام المناسک سلیمان شاذکونیؒ میرے پاس آئے اور یہ کہنے لگے کہ چلو! اِمام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کے پاس جاکر مناسک کے بارے میں اُن کو زچ کرنے کی کوشش کریں گے؛ چناں چہ ہم دونوں حضرت ابن مہدیؒ کے پاس پہنچ گئے اور حضرت سلیمان شاذکونیؒ کی زبان سے شروع ہی میں یہ جملہ نکل گیا کہ "مَا يُفِيدُ أَحَدُنَا فِي الْحَجِّ شَيْئًا" (یعنی حج کے مسائل میں کوئی ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتا) اُن کی یہ بات سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بہت ناراض ہوئے، اُس کے بعد حضرت سلیمان شاذکونیؒ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "اُس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے طوافِ زیارت کے علاوہ سب مناسک ادا کرلئے ہوں، پھر وہ اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا تو اَب اُس کے لئے کیا حکم ہے؟" تو حضرت سلیمان شاذکونیؒ نے جواب دیا:

"یَتَفَرَّقَانِ حَیْثُ اجْتَمَعَا وَیَجْتَمِعَانِ حَیْثُ تَفَرَّقَا" (جہاں وہ جمع ہوئے وہاں سے الگ ہوں گے اور جہاں جدا ہوئے وہاں جمع ہوں گے) تو حضرت ابن مہدیؒ نے پوچھا کہ "کب جمع ہوں گے اور کب الگ ہوں گے؟" تو سلیمان شاذکوئیؒ خاموش رہ گئے۔

(اہم تشریح از مرتب:- اِس واقعہ میں "یَتَفَرَّقَانِ حَیْثُ اجْتَمَعَا وَیَجْتَمِعَانِ حَیْثُ تَفَرَّقَا" کا جو جملہ آیا ہے اُس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی حاجی طوافِ زیارت سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلے، تو اُس پر بدنہ (اُونٹ یا گائے) واجب ہوتا ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک اُس کے اور بیوی کے درمیان حج کے بقیہ اَرکان اَدا کرنے تک تفریق لازم ہوتی ہے۔ اور یہ حکم دیا جاتا ہے کہ بیوی شوہر سے الگ اطمینان بخش ساتھیوں کے ساتھ اَرکان اَدا کرے اور شوہر الگ ادا کرے۔ پھر جب سب اَرکان ادا ہوجائیں تو دونوں ساتھ ہوجائیں۔

یہ تو اُس صورت میں ہے جب کہ وقوفِ عرفہ کے بعد اور طوافِ زیارت سے پہلے جماع کی بات پیش آئی ہو۔ اور اگر وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع کیا تو "بدنہ" واجب ہونے کے ساتھ ساتھ حج فاسد ہوجائے گا، اور اِس فاسد حج کے مابقیہ اَرکان اِس حالت میں اَدا کیے جائیں گے کہ میاں بیوی دونوں الگ رہیں گے۔ اُس کے بعد اگلے سال (یا کبھی بھی) جب اِس فاسد حج کے بدلے میں حج کیا جائے گا، تو اَب اہلِ علم کا اِس بارے میں اختلاف ہے کہ میاں بیوی میں جو تفریق ہوگی وہ کہاں سے ہوگی؟ اور کب تک رہے گی؟ کیا احرام ہی کی حالت سے تفریق لازم ہے یا اُس جگہ سے تفریق کی جائے گی جہاں اُس سے پچھلے حج میں جماع کا صدور ہوا تھا؟ تو اِس طرح کے کئی سوالات تھے، اِسی لئے جب حضرت سلیمان شاذکوئیؒ نے اِس کے جواب میں یہ اثر پیش کیا کہ: "یَتَفَرَّقَانِ حَیْثُ اجْتَمَعَا وَیَجْتَمِعَانِ حَیْثُ تَفَرَّقَا" تو اِمام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ نے اُن سے سوال کیا کہ اگر آپ کے پاس اِس بارے میں کسی صحابی کا اثر ہو تو وہ پیش کرے کہ اِن دونوں کے لئے کب ساتھ رہنا درست ہوگا اور کب جدائی ضروری ہوگی؟ کیوں کہ مذکورہ جملہ: "یَتَفَرَّقَانِ حَیْثُ اجْتَمَعَا" الخ پورا جملہ تو مطلق ہے، جس میں

زمانے اور جگہ کی تفصیل نہیں ہے؛ لہٰذا اِس تفصیل پر تمہارے پاس صحابہؓ وتابعینؒ کے آثار میں سے کوئی صریح دلیل ہو تو وہ پیش کرو، اُن کی اِس بات کا حضرت سلیمان شاذ کوئیؒ کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اِس لئے وہ خاموش رہ گئے) (مستفاد: دروس للشیخ محمد المنجد/ المکتبۃ الشاملۃ الحدیثۃ) (واضح ہو کہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ بالاصورتوں میں بیوی سے تفریق کا حکم واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے۔کما افادہ فی البحر العمیق ۲/۸۷۸) (مرتب)

بہرحال اِمام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی مجلس میں مسائل کا املاء کرانا شروع کیا؛ یہاں تک کہ ہم نے ۳۰/ایسے مسائل لکھے، جن میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک یا دو حدیثیں مروی تھیں، اور آپ بیچ بیچ میں یہ فرماتے جاتے تھے کہ ”میں نے اِس مسئلے کے بارے میں حضرت اِمام مالکؒ سے پوچھا، اور یہ مسئلہ میں نے اِمام سفیان ثوریؒ سے معلوم کیا، اور عبید اللہ بن الحسن العنبریؒ سے معلوم کیا، وغیرہ“۔

پھر جب یہ حضرات چلنے لگے تو آپ نے وعدہ لیا کہ ”آئندہ ایسے ہمہ دعوے مت کرنا“۔اُن کے اِس وفورِ علم پر سلیمان شاذ کوئیؒ حیران رہ گئے، اور یہ تبصرہ کیا کہ ”مہدی کی پیٹھ سے پیدا ہونے والے اِس شخص (عبدالرحمٰن بن مہدی) کی حالت عجیب ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ حضرت اِمام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ اور عبید اللہ بن الحسنؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے بے جھجک روایتیں بیان کررہا ہے“۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ نادر واقعات اپنے اندر بہت سی نصیحتیں اور عبرتیں رکھتے ہیں، اور یہ دراصل اَساتذہ کی طرف سے شاگردوں کی حسن تربیت کی روشن مثالیں ہیں، اِن اَساتذہ کی حیثیت اُس ماہر ڈاکٹر کی طرح ہے جو بیماریوں کو پہچان کر مریضوں کا بہتر علاج کرتا ہے۔(معالم اِرشادیہ ۳۴۰-۳۴۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اہم نصیحت

علامہ ابوالحسن الماوردی الشافعی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اَمیر المؤمنین خلیفہ دوم سیدنا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ”تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوا لِلْعِلْمِ السَّكِينَةَ وَالْحِلْمَ وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ تَعَلَّمُونَ مِنْهُ لِيَتَوَاضَعَ لَكُمْ مَنْ تُعَلِّمُونَهُ“ (یعنی علم دین سیکھنے کے ساتھ ساتھ سکینت اور حلم و بردباری بھی سیکھو، اور اپنے اساتذہ کے سامنے تواضع اختیار کرو؛ تاکہ تمہارے شاگرد تمہارے سامنے متواضع رہیں) (معالم إرشادیہ ۳۴۲)

بعض سلف کا مقولہ

سلف صالحین سے مروی ہے کہ ”مَنْ تَكَبَّرَ بِعِلْمِهِ وَتَرَفَّعَ وَضَعَهُ اللّٰهُ بِهِ، وَمَنْ تَوَاضَعَ بِعِلْمِهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهِ“ (جو شخص اپنے علم کی وجہ سے دوسروں پر بڑائی اور فوقیت کا اظہار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسی علم کے ذریعہ اُسے ذلیل فرمادیں گے، اِس کے برخلاف جو شخص علم میں تواضع کا مظاہرہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے سربلندی سے نوازیں گے)

دراصل جو لوگ علم میں تکبر کرتے ہیں اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُن کی نظر اپنے سے کم علموں کی طرف ہوتی ہے، اور اپنے سے اوپر درجہ کے علماء سے وہ نظریں پھیرے رہتے ہیں؛ حالاں کہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ کوئی شخص علم میں کتنا ہی کامل درجہ تک پہنچ جائے؛ لیکن دنیا میں اُس سے زیادہ جانکار بھی ضرور مل جاتا ہے؛ اِس لئے کہ پورے علم کا اِحاطہ کرنا کسی اِنسان کے بس میں نہیں ہے۔ (معالم إرشادیہ ۳۴۲)

دیہاتیوں کے تبصرہ نے آنکھیں کھول دیں

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ بات سے بات نکلتی ہے، تو میں یہاں پر ایک انتہائی عبرت آموز واقعہ نقل کرتا ہوں، جس میں ایک دیہاتی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بڑے عالم کی تادیب وتربیت کا بہترین نمونہ پایا جاتا ہے۔ یہ واقعہ خود فقہ شافعی کے عظیم فقیہ اور حافظ مذہب علامہ ماوردیؒ (جنھوں نے ۱۸ر جلدوں میں فقہ شافعی کی عظیم کتاب ”الحاوی“ کی تالیف فرمائی ہے) نے خود ذکر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

”میں نے بیع وشراء کے مسائل میں ایک کتاب تصنیف کی، جس میں میں نے حتی الامکان

دیگر کتب سے اِستفادہ کرتے ہوئے مسائل جمع کیے، اور بہت زیادہ محنت کی، جب یہ کتاب تیار ہوگئی تو مجھے بہت خوشی ہوئی، اور میں سوچنے لگا کہ شاید میں اِس طرح کے مسائل پر سب سے زیادہ عبور رکھنے والا ہوگیا ہوں۔ اِسی دوران مجھ سے ملنے کے لئے دو دیہاتی شخص آئے؛ جنہوں نے جنگل بیابان میں آپس میں بیع کا عقد کیا تھا، جو چند شرائط پر مشتمل تھا، اور اُس سے چار مسئلے متعلق تھے؛ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ اُن میں سے کسی بھی مسئلے کا جواب اُس وقت مجھے مستحضر نہ تھا؛ چناں چہ میں اُن کے سامنے عبرت کا نمونہ بن کر سر جھکا کر بیٹھ گیا، اُن دیہاتیوں نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس ہمارے مسئلہ کا جواب نہیں ہے؟ تو جب میں نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا، تو وہ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کر چلے گئے کہ ''افسوس ہے! آپ اپنی جماعت کے قائد اور رہبر ہونے کے باوجود ہمارے سوال سے لاعلم ہیں''۔

پھر وہ دونوں ایک ایسے عالم کے پاس گئے جس کا علم میری نظر میں میرے بہت سے شاگردوں سے بھی کم تھا؛ لیکن اُن صاحب نے اُن دیہاتیوں کو بلا کسی جھجھک کے فوری طور پر اطمینان بخش جواب دیا؛ چناں چہ وہ دونوں اُن کے جواب سے خوش ہوکر اور اُن کے علم کی تعریف کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

یہ ماجرا میرے لئے انتہائی عبرت آموز تھا؛ گویا کہ وہ لوگ میرے لئے سراپا نصیحت بن کر آئے تھے، جس کے سبب اُن کے سامنے میرے نفس کی ہیکڑی جاتی رہی، اور خود پسندی نے سپر ڈال دی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے توفیق عطا ہوئی اور میں ہدایت سے نوازا گیا''۔

(معالم اِرشادیہ ۳۴۲-۳۴۳)

(علامہ ماوردیؒ کا مذکورہ واقعہ کو بذاتِ خود اِس تفصیل سے ذکر کرنا عبرت آموز ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت موصوف کی اعلیٰ درجہ کی تواضع اور کسر نفسی کی دلیل بھی ہے؛ کیوں کہ اگر یہ کسر نفسی نہ ہوتو آدمی اِس طرح کے واقعات کو لوگوں کے سامنے ہرگز اُجاگر نہیں کرسکتا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقی تواضع سے مالا مال فرمائیں، آمین۔ (مرتب)

آٹھویں فصل:

علمی مباحثہ میں انصاف کا دامن نہ چھوڑیں

حضراتِ اَساتذۂ کرام کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی اِس اَنداز پر تربیت کریں کہ وہ علمی بحث ومباحثہ میں ضد اور ہٹ دھرمی کے بجائے انصاف پسندی کے عادی بن جائیں؛ حتیٰ کہ اگر اُن کی زبان وقلم سے کوئی غلطی صادر ہوجائے تو حق واضح ہونے پر اُنہیں غلطی سے رجوع کرنے اور حق بات کو قبول کرنے میں کوئی عار محسوس نہ ہو۔ اِس بارے میں سلف صالحین اور اکابر ومشائخ کے بے شمار واقعات وآثار موجود ہیں، جن کا اِحاطہ دشوار ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۴)

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی اِنصاف پسندی

اِس سلسلے میں اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا روشن کردار ہمارے لئے یقیناً قابل تقلید ہے؛ چناں چہ محدث کبیر اِمام ابویعلیٰؒ نے اپنی مسند کبیر میں حضرت مسروقؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہوئے، اور خطاب کے دوران فرمایا کہ ’’کسی بھی عورت کا مہر چار سو درہم سے زیادہ ہونا میرے علم میں نہیں آنا چاہئے‘‘ جب آپ خطاب فرماکر منبر سے نیچے تشریف لائے تو ایک خاتون نے عرض کیا کہ ’’کیا آپ نے لوگوں کو چار سو سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے؟‘‘ حضرت عمرؓ نے اِس کی تصدیق فرمائی، تو خاتون نے عرض کیا کہ ’’کیا آپ نے قرآنِ کریم کی یہ آیت ﴿وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ نہیں سنی؟ (جس میں کثیر مقدار میں بلا کسی تحدید کے عورت کو مال دینے کی طرف اِشارہ ہے)

خاتون کی یہ بات سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ نے بے جھجک فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ غَفْرًا، کُلُّ النَّاسِ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ'' (اے اللہ معاف فرمایئے! سب لوگ عمر سے زیادہ دینی سمجھ رکھنے والے ہیں) پھر آپ واپس منبر پر تشریف لائے اور دوبارہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو سے زیادہ مہر باندھنے سے منع کیا تھا؛ لیکن اَب میں کہتا ہوں کہ جو شخص جتنا چاہے خوش دلی سے عورت کو مال دے سکتا ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۴-۳۴۵)

(ایک ادنیٰ خاتون کے توجہ دلانے پر اپنی بات سے برملا رجوع کر لینا بلاشبہ اعلیٰ درجہ کی تواضع اور اِنصاف پسندی کی دلیل ہے) (مرتب)

اِنصاف پسندی علم حقیقی کی برکات میں سے ہے

حضرت اِمام ابن عبد البرؒ نے بہت شدت کے ساتھ علم میں اِنصاف پسندی کی تاکید فرمائی ہے، اور اِس کی خلاف ورزی پر نکیر کی ہے۔ آپ کا اِرشاد ہے: ''مِنْ بَرَكَةِ الْعِلْمِ وَآدَابِهٖ: اَلإِنْصَافُ فِيْهِ وَمَنْ لَمْ يُنْصِفْ لَمْ يَفْهَمْ وَلَمْ يَتَفَهَّمْ'' (یعنی علم کی برکت اور اُس کے آداب کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس میں انصاف پر قائم ہو، اور جو اِنصاف کی صفت سے محروم ہو وہ نہ تو صحیح بات سمجھتا ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۴۵)

منصف مزاج لوگ کم یاب ہیں

اِنصاف پسندی بہت اعلیٰ درجہ کی صفت ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اِمام عبد البرؒ نے اِمام دار الہجرۃ حضرت اِمام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''مَا فِيْ زَمَانِنَا شَيْءٌ أَقَلَّ مِنَ الإِنْصَافِ'' (ہمارے زمانے میں اِنصاف سب سے زیادہ کم یاب ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۴۵)

(ذرا غور کیجئے! جب حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بارے میں یہ اِرشاد فرمارہے ہیں تو آج کیا حال ہوگا؟) (مرتب)

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا طرزِ عمل

حضرت اِمام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے اُس کو جواب دے دیا، تو سائل نے عرض کیا کہ ''اَمیر المؤمنین! مسئلہ ایسے نہیں؛ بلکہ ایسے ہے''۔ تو اُس کی بات سن کر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بے تکلف فرمایا: ''تم نے صحیح کہا، میں ہی غلطی پر تھا، اور ہر عالم سے اُوپر عالم موجود ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۵-۳۴۶)

غلطی واضح ہونے پر رجوع کرنا

ابو محمد قاسم بن اصبغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے علم کی طلب کے لئے مشرق کا سفر کیا، تو میں نے شہر ''قیروان'' میں قیام کیا، اور وہاں کے محدث شیخ بکر بن حمادؒ سے حضرت مسددؒ کی حدیثیں حاصل کیں، اُس کے بعد میں نے بغداد کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین سے اِستفادہ کیا، پھر جب میں سفر سے واپس ہوا تو دوبارہ اُستاذِ مکرم ''بکر بن حماد'' کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُن سے ''مسدد'' کی جو حدیثیں پڑھی تھیں، اُن کا تکرار شروع کیا، ایک دن میں ایک حدیث سنا رہا تھا، جس میں یہ لفظ آیا: ''قَدِمَ عَلَيْهِ قَوْمٌ مِنْ مُضَرَ مُجْتَابِيْ النِّمَارِ'' (یعنی پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں قبیلۂ مضر کے کچھ لوگ آئے جو معمولی کپڑے پہنے ہوئے تھے) حضرت بکر بن حمادؒ نے یہ حدیث سن کر مجھے ٹوکا کہ یہ لفظ ''مجتابي النمار'' نہیں؛ بلکہ ''مجتابي الثمار'' (پھلوں کو چننے والے) ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں نے اندلس اور عراق میں جس اُستاذ کے سامنے یہ حدیث پڑھی، تو اِس میں ''مجتابي النمار'' ہی پڑھا گیا ہے۔ تو اوّلاً حضرت بکر بن حمادؒ نے فرمایا کہ ''اچھا تم عراق جانے کا ذکر کرکے مجھ پر فخر کرنا چاہتے ہو؟'' پھر فرمایا کہ اِس طرح کی باتوں کی تحقیق مسجد میں تشریف فرما فلاں شیخ اور محدث کے پاس مل سکتی ہے؛ چناں چہ ہم دونوں مذکورہ شیخ کے پاس پہنچے، تو اُنہوں نے میری بات کی

تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لفظ "مجتابي النمار" ہی ہے۔ اور بات یہ ہے کہ اِس زمانے میں لوگ گریبان کھلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اور "نمار" "نمرة" کی جمع ہے، جس کے معنی چھوٹی چادر کے آتے ہیں۔ مذکورہ محدث کی بات سن کر حضرت بکر بن حمادؒ نے اپنی ناک پکڑ کر دو مرتبہ اِرشاد فرمایا: "رَغِمَ أَنفِي لِلْحَقِّ" (یعنی حق کے سامنے میری ناک رگڑی گئی) اُس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۶)

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اِس واقعہ سے یہ نصیحت بھی ملی کہ بغیر تحقیق کے اپنی بات سے رجوع نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اِس طرح بلا تحقیق رجوع کرنا آدمی کی کمزوری اور خفت کی دلیل ہے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ تحقیق ایسے حضرات سے کرنی چاہیے جو اِس موضوع پر تخصص کے درجہ پر فائز ہوں، جیسا کہ بکر بن حماد نے مذکورہ محدث شیخ سے رجوع کر کے تحقیق کی، جو اُس وقت اہل اختصاص میں سے تھے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۶)

انصاف پسندی؛ بہترین صفت

شیخ محمد عوامہ مدظلہم اپنی کتاب "اَدب الاختلاف" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اِنصاف پسندی" ایک ممتاز علمی صفت ہے، جس سے طالب علم علمی حدود کے آداب پر مطلع ہونے کے بعد کاربند ہوتا ہے؛ چناں چہ امام عبد الہادی حنبلیؒ نے اپنی کتاب "جزء الجهر بالبسملة" میں تحریر فرمایا ہے: "مَا تَحَلّٰى طَالِبُ الْعِلْمِ بِشَيْءٍ أَحْسَنَ مِنَ الْإِنْصَافِ وَتَرْكِ التَّعَصُّبِ" (یعنی طالب علم انصاف پسندی اور تعصب سے بیزاری سے بڑھ کر کسی خوب صورت صفت سے آراستہ نہیں ہوتا) (معالم اِرشادیہ ۳۴۶-۳۴۷)

اِنصاف پسندی کا مفہوم

اِنصاف کے معنی وہی ہیں جو "عدل" کا مفہوم ہے، یعنی بغیر کسی کمی زیادتی اور ظلم کے حقوق کا لین دین کرنا، اور یہاں انصاف پسندی یہ ہے کہ آدمی علم، دین اور حق کے ساتھ حتیٰ

کہ مخالف رائے رکھنے والوں کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ کرے۔ اور اِس صفت کی بنیاد قرآنِ کریم کی درج ذیل آیات ہیں: (۱) ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ، يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ [النحل: ۹۰] (بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل، احسان اور رشتہ داروں کے حقوق اَدا کرنے کا حکم دیتا ہے، اور تمھیں بے حیائی گناہ اور ظلم وتعدی سے روکتا ہے، وہ تم کو نصیحت کرتا ہے؛ تاکہ تم بات سمجھ سکو)

(۲) نیز اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدة: ۸] (یعنی کسی قوم سے دشمنی تمھیں اُس سے ناانصافی پر آمادہ نہ کرے (بلکہ) بہر حال انصاف کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب کرنے والی بات ہے، اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں پر باخبر ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۴۷)

تین جامع اِیمانی صفات

حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً صحابی رسول سیدنا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اُن کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں گی، وہ سبھی اِیمانی صفات کا جامع کہلائے گا:

(۱) اَلإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِکَ (اپنے آپ سے انصاف کرنا)

(۲) وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ (بلا امتیاز سب سے سلام کرنا)

(۳) اَلإِنْفَاقُ مِنَ الإِقْتَارِ (تنگی کے باوجود راہِ خدا میں مال خرچ کرنا)

شارح بخاری حضرت حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے مذکورہ صفات کے جامع الایمان ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

الف:- جو شخص اِنصاف کی صفت سے متصف ہوگا وہ اپنے آقا یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ

کا ہر واجب حق بجالائے گا، اور جس چیز سے اُس نے منع کیا ہے اُس سے ضرور باز رہے گا۔ اور یہی بات اِیمان کے تمام شعبوں کے لئے جامع ہے۔

(شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہی میں سے یہ بات ہے کہ اُس کے بندوں کے حقوق کو بھی اَدا کیا جائے، اور اُن سے لین دین میں انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ ہی کے حقوق میں سے یہ امر بھی ہے کہ اَمانت، سچائی اور اخلاص کے ساتھ علم اور دین کا بھرپور حق اَدا کیا جائے، خاص کر جو حضرات اہل علم ہیں اُن پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے، اگر وہ مباحثہ میں انصاف سے کام لیں گے تو اُن کے لئے اور اُن سے استفادہ کرنے والوں کے لئے راہِ صواب تک پہنچنا زیادہ قریب ہوگا)

ب:- اور سلام کو عام کرنا اپنے اندر اعلیٰ اخلاق، تواضع اور دوسروں کو اپنے سے کم تر نہ سمجھنے جیسی صفات کو جامع ہے۔ نیز اِس عمل سے اُلفت اور محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔

ج:- اور تنگی کے باوجود خرچ کرنا انتہائی کرم گستری کی دلیل ہے؛ کیوں کہ جو شخص خود ضرورت مند ہونے کے وقت خرچ کرے گا، وہ وسعت کے وقت اور زیادہ خرچ کرنے والا ہوگا، اور خود اُس کا بالقصد تنگی میں رہنا اُس کے اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد، دنیا سے بے رغبتی اور اُمیدوں کی کمی پر دلیل ہے، جو آخرت کے استحضار والی باتوں میں شامل ہیں (اسی بنا پر مذکورہ صفات کو جامع الایمان قرار دیا گیا ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۴۷-۳۴۸)

اِنصاف پسند آدمی غلطی سے دور رہتا ہے

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ ''انصاف پسندی'' آدمی کو عموماً زبان وقلم کی غلطیوں سے دور رکھتی ہے، اور علمی فضولیات اور مغالطات سے بچاتی ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۸)

متعصب شخص نفس کا غلام ہوتا ہے

اور جو شخص انصاف پسندی کو چھوڑ دے، وہ دراصل اپنی نفسانی خواہش کی طرف مائل

ہونے والا ہے۔ عباسی خلیفہ المعتصم باللہ کا یہ پرحکمت مقولہ بہت مشہور ہے: ''إِذَا نُصِرَ الْهَوٰى بَطَلَ الرَّأْيُ'' (یعنی جب آدمی اپنی ذاتی خواہش کی پچ کرنے لگتا ہے تو اُس کی بظاہر اچھی رائے بھی بے وزن ہو جاتی ہے) (معالم ارشادیہ ۳۴۹)

اِمام المحدثین یحییٰ بن سعید القطان کا روشن عمل

حضرت اِمام ذہبیؒ، محدث کبیر حضرت عفان بن مسلم الصفّار کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ ''فلاس'' نے بیان کیا کہ میں نے ایک دن بذاتِ خود دیکھا کہ امام یحییٰ القطان نے مجلس میں ایک حدیث بیان کی تو شیخ عفان بن مسلم نے فرمایا کہ ''یہ حدیث اِس طرح نہیں ہے''۔ پھر جب میں اگلے روز حضرت یحییٰ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے برجستہ فرمایا کہ ''صحیح بات وہی ہے جو کل عفان نے فرمائی تھی، اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ میرے پاس کوئی بھی حدیث عفان کے علم کے خلاف نہ ہو''۔

اِس واقعہ کو ذکر کر کے علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ تھے واقعی علماء! آج ہم غور کریں کہ ہم اِس طرزِ عمل سے کتنی دور جا پڑے ہیں''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۴۹)

صرف یک طرفہ دلیل بیان کرنا گمراہی کی علامت ہے

اور انصاف کے اہم ترین واجبات میں سے یہ بات بھی ہے کہ آدمی علمی مباحثہ میں صرف یک طرفہ گفتگو نہ کرے اور جاننے کے باوجود دوسرے پہلو کو نہ چھپائے؛ کیوں کہ اہل بدعت (اور گمراہ لوگوں) کی نشانی یہ ہے کہ وہ صرف اپنی رائے کے موافق باتیں لکھتے ہیں اور مخالف دلائل کو قصداً نظر انداز کر دیتے ہیں۔

چناں چہ اِمام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے محدث کبیر اِمام وکیع بن الجراحؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ ''أَهْلُ الْعِلْمِ يَكْتُبُوْنَ مَا لَهُمْ وَمَا عَلَيْهِمْ وَأَهْلُ الْأَهْوَاءِ لَا يَكْتُبُوْنَ إِلَّا مَا لَهُمْ'' (یعنی حضرات اہل علم موافق اور مخالف سب باتیں لکھتے ہیں اور مخالف دلائل کا صحیح محمل

متعین کرتے ہیں۔ [مرتب]) جب کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ صرف اپنی تائید والی باتیں ہی لکھتے ہیں) (معالم ارشادیہ ۳۴۹)

نوٹ:- احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ اہل باطل اور گمراہ فرقوں کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے مطلب کی باتیں تو بڑے زور وشور سے لکھتے اور بیان کرتے ہیں اور اِس کے مقابل دلائل کو یا تو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے یا کرتے ہیں، تو زبردستی اُسے غیر معتبر قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے سننے والا بھی شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اِس کے برخلاف اہل حق کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اختلافی مسائل میں دونوں طرح کے دلائل ذکر کرتے ہیں، پھر مضبوط بنیاد پر کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے حق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ یہ بات اکابر فقہاء اور شارحین اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں جا بجا ملاحظہ کی جا سکتی ہے) (مرتب)

نویں فصل:

جمہور علمائے حق کے منہج پر قائم رہیں

اور اَساتذۂ کرام کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو جمہور علماء کے منہج اور اُن کے افکار ونظریات سے ہرگز ہٹنے نہ دیں، اور اُن کو سلف صالحین کے علم وعمل پر مضبوطی سے کاربند رکھیں، اور اُنہیں بعض سلف سے منقول شاذ اقوال وآراء یعنی ''نوادر العلماء'' سے دور رہنے کی تاکید کریں۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۰)

(کیوں کہ اصل علم وہی ہے جو عمومی طور پر علماء سے منقول ہو۔ اِس کے مقابلے میں شخصی اور ذاتی شاذ آراء کی اہمیت نہیں ہے۔ بعض حضرات کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نادر ونایاب مضامین اور روایات بیان کرنے کو کمال سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ یہ اصل کمال نہیں، کمال یہ ہے کہ آدمی معروف ومشہور علم کو آگے تک پہنچانے کی فکر کرے۔ (مرتب)

اِمام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کا قیمتی ملفوظ

جلیل القدر محدث اِمام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا درج ذیل مقولہ بہت مشہور ہے، جو ہر وقت یاد رکھے جانے کے لائق ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

(۱) لَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ أَخَذَ بِالشَّاذِ مِنَ الْعِلْمِ. (علم میں شاذ ونادر اقوال کو لینے والا شخص اِمام اور مرجع نہیں بن سکتا)

(۲) لَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوٰى عَنْ كُلِّ أَحَدٍ. (جو شخص بلا تحقیق ہر کس

ونا کس سے علم حاصل کرے وہ علم میں مقتدیٰ نہیں بن سکتا)

(٣) لَا يَكُونُ إِمَامًا فِي الْعِلْمِ مَنْ رَوَى كُلَّ مَا سَمِعَ. (اور جو ہر سنی ہوئی بات آگے روایت کرنے لگے وہ بھی علم میں اِمامت کے مقام پر فائز نہیں ہوسکتا) (معالم اِرشادیہ ٣٥٠)

رخصتوں کی تلاش؛ بددینی کا دروازہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِمام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اِرشاد کہ ''جو شخص نادر ونایاب اور شاذ اَقوال کو اختیار کرے، وہ مقتدیٰ نہیں بن سکتا''۔ یہ اُن سب صورتوں کو شامل ہے جب کہ کوئی عالم یا طالب علم اُن شاذ اَقوال پر خود عمل کرے یا دوسروں کو فتویٰ دے؛ خواہ اُس قول کا تعلق عقیدے سے ہو یا عام معاملات سے، اُن سب سے بچنا راہِ حق پر اِستقامت اور سلامت روی کے لئے لازم اور ضروری ہے۔

حضرت اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عراق کے مالکی اِمام قاضی اسماعیل بن اسحاقؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''میں ایک مرتبہ عباسی خلیفہ معتضد باللہ کی خدمت میں گیا، تو اُنہوں نے مجھے ایک تحریر دی، جب میں نے اُسے پڑھا تو پتہ چلا کہ اُس میں علماء کی غلط آراء سے منتخب کر کے مختلف معاملات میں رخصتوں کو جمع کیا گیا تھا، اور اپنی دانست میں اُن کی دلیلیں بھی دی گئی تھیں، تو میں نے خلیفہ سے کہا کہ ''امیر المؤمنین اِس کتاب کا مصنف زندیق اور بددین ہے''۔ معتضد باللہ بولے کہ ''کیا اِس میں جو حدیثیں لکھی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ ''حدیثیں تو صحیح ہوسکتی ہیں؛ لیکن بات یہ ہے کہ اِن میں سے جس شخص نے ''نبیذ'' کو حلال کہا ہے، اُس نے ''متعہ'' کو حلال نہیں کہا، اور جس نے ''متعہ'' کو حلال کہا ہے، اُس نے ''گانے'' اور ''نشہ'' کی اِجازت نہیں دی، اور دنیا میں کوئی عالم ایسا نہیں ہے جس سے کوئی نہ کوئی غلطی صادر نہ ہوئی ہو۔ پس جو شخص علماء کی زلات کو جمع کر کے اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا، اُس کا دین جاتا رہے گا''۔

میری یہ بات سن کر معتضد باللہ نے اُس تحریر کو جلانے کا حکم دے دیا۔ (معالم اِرشادیہ ٣٥۴-٣٥٥)

(آج بھی بہت سے لوگ ہر مسئلے میں آسانی اور سہولت ڈھونڈنے کے لئے ضعیف، مرجوح اور شاذ اَقوال کا سہارا لیتے ہیں، یہ طریقہ ہرگز صحیح نہیں ہے، اِس سے سطحیت اور سہولت پسندی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، جو بہر حال ناپسندیدہ ہے) (مرتب)

یہ دین کی توہین ہے

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "مفید النعم" میں لکھتے ہیں کہ "جو مفتی شریعت میں بے جا سہولت تلاش کرے، اور بالخصوص اُمراء کے سامنے ایسی رخصتیں پیش کرے جو عام لوگوں کے سامنے پیش نہیں کی جاتیں، یہ دراصل اُس کی طرف سے اللہ کے دین کی اِہانت کی نشانی ہے۔ اور جس میں العیاذ باللہ ایسا رجحان پایا جائے، وہ انجام کار اِلحاد اور بددینی تک پہنچا دیتا ہے"۔

علامہ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقالے "اللامذهبية قنطرة اللادينية" (لامذہبیت بددینی کا پل ہے) میں لکھتے ہیں کہ "ہر اِمام کے اَقوال میں سے رخصت والا قول اختیار کرنا اور ائمہ کی آراء میں سے صرف اپنی خواہش کے موافق رائے کو لینا یہ سراسر خواہش نفس کی پیروی ہے، اُس کا دین سے کوئی تعلق نہیں؛ خواہ اُس کو اختیار کرنے والا کوئی بھی ہو"۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۵-۳۵۶)

ذاتی غرض سے رائے بدلنا؟

ابن ابی العوام نے "فضائل ابی حنیفہؒ" میں علی بن الحسن ابن شقیقؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے اِمام الفقہاء والمحدثین حضرت اِمام عبداللہ ابن المبارکؒ سے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف اَقوال کے متعلق سوال کیا کہ "کیا وہ سب کے سب صحیح ہیں؟" تو آپ نے فرمایا کہ "صحیح تو ایک ہی ہے؛ لیکن جو غیر صحیح اَقوال ہیں اُن کا حضراتِ صحابہ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا" (کیوں کہ وہ اجتہادی اَقوال ہیں)

تو میں نے عرض کیا کہ ''اگر کوئی شخص صحابہ کے اَقوال میں سے کوئی قول اختیار کرلے، تو کیا وہ معتبر ہوگا؟'' تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ ''اُمید ہے کہ اُس کا اعتبار کیا جائے گا، اِلا یہ کہ کوئی شخص کسی ایک قول کو حق سمجھ کر اختیار کرلے، پھر اُس کے سامنے کوئی ذاتی ضرورت پیش آئے، جس کی بنا پر وہ اُس اختیار کردہ قول کو چھوڑ کر دوسرا اپنے موافق قول اختیار کرے تو اِس کی گنجائش نہیں ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۶)

(تو معلوم ہوا کہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مسلک اور رائے بدلنا سراسر بے دینی اور ممنوع ہے؛ گویا کہ اُس شخص نے دین کو اپنے تابع بنالیا ہے، نعوذ باللہ من ذلک) (مرتب)

عالم کی بے راہ روی زیادہ خطرناک ہے

اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زیاد سے فرمایا کہ ''کیا تمہیں معلوم ہے کون سی باتیں اِسلام کی بنیاد کو ڈھانے والی ہیں؟'' پھر خود ہی اُن کی وضاحت فرمائی کہ وہ تین چیزیں ہیں:

(۱) زَلَّةُ عَالِمٍ (عالم کی غلطی)

(۲) جِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ (منافق شخص کا قرآن کے ذریعہ جھک بازی کرنا)

(۳) أَئِمَّةٌ مُضِلُّوْنَ (گمراہ کرنے والے حکام اور علماء) (سنن الدارمی حدیث: ۶۷۵)

شیخ ابو علی الکرابیسی رحمۃ اللہ علیہ - جو علم کلام اور فقہ وحدیث کے اِمام ہیں - نے بعض سلف کے اَقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ''ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ''یہ بھی تو اہل علم ہیں'' (تو اُن کی رائے لینے میں کیا حرج ہے؟) تو اُس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ ''ایک عالم کی بے راہ روی سے اِسلام کی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے، جب کہ ایک ہزار جاہلوں کی بکواس سے اِسلام پر کوئی فرق نہیں پڑتا''۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ ''عالم کی غلطی کو اِسلام کے لئے زیادہ خطرناک قرار

دینے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اُس کی غلط بات کو حماقت و جہالت سے حق اور صحیح قرار دینے کی اور اُس کے مخالف اَقوال کو غلط اور باطل قرار دینے کی نازیبا کوشش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے حق بات کی ناقدری ہوتی ہے؛ لیکن اگر عالم کی بے راہ روی کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے، یا تذکرہ کر کے تردید کی جائے (جیسا کہ اہلِ حق کا طریقہ ہے) تو اِس سے اِسلام پر کوئی اثر نہیں پڑتا''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۸)

عالم کی غلطی کی مثال

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''جامع'' میں اِرشاد فرمایا ہے کہ ''عالم کی غلطی کی مثال دریا میں کشتی ٹوٹنے کے مانند ہے کہ جب کشتی ڈوبتی ہے، تو اُس کے ساتھ سب سوار بھی ڈوب جاتے ہیں''۔ (معالم ارشادیہ ۳۵۸)

(اِسی طرح جب عالم غلطی کرتا ہے تو اُس کی پیروی کرنے والے بہت سے لوگ بھی اُس کے ساتھ غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں) (مرتب)

عالم کی غلطی کا پتہ کیسے چلے گا؟

اَب سوال یہ ہے کہ یہ اَندازہ کیسے لگایا جائے کہ عالم کی فلاں بات غلط ہے؟ تو اِس بارے میں صحابیِ رسول سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک پرنور اِرشاد سے بڑی روشنی ملتی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی معتبر اور ثقہ عالم سے کوئی ایسی بات صادر ہو، جسے لوگ دل سے قبول نہ کریں، اور زبان پر اِس طرح کے جملے آئیں کہ ''یہ کیا بات کہہ دی گئی؟'' تو سمجھ لیا جائے کہ یہ کوئی الگ بات ہے جو قابلِ توجہ نہیں؛ کیوں کہ اِس میں حق کا نور شامل نہیں۔

اِس سلسلے میں ایک تفصیلی روایت ''سنن ابی داؤد'' وغیرہ میں منقول ہے کہ یزید بن عمیرہؒ - جو مشہور تابعی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد ہیں - فرماتے ہیں کہ سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب بھی کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے، تو یہ جملہ ضرور اِرشاد

فرماتے کہ: ''اَللّٰهُ حَكَمٌ عَدْلٌ'' (یعنی اللہ تعالیٰ عدل وانصاف والے حاکم ہیں) تو ایک دن آپ نے اپنی مجلس میں اِرشاد فرمایا کہ ''تمہارے پیچھے ایسے فتنے رونما ہوں گے، جن میں مال کی بہتات ہوگی، اور قرآن ایسا عام ہو جائے گا کہ مؤمن ومنافق، آزاد وغلام، مرد وعورت اور بڑے چھوٹے سب اُسے پڑھنے لگیں گے، تو اُنہیں میں سے ایک شخص یہ کہے گا کہ میں قرآن پڑھتا ہوں؛ لیکن کوئی میری بات نہیں مانتا، تو اللہ کی قسم یہ لوگ اُس وقت تک میری پیروی نہیں کریں گے، جب تک کہ میں اُن کے سامنے کوئی نئی بات نہ پیش کروں''۔ (یعنی جب تک کوئی لفظی یا معنوی جدت نہ پیدا کی جائے، اُس وقت تک لوگوں کا میری طرف متوجہ ہونا مشکل ہے)

تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تم لوگ بدعت اور نئی بات سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے''۔

اُس کے بعد اِرشاد فرمایا: ''وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيمِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُولُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلٰى لِسَانِ الْحَكِيمِ، وَقَدْ يَقُولُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ''. (میں تمہیں سمجھ دار عالم کی کج روی بات سے ڈراتا ہوں؛ کیوں کہ شیطان کبھی عالم کی زبانی ناحق بات کہلا دیتا ہے، اور کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے)

یزید بن عمیرہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ''عالم کبھی گمراہی کی بات کہتا ہے، اور منافق کبھی سچی بات کہہ دیتا ہے''۔ (اِس سے آپ کی کیا مراد ہے؟)

تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ قیمتی نصیحت اِرشاد فرمائی: بَلٰی! اِجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيمِ الْمُشْتَهِرَاتِ الَّتِي يُقَالُ: ''مَا هٰذِهِ؟'' وَلَا يَثْنِيَنَّكَ ذٰلِكَ عَنْهُ، فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ أَنْ يُرَاجِعَ وَيَلْقَى الْحَقَّ إِذَا سَمِعَهُ، فَإِنَّ عَلَى الْحَقِّ نُورًا. (سنن أبي داؤد، كتاب السنة / باب في لزوم السنة ٦٣٣/٢ رقم: ٤٦١١ رشيدية دهلي) (ہاں! عالم حکیم کی ایسی مشہور باتوں سے پرہیز کرو جن کے متعلق یہ کہا جائے کہ ''یہ کیسے کہہ دیا؟'' لیکن محض اِس کی وجہ سے تم اُس عالم

سے روگردانی مت کرنا؛ اِس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع کر لے، اور حق بات کو سن کر اُسے قبول کر لے؛ کیوں کہ حق بات میں ایک قسم کا نور ہوتا ہے)

اِمام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نصیحت سے یہ معلوم ہوا کہ ''اگر کسی اہل حق عالم سے کوئی خطا ہو جائے، تو اُس کی بنا پر اُس سے بالکلیہ اعراض نہیں کرنا چاہئے، بس صرف اُس قول سے اجتناب کرنا چاہئے جس پر حق کا نور نہ ہو۔ اور حق کا نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی تائید کتاب وسنت، اِجماع یا قیاس سے ہوتی ہو''۔

خلاصہ یہ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے اِرشاداتِ عالیہ میں دو طبقوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

(۱) وہ جماعت جو اِسلام سے بالکلیہ خارج اور بدعت پر چلنے والی ہو (تو اُس سے پوری طرح بچنے کا حکم دیا)

(۲) دوسرے وہ جماعت جس میں اِیمان اور حکمت پائی جائے؛ لیکن اتفاقاً کوئی غلطی صادر ہو جائے۔

تو اِس دوسری جماعت کو پہلی کے ساتھ ملحق نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ اُس میں جو ہدایت اور خیر کی باتیں ہیں، اُنہیں اختیار کیا جائے۔ اور جو شاذ اور بے دلیل باتیں ہیں اُن سے پرہیز کیا جائے۔ اور بے دلیل ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ''اہل علم اُس بات پر سوالیہ نشان قائم کریں؟''۔ (اِس کے برخلاف جو حق بات ہوگی اُس کی چوں کہ دلیل سے تائید ہوگی، اِس لئے اُس پر کوئی سوال قائم نہ ہوگا)۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۸-۳۶۰)

اجتہادی غلطی کی وجہ سے کسی عالم کو بدنام نہ کیا جائے

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعلام الموقعین'' میں اِس موضوع پر بہت شان دار بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو باتوں کا اہتمام لازم ہے:

(۱) ''اللہ تبارک وتعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآنِ مقدس اور دینِ حنیف کے

ساتھ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ جو اَقوال اور آراء نصوصِ شرعیہ کے بالکل مخالف ہوں، اُن سے پوری طرح برأت ظاہر کی جائے۔ (کیوں کہ اِس برأت کے بغیر دین اپنی اصلی شکل وصورت میں باقی نہیں رہ سکتا)

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضراتِ اَئمہ کرام اور فقہاءِ عظام کی تمام تر دینی خدمات کے اعتراف کے باوجود اُن میں سے ہر ایک کی بات کو مان لینا سب پر لازم نہیں ہے؛ تاہم اگر اُن کی کوئی بات حق کے خلاف معلوم ہو، تو اس کی وجہ سے اُن کے دیگر صحیح اَقوال کو نہ تو رد کیا جائے گا اور نہ ہی اُن پر طعن وتشنیع کرنے کی اِجازت ہوگی؛ کیوں کہ وہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ ہی اپنے اجتہاد کی بنا پر اُس قول کو اختیار کرنے میں گنہگار ہیں۔

پس ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم صریح غلط قول سے اجتناب کریں؛ لیکن صاحب قول کی اِہانت اور تحقیر سے بھی پرہیز کرتے رہیں"۔ (تلخیص: معالم ارشادیہ ۳۶۰-۳۶۱)

شاذ ونادر رائے کو اَہمیت کے ساتھ ذکر نہ کیا جائے

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے شاگردوں کی اِس اَنداز پر تربیت کرے کہ جب وہ کسی عالم کے شاذ ونادر قول کا تذکرہ کریں تو اُس کی اہمیت کو اُجاگر نہ کیا کریں، مثلاً اِس طرح نہ کہیں کہ "یہ حبر الامت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے"۔ یا "یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے ہے، جن کی سنت وشریعت کی پیروی معروف ہے"۔ یا "یہ اِمام التابعین حضرت سعید بن المسیب کی رائے ہے" یا "یہ قاضی القضاۃ اِمام شریح کا قول ہے" وغیرہ۔

کیوں کہ اگر اِس انداز میں شاذ قول کو بیان کیا جائے گا تو سننے والے کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ "اس کے بالمقابل دسیوں صحابہ اور سینکڑوں تابعین اور تبع تابعین اور ہزاروں علماء اور فقہاء نے ان اَقوال کو نظر انداز کیوں کر دیا؟ حالاں کہ اُن میں بڑے بڑے جبالِ علم موجود ہیں"۔ تو بات اصل میں یہ ہے کہ حضرات مجتہدین تو اِجتہادی معاملات میں اپنی شاذ آراء پر بھی اَجر وثواب

کے مستحق ہوں گے؛ لیکن جو شخص اُن شاذ آراء کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرے گا یا رخصتیں تلاش کرے گا تو وہ وبال کا مستحق ہوگا۔ (معالم اِرشادیہ ۳۶۵)

''ہر کہہ ومہ کی بات نقل نہ کی جائے''

محدثین کا ایک اہم اُصول یہ ہے کہ اگرچہ جو علم جہاں سے ملے اُسے لے لیا جائے؛ لیکن اُس کو آگے نقل کرنے میں احتیاط برتی جائے؛ گویا کہ علم کے دو مراحل ہیں:

(۱) تحمل اور سماع:- (یعنی دوسرے سے معلومات لینا)

(۲) اَدا اور روایت:- (یعنی حاصل شدہ معلومات کو آگے پہنچانا)

تو تحمل میں تو بہت وسعت ہے؛ لیکن آگے نقل کرنے میں اِس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ جب تک راوی کی حیثیت اور اُس کا مقام ومرتبہ معلوم نہ ہو اُس کی بات کو آگے نہ پہنچایا جائے، اور ہر سنی سنائی یا مطالعہ میں آنے والی بات پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہ کیا جائے۔

خصوصاً موجودہ دور میں جب کہ معلومات کے ذرائع بہت عام ہو چکے ہیں، طالبِ علم کو اِس سلسلے میں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے؛ بلکہ مناسب ہے کہ مطالعہ کتب میں بھی اپنے وسیع النظر اور معتبر اَساتذہ کے مشورے اور رہنمائی کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۰-۳۵۱)

محض کتاب کا نام دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''بسا اَوقات طالب علم خوش نما اور جاذبِ نظر عنوانات اور ٹائٹل دیکھ کر دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور ایسی کتابوں کو معتبر سمجھنے لگتا ہے جو سراسر گمراہیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مثلاً کتاب: ''أَضْوَاءٌ عَلَى السُّنَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ'' (جو محمود ابوریّہ کی انتہائی گمراہ کن کتاب ہے) اِسی طرح ''احمد اَمین'' کی کتابیں ''فَجْرُ الإِسْلَامِ''، ''ضُحَى الإِسْلَامِ'' یا ''ظُهْرُ الإِسْلَامِ'' وغیرہ، اِن کے ٹائٹل سے بظاہر اِسلامی مضامین کا اظہار ہوتا ہے؛ حالاں کہ اِن کتابوں کی تحریریں سراسر ملحدانہ مواد پر مشتمل ہیں۔ ایسے ہی بعض کتابیں فقہاء

ومحدثین کی خدمات کی تردید میں لکھی گئی ہیں، مثلاً: "جِنَايَةُ الْبُخَارِيِّ عَلَى الْحَدِيْثِ" یا "جِنَايَةُ الشَّافِعِيِّ عَلَى الْفِقْهِ" وغیرہ۔ اِس طرح کی کتابوں کا مبتدی طلبہ کو ہرگز مطالعہ نہیں کرنا چاہیئے؛ کیوں کہ اُن کے پڑھنے سے ذہن ودماغ میں شکوک وشبہات اور انحرافات جنم لیتے ہیں۔

اور جو حضرات حق وباطل میں تمیز رکھنے والے علماء ہوں وہ اگر شبہات کے اِزالے اور باطل نظریات کی تردید کے لئے اُن کا مطالعہ کریں، تو اُن پر لازم ہے کہ وہ ایسی کتابوں کا تعارف عوام کے سامنے نہ کرائیں، اور ایسے دقیق مضامین بھی اپنے بیانات میں پیش نہ کریں کہ عام لوگوں کی عقلیں اُن کا تحمل نہ کرسکیں۔ (معالم ارشادیہ ۳۵۱-۳۵۲)

ہر بات کا اظہار سب کے سامنے مناسب نہیں

گمراہ کن خیالات ونظریات تو دور رہے، جو سچی اور حق باتیں بھی ہوں اُن کا بھی سب کے سامنے اظہار کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے؛ بلکہ موقع ومحل اور سامعین کی صلاحیت کو دیکھ کر ہی گفتگو کی جانی چاہیئے؛ چناں چہ حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس موضوع پر ایک خاص ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: "بَابُ مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوْا" (یہ باب اس بیان میں ہے کہ کوئی علمی بات عام لوگوں کو چھوڑ کر صرف خاص لوگوں کو سنائی جائے، اِس خطرے سے کہ کہیں عام لوگ اُسے نہ سمجھ سکیں) پھر اس باب میں اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ مبارک اِرشاد سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ: "حَدِّثُوْا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، أَتُحِبُّوْنَ أَن يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ" (لوگوں کے سامنے بس وہی بات بیان کرو، جسے وہ پہچانتے اور سمجھتے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اُس کے پیغمبر کو جھٹلایا جائے) (معالم اِرشادیہ ۳۵۲-۳۵۳)

(اِس روایت کی شرح میں علامہ حافظ ابن حجر العسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے کہ ایسی باتیں اور روایات؛ جن کی وجہ سے عوام عقیدے یا عمل کے اعتبار سے فتنے میں پڑ سکتے ہوں، اُن کو بیان کرنے میں احتیاط کی جائے، اور یہ بات سلف صالحین سے ثابت ہے کہ اُنہوں

نے علم ہونے کے باوجود ایسی اَحادیث کو عام نہیں فرمایا، جن سے غلط معانی نکال کر اُمت میں فکری یا عملی انتشار کا خطرہ تھا، مثلاً صفاتِ خداوندی سے متعلق اَحادیث یا حاکم وقت کے خلاف خروج کرنے سے متعلق روایات، یا عجیب وغریب مضامین پر مشتمل اَحادیث۔ خلاصہ یہ کہ علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا کوئی عمل نہ کریں، جس سے اُمت میں انتشار کا اندیشہ ہو۔

احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ بہت ہی اہم تنبیہ ہے، جس کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے زمانۂ سابق میں بھی بڑے بڑے فتنے رونما ہوئے، اور موجودہ دور میں بھی انتہائی مضر اور نقصان دہ مناظر سامنے آئے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مجمع کی رعایت کئے بغیر ہر طرح کی ضروری اور غیر ضروری باتیں اور روایات لوگوں کے سامنے بیان کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے گمراہیاں پھیلتی ہیں اور فکری اور عملی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، اِس لئے خصوصاً واعظین اور مقررین کو عوام کے سامنے دقیق مضامین اور قابل تشریح اَحادیث وروایات کو اِجمالاً بیان کرنے کے بجائے سیدھی سادی اور عام فہم تعبیرات ہی پیش کرنی چاہئیں۔ (مرتب)

علم کے لئے عقل ضروری ہے

واضح رہنا چاہئے کہ محض معلومات کی کثرت قابل تعریف اَمر نہیں ہے؛ بلکہ اِس کے ساتھ کمالِ عقل بھی ضروری ہے، جس سے عالم فیصلہ کرے کہ کون سی معلومات کب اور کہاں پیش کرنی چاہئیں؟ اور جس کو اِس بات کی تمیز نہ ہو، اُس کا علم قابل تعریف نہیں ہے، اِسی لئے اہل علم کی مدح میں یہ کلمات منقول ہیں کہ: ”فُلَانٌ عَقْلُهٗ أَكْبَرُ مِنْ عِلْمِهٖ“ (یعنی فلاں صاحب کی عقل اُن کے علم سے بڑھی ہوئی ہے) اِس کے برخلاف مذمت کے موقع پر یہ جملہ کہا گیا ہے کہ: ”فُلَانٌ عِلْمُهٗ أَكْبَرُ مِنْ عَقْلِهٖ“ (یعنی فلاں کا علم اُن کی عقل سے بڑھا ہوا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۵۳)

(اور ظاہر کہ جب عقل سے زیادہ علم ہوگا تو انحرافات اور زلات کا خطرہ بھی بڑھ جائے گا، نعوذ باللہ منہ) (مرتب)

❍❖❍

دسویں فصل:

فقہی معاملات میں عوام کے ساتھ رویہ کیسا ہو؟

روشن دماغ اُستاذ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو حکمت کے ساتھ علاقہ کے عوام کے ساتھ پیش آنے کی باقاعدہ تربیت دے کہ وہ جن صحیح اَحکام واَعمال پر قدیم زمانے سے عمل کرتے آرہے ہیں (اور وہ شریعت کے بالکل خلاف نہیں ہیں، اور اجتہادی قسم میں داخل ہیں) اُن کو اسی پر باقی رکھا جائے اور اپنے مواعظ وخطبات، افتاء اور نجی مجالس میں اُن کے خلاف محاذ آرائی نہ کی جائے، اور اُن کو اپنے خیال میں زیادہ راجح بات کی طرف آنے پر مجبور نہ کیا جائے؛ کیوں کہ اِس طرزِ عمل سے عوام میں تشویش اور فتنہ پھیلتا ہے۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ یہ صورتِ حال بعض اُن طلبہ کو پیش آتی ہے، جو کسی ایسے ملک میں جاکر تعلیم حاصل کرتے ہیں، جہاں فقہی مسائل میں توسع ہوتا ہے، پھر جب وہ اپنے ملک میں واپس لوٹتے ہیں، جہاں کے لوگ کسی خاص فقہ (مثلاً فقہ حنفی) پر عامل ہوتے ہیں، اور ایک ہی مسلک کو وہ جانتے ہیں، تو یہ طالب علم اپنے اہل وطن کے بارے میں تشویش میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور اُن کی تغلیط پر ساری محنتیں صرف کرتا ہے، اور اِس بارے میں عقل وتدبر سے کام نہیں لیتا، جس کی بنا پر وہ علم خود اُس کے لئے اور اُس کے ملک والوں کے لئے وبال بن جاتا ہے، اور بسا اَوقات نوبت یہاں تک آجاتی ہے کہ لوگ اُس طالب علم کو گمراہ قرار دیتے ہیں، اور یہ طالب علم سبھی بستی والوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔

حالاں کہ طالب علم کو چاہئے کہ وہ ایسے مسائل میں جن کی کوئی صحیح توجیہ وتاویل سلف سے منقول ہے، اُن میں تشدد سے کام نہ لے؛ بلکہ لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے، اور اُس کا یہ

طرزِ عمل نہ تو بدعت ہے اور نہ ہی دین پر ثبات قدمی کے منافی ہے؛ بلکہ دیکھا جائے تو ایسے معاملات میں سلف صالحین کا طرزِ عمل اِسی طرح کی کشادہ قلبی کا رہا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۶۶)

(آج کل بکثرت یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص تعلیم یا کسی اور غرض سے کسی خلیجی ملک میں جا کر کچھ عرصہ گذارتا ہے، اور وہاں کے ماحول سے متأثر ہوکر جب وطن واپس لوٹتا ہے، تو اپنے وطن میں سیکڑوں سالوں سے فقہ حنفی پر عمل کرنے والوں اور اُس کے مطابق نماز وغیرہ پڑھنے والوں کے خلاف باقاعدہ محاذ کھول دیتا ہے، جس کی بنا پر گلی گلی اور محلے محلے بحثیں رونما ہوتی ہیں؛ حالاں کہ فقہ حنفی کے سبھی مسائل کسی نہ کسی صریح دلیل یا نصوص سے ثابت شدہ اُصول پر مبنی ہیں، اُن کو بیک زبان غلط قرار دینا کسی انصاف پسند عالم کی شان نہیں ہے) (مرتب)

ہر علاقہ کے لوگ اپنے ہم وطن علماء کی طرف رجوع کریں

حضرت اِمام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''سنن'' میں نقل کیا ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے اِمام حمید الطّویلؒ نے عرض کیا کہ ''اگر آپ سب علاقے کے لوگوں کو ایک ہی فقہ پر جمع کردیں تو بہت بہتر ہو''۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اِرشاد فرمایا کہ ''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان دینی مسائل میں کوئی اختلاف ہی نہ ہو''۔ پھر آپ نے تمام علاقے کے ذمہ داروں کو یہ فرمان بھیجا: ''لِيَقْضِ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ فُقَهَائُهُمْ'' (یعنی سب لوگ اپنے علاقے کے فقہاء کے متفقہ قول کے مطابق فیصلے کریں)

اور علامہ ابوزرعہ دمشقیؒ نے سلیمان بن حبیبؒ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ اَولاً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ اِرادہ فرمایا کہ ''سارے علاقے کے لوگوں کو ایک ہی مسلک ومشرب پر جمع کردیا جائے، اور سبھی شہروں میں بس ایک ہی فقہ جاری ہو''۔ بعد اَزاں غور کرنے کے بعد فرمایا کہ ''ہر شہر اور علاقے میں کوئی نہ کوئی صحابی یا اُن کے شاگرد تشریف لے گئے، اور وہاں اُنہوں نے مسائل واحکام بیان کئے اور فیصلے فرمائے، جن کو لوگوں نے بسر وچشم قبول کیا، اور وہی باتیں وہاں عرصہ سے رائج ہیں، تو اُن کو اپنے حال پر چھوڑے رکھنے میں ہی عافیت اور

مصلحت ہے''۔ یہ فرمانے کے بعد آپ نے اپنا سابقہ اِرادہ ملتوی فرمادیا۔

اور بلاشبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اِس بات کی شدید خواہش رکھتے تھے کہ دین میں سلفِ صالحین سے ثابت شدہ منہج اور طریقے سے اَدنیٰ درجہ میں بھی عدول نہ کیا جائے؛ بلکہ سب کو مانوس طریقوں پر قائم رکھا جائے، جب کہ وہ طریقہ شریعت سے بالکل الگ نہ ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۳۶۷)

حضرت اِمام مالکؒ کی اِنصاف پسندی اور دور اَندیشی

دینی معاملات میں عوام کو تشویش اور فتنہ سے بچانے کے لئے کس طرح کی وسعت ظرفی کی ضرورت ہے؟ اِس سلسلے میں اِمام دارالہجرۃ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت روشن مثال قائم فرمائی، جو آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے؛ چناں چہ اِمام ابن اَبی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ خود حضرت اِمام مالکؒ نے فرمایا کہ ''مجھ سے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ میرا اِرادہ یہ ہورہا ہے کہ میں ایک ہی نہج کے دینی مسائل جمع کرواکر تمام علاقوں کے گورنروں اور قاضیوں کے پاس بھیج دوں، اُسی کی روشنی میں سب لوگ عمل کریں، اور جو اُس کے خلاف کرے اُس کی گردن اُڑادی جائے''۔

تو میں نے اُن کی اِس رائے کے جواب میں کہا کہ:

''اے اَمیر المؤمنین! اِس کے علاوہ رائے ہو تو بہتر ہے، پھر میں نے اِس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب تک نبی اکرم علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما تھے، تو آپ مختلف علاقوں میں خود بھی تشریف لے جاتے اور صحابہ کی جماعتیں بھی بھیجا کرتے تھے، ابھی تمام علاقے فتح نہیں ہوپائے تھے کہ آپ اِس دنیا سے پردہ فرماگئے۔ اُس کے بعد خلیفہ اَول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں زیادہ فتوحات نہیں ہوئیں؛ البتہ خلیفہ دوم اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، جس کی بنا پر مختلف علاقوں میں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلم بناکر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی، پھر اُن صحابہؓ نے اُن علاقوں میں جاکر مسائل بیان کئے اور علم کی اِشاعت فرمائی، اور وہ

مسائل اُن کے شاگردوں کے واسطے سے قرناً بعد قرنٍ آج تک اُن علاقوں میں رائج اور معمول بہ ہیں، پس آج اگر اُن کو اُن کے معروف مسائل سے ہٹا کر نامانوس مسائل کی طرف محول کرنے کی آپ کوشش کریں گے، تو لوگ اسے ایک طرح سے دین میں انکار پر محمول کریں گے، اِس لئے مناسب یہ ہے کہ جس علاقے میں جو صحیح علم پہلے سے پہنچ چکا ہے، اُس پر وہاں کے لوگوں کو برقرار رہنے دیں؛ البتہ آپ اپنی ضرورت کے لئے جو آراء مناسب سمجھیں وہ اختیار کر سکتے ہیں''۔

میری یہ بات سن کر خلیفہ ابو جعفر منصور بولے کہ ''آپ کی رائے بہت گہری ہے (یعنی بہت دوراندیشی پر مبنی ہے) البتہ آپ اپنا علم میرے بیٹے محمد (جن کا لقب مہدی ہے جو بعد میں خلیفہ بھی بنے) کے لئے لکھوا دیجئے''۔

اور ''طبقاتِ ابن سعد'' میں ''مؤرخ واقدی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت اِمام مالکؒ نے فرمایا کہ ''ایک مرتبہ خلیفہ ابو جعفر منصور حج کے سفر پر آئے، تو اُنہوں نے مجھے بلایا؛ چناں چہ میں نے اُن کے پاس پہنچ کر گفتگو کی، اور اُن کے سوالات کا جواب دیا، پھر اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے جو کتاب لکھی ہے یعنی ''مؤطا''؛ اُس کے بارے میں میرا پختہ اِرادہ ہے کہ آپ اُس کا نسخہ مجھے لکھوا کر دیں، تو میں اِسلامی ممالک کے ہر شہر میں اُس کے نسخے نقل کرا کے بھیج دوں گا، اور ساتھ میں یہ فرمان جاری کروں گا کہ سب لوگ اُسی کے مطابق عمل اور فیصلے کریں، اور اُس سے مخالف آراء کو چھوڑ دیں؛ اِس لئے کہ میرے نزدیک معتبر علم وہی ہے جو اہل مدینہ سے مروی ہو''۔

تو میں نے اِس کے جواب میں کہا کہ ''اے اَمیر المؤمنین! آپ ایسا اِرادہ مت کیجئے؛ اِس لئے کہ لوگوں تک پہلے ہی سے صحابہؓ کے اَقوال پہنچ چکے ہیں، اور اُنہوں نے اَحادیث سن کر اُن کی روایت کی ہے، اور ہر علاقے میں جو بات پہلے پہنچی اُسی کو اختیار کر لیا گیا ہے، اُسی پر لوگوں کا عمل ہے، اب جس بات کو وہ صحیح سمجھ چکے ہیں، اس سے ہٹانا بہت مشکل ہے، اِس لئے لوگوں کو اُن کی رائے پر اور جس قول کو اُنہوں نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے، اُسی پر چھوڑ دیا جائے''۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! اگر آپ میری رائے پر موافقت کرتے تو میں یہ فرمان جاری کر دیتا''۔

تقریباً اِسی طرح کی گفتگو خلیفہ مہدی اور خلیفہ ہارون رشید رحمہما اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ اور حضرت اِمام مالکؒ نے سب کو یہی جواب دیا کہ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ سب کو میری کتاب مؤطا کے موافق عمل کرنے پر مجبور کیا جائے؛ کیوں کہ اِس میں اُمت کے درمیان سخت فتنہ اور تشویش کا اندیشہ ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۶۷-۳۷۱)

سبق آموز نکتے

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ حضرت اِمام مالکؒ کے اِس طرزِ عمل سے قدرِ مشترک کے طور پر چند اہم اور سبق آموز باتیں سامنے آتی ہیں:

الف:- اجتہادی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے درمیان آراء کا اختلاف ایک حقیقت ہے، اِس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور ایسے مسائل میں شریعت میں پوری اُمت کا ایک ہی رائے پر ہونا مطلوب نہیں ہے۔ اِنہی کے متعلق فرمایا گیا ہے: ''اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَلیٰ هٰذِهِ الْأُمَّةِ'' (یعنی علماء کا (اجتہادی معاملات میں) اختلاف اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے) اور بلاشبہ ہر مجتہد اپنی رائے کی حد تک مصیب سمجھا جاتا ہے۔

ب:- اِس میں ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اگرچہ خود حضرت اِمام مالکؒ مجتہد مطلق کے مقام پر فائز ہیں؛ لیکن اُنہوں نے اپنے طرزِ عمل سے اُمت کو دیگر ائمہ کے احترام کرنے کا سبق بھی دیا ہے، اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اِمام مالکؒ نے جو بھی رائے اپنائی ہوگی، وہ پوری محنت اور گیرائی کے بعد ہی اپنائی ہوگی، اور وہ اپنے اجتہاد کے اعتبار سے اُسے صحیح بھی سمجھتے ہوں گے، اِس کے باوجود اُنہوں نے مخالف آراء والوں کو اپنی رائے پر برقرار رکھنے کا مشورہ دیا، اور سارے عالم میں صرف مالکی مذہب کو رائج کرنے کے خلیفہ کے اِرادے کو منظور نہیں فرمایا۔

(بلاشبہ یہ بڑی وسعت ظرفی، انصاف پسندی اور اعلیٰ درجہ کے اخلاص کی دلیل ہے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً)

ج:- اِس سے یہ بھی سبق ملا کہ اگر شرعی اعتبار سے گنجائش ہو تو عوام کو اُن کے اختیار کردہ اجتہادی مذہب پر برقرار رکھنے اور اُنہیں فتنہ اور تشویش سے بچانے کی کوشش کرنا بھی علماء راسخین کے آداب میں شامل ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ جب خلیفہ منصور نے آپ کی ''مؤطا'' کو سارے ملک میں جاری کرنے کا عندیہ ظاہر کیا، تو حضرت الامام مالکؒ نے صاف اور واضح انداز میں اِس مشورے کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر عوام کو اُن کے اختیار کردہ مسلک سے ہٹانے کی جبریہ کوشش کی جائے گی، تو وہ اُسے کفر جیسا برا سمجھیں گے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلک پر ثابت قدم رہنا اُن کے نزدیک گمراہی نہ تھی، اور نہ اُسے تعصب اور اندھی تقلید وغیرہ کا الزام دیا جا سکتا ہے؛ جیسا کہ آج کل بعض نادانوں کی طرف سے ائمہ اربعہ کے مقلدین کے بارے میں نازیبا تبصرے کان سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ) (معالم ارشادیہ ۳۷۲-۳۷۳)

بعض نام نہاد سلفیوں کی شر انگیز حرکت

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک طرف سلف صالحین کا درج بالا منصفانہ طرز عمل ہے۔ دوسری طرف ہم اپنے زمانے میں یہ الم ناک صورتِ حال دیکھ رہے ہیں کہ بعض نام نہاد سلفی لوگوں نے تاریخ بغداد سے حضرت اِمام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع پر مشتمل تحریر نقل کر کے شائع کی، اور اُس میں ضمیمہ کے طور پر مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ''کتاب الرد علیٰ ابی حنیفہ'' (جس میں حنفیہ کے ۱۲۵/ مسائل ذکر کر کے اُن کے خلافِ سنت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے) کو بھی شامل کیا۔

پھر غضب یہ ہے کہ اِس رسالے کو ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر ہندوستان کے طول وعرض میں مفت میں تقسیم کیا گیا؛ حالاں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی اکثریت دینی وشرعی مسائل ومعاملات میں صرف فقہ حنفی پر اعتماد کرتی ہے، اور اُسی پر

عمل پیرا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۷۴)

(ظاہر ہے کہ ہندوستان جیسے حنفی اکثریتی ملک میں حضرت اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن وتشنیع والی تحریرات عام کرنے کو محض شر انگیزی اور فتنہ پروری کے علاوہ کیا عنوان دیا جاسکتا ہے؟ حالاں کہ علماء اہل سنت والجماعت اِس بات پر متفق ہیں کہ اَئمہ اَربعہ (اِمام ابوحنیفہ، اِمام مالک، اِمام شافعی اور اِمام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) میں سے کسی بھی مسلک پر عمل کرنا فی نفسہٖ ممنوع نہیں ہے۔ پھر اُن میں سے کسی مسلک کے خلاف تحریک چلانا اور جو لوگ صدیوں سے ایک طریقے پر دین سمجھ کر عمل کرتے چلے آرہے ہیں؛ اُن کو اُس کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ کرنا سلف صالحین کے طریقے کے خلاف اور ناقابل قبول ہے، ایسے بے توفیق لوگ سلف کا نام لے کر اُن کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں) (مرتب)

حضرت اِمام ابن تیمیہؒ کا ایک اہم مقولہ

دینی اِجتماعیت کے سلسلے میں شیخ الاسلام اِمام ابن تیمیہؒ (جن کو نام نہاد سلفی حضرات اپنا سب سے بڑا مقتدا سمجھتے ہیں) کا یہ مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے، موصوف اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ ”يُسْتَحَبُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَقْصِدَ إِلٰى تَالِيفِ الْقُلُوْبِ بِتَرْكِ هٰذِهِ الْمُسْتَحَبَّاتِ؛ لِأَنَّ مَصْلَحَةَ التَّأْلِيفِ فِي الدِّيْنِ أَعْظَمُ مِنْ مَصْلَحَةِ فِعْلِ مِثْلِ هٰذَا“. (مجموع الفتاویٰ ٢٢/٤٠٦-٤٠٧) (یعنی آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کے لئے مستحب اَعمال کو ترک کردے؛ اِس لئے کہ دین کی نظر میں اِجتماعیت کی مصلحت اِس طرح کے فعل کو انجام دینے کی مصلحت سے اَفضل ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۷۴)

(گویا کہ ایسے مسائل جو اُصولِ شریعت کے بالکل خلاف نہ ہوں؛ بلکہ اجتہادی حیثیت کے ہوں اور علاقے کی اکثریت اُن پر عمل کرتی ہو، تو اُن کے مخالف آراء واَقوال پر ایسا اصرار کرنا کہ اُس کی وجہ سے ملت کی اِجتماعیت پر اثر پڑجائے، ہرگز مناسب نہیں ہے) (مرتب)

حضرت اِمام سفیان ثوریؒ کا مقولہ

حضرت اِمام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ''إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ الَّذِيْ قَدْ اخْتُلِفَ فِيْهِ وَأَنْتَ تَرىٰ غَيْرَهُ فَلاَ تَنْهَهُ''. (آداب الفقيه والمتفقه ۷۶۰-۷۶۱) (یعنی جب تم کسی آدمی کو کسی (مجتہد فیہ) اختلافی مسئلے میں کسی رائے پر عمل کرتے ہوئے دیکھو اور تمہاری رائے اُس کے خلاف ہو، تو تم اُسے مت روکو) (معالم اِرشادیہ ۳۷۵)

حضرت اِمام اعظم اَبوحنیفہؒ کا اِرشادِ عالی

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت اِمام اعظم اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی (نصوص سے مستنبط) رائے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''قَوْلُنَا هٰذَا رَأْيٌ، وَهُوَ أَحْسَنُ مَا قَدَرْنَا عَلَيْهِ، فَمَنْ جَاءَ بِأَحْسَنَ مِنْ قَوْلِنَا فَهُوَ أَوْلىٰ بِالصَّوَابِ مِنَّا''. (تاريخ بغداد ۱۳/۳۵۲) (یعنی ہمارا یہ قول محض ایک رائے ہے، اور وہ حتی المقدور ہمارے نزدیک بہترین ہے؛ لیکن جو شخص ہمارے قول سے بہتر قول پیش کرے تو وہ ہماری بات سے زیادہ صحیح کہلائے جانے کے لائق ہے)

اور ''الانتقاء'' میں لکھا ہے کہ حضرت اِمام اعظم اَبوحنیفہؒ نے فرمایا: ''هٰذَا الَّذِيْ نَحْنُ فِيْهِ رَأْيٌ، لاَ نُجْبِرُ أَحَدًا عَلَيْهِ، وَلاَ نَقُوْلُ: يَجِبُ عَلىٰ أَحَدٍ قَبُوْلُهُ بِكَرَاهِيَةٍ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ أَحْسَنُ مِنْهُ فَلْيَأْتِ بِهِ''. (الانتقاء ۱۴۰) (ہم جس بات پر ہیں، یہ ایک رائے ہے جس پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص پر ناپسندیدگی کے باوجود اُسے قبول کرنا لازم ہے، پس جس کے پاس اُس سے اچھی رائے ہو تو وہ پیش کرے)

(معالم اِرشادیہ ۳۷۵)

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرۃ الامامؒ کے مذکورہ بالا اَقوال آپ کی انصاف پسندی کی روشن دلیل ہیں؛ لیکن اِس میں جو یہ فرمایا گیا کہ ''جس کے پاس اِس سے اچھی رائے ہو وہ

پیش کرے''، تو اُس کے متعلق یہ ذہن نشیں رہنا چاہئے کہ کون سی رائے حضرۃ الامامؒ کی رائے سے اچھی ہے یا اچھی نہیں ہے؟ اِس کا فیصلہ ہما شما نہیں کر سکتے؛ بلکہ اُس کے لئے اعلیٰ درجہ کی جامعیت اور علمی تبحر اور اجتہاد کی صلاحیت لازم ہے؛ لہٰذا آج اگر کوئی کم علم شخص کسی ظاہری حدیث وغیرہ کو دیکھ کر یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میری رائے حضرۃ الامامؒ کی رائے سے بہتر ہے، تو اُس کے دعویٰ کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ وہ حدیث آج معمول بہ ہے یا نہیں؟ یا اُس کے معارض کوئی نص پائی جاتی ہے یا نہیں؟ وغیرہ۔ اِس کا فیصلہ ہم اور آپ نہیں کر سکتے؛ بلکہ مجتہد ہی کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔ بریں بنا حضرۃ الامامؒ کے مذکورہ اَقوال کو بہانہ بنا کر اُن کی رائے کو ضعیف یا مرجوح قرار نہیں دیا جا سکتا؛ جیسا کہ بعض نادان لوگوں کا وطیرہ ہے) (مرتب)

اِمام اہل سنت حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ کا قول

اِمام اَہل سنت حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جو شخص نصوص میں تاویل کر کے کوئی رائے اختیار کرے، اور اُس تاویل کی فی الجملہ کتاب وسنت میں گنجائش ہو، تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے''۔ (معالم ارشادیہ ۳۷۶)

مقلدین کو اَئمہ کی تقلید کے وقت کیا پیش نظر رکھنا چاہئے؟

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک اہم بات کی طرف متنبہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ''ہر طالب علم؛ بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور سبھی عبادات ومعاملات میں درحقیقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور شریعت کے حق کو پیش نظر رکھے، اور کسی بھی عمل کو علم صحیح کے بغیر انجام نہ دے، اور جب اُس سے یہ کہا جائے کہ اِس مسئلہ کے بارے میں مثلاً حضرت اِمام اَبوحنیفہؒ کی یہ رائے ہے، اور نمازی اِمام صاحب کے قول پر عمل کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اُسے دل میں یہ شعور بیدار رکھنا چاہئے کہ وہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے طریقے کو اختیار کر رہا ہے، اور نصوص کو سمجھنے میں (اپنی کم علمی کی وجہ سے) مثلاً

حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فہم پر اعتماد کر رہا ہے (گویا کہ اصل اتباع اِمام متبوع کی نہیں؛ بلکہ شریعت محمدیہ کی ہے)

اور چوں کہ عامۃ المسلمین تمام اَحادیث شریفہ پر نہ تو مطلع ہو سکتے ہیں، اور نہ اُن کو صحیح طرح سمجھ سکتے ہیں، اِس لئے بغیر کسی سابقہ پلاننگ کے رفتہ رفتہ سب مسلمانوں نے چار مدوّن مذاہب کی پیروی پر اتفاق کرلیا، اور اُن کے علماء اُسی کے مطابق کتابیں لکھنے لگے، اور فتاویٰ دینے لگے، جس کی بنیاد پر لوگوں کو حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی کہلایا جانے لگا؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ''محمدی'' ہے؛ البتہ دین کی فہم کے اعتبار سے لوگ مسالک اربعہ میں منقسم ہو گئے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۳۷۷)

(شیخ محمد عوامہ مدظلہم کی مذکورہ بالا تنبیہ بہت اہمیت کی حامل ہے: اِس لئے کہ آج کل بہت سے آزاد خیال لوگ مقلدین عوام کو بہکانے کے لئے حنفیت اور شافعیت وغیرہ کو شریعت محمدیہ کے بالمقابل بنا کر پیش کرتے ہیں، اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ اِن اَئمہ کی پیروی شریعت کی پیروی سے الگ ہے؛ حالاں کہ یہ تعبیر سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ حقیقت وہی ہے جس کی طرف شیخ نے اِشارہ فرمایا کہ سبھی مقلدین شریعت محمدیہ کے پیروکار ہیں؛ لیکن اُنہوں نے شریعت کو سمجھنے کے لئے مذکورہ ائمہ کے علم وفہم پر اعتماد کیا ہے۔ اور چاروں اِماموں کی تعیین کے لئے بھی کوئی پیشگی منصوبہ بندی نہیں ہوئی؛ بلکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے اِن مذاہب کی مدوّن صورت سامنے آنے لگی، تو لوگ اُس سے وابستہ ہوتے چلے گئے؛ جب کہ ان کے علاوہ دیگر مجتہدین کے اجتہادات کو تکوینی طور پر مکمل تدوین کا موقع میسر نہیں آیا۔ خلاصہ یہ کہ یہ مسالک اَربعہ ہرگز دین سے الگ نہیں ہیں؛ بلکہ دین پر عمل کرنے میں عوام کو سہولت دینے والے ہیں، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا) (مرتب)

❍❖❍

گیارہویں فصل:

صرف معتبر اور مضبوط باتیں ہی بیان کریں!

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر عالم اور طالب علم کو اِس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ مستند اور معتبر احکام اور واقعات ہی کو چھانٹ کر لوگوں کے سامنے پیش کرے، جو غلط معانی اور عجائب وغرائب سے دور ہوں؛ کیوں کہ جو بات صحت کے دائرہ سے نکل جاتی ہے، وہ علم وحکمت کی حد سے بھی خارج ہوجاتی ہے؛ البتہ اگر کوئی حدیث سنداً ضعیف ہو؛ لیکن قرآنِ کریم اور دیگر احادیث سے اُس کے مضمون کی تائید ہوتی ہو، تو مناسب موقع پر اُس کو ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اِسی طرح قرآنِ کریم کی تفسیر میں بھی صرف مضبوط قول ہی کو منتخب کرنا چاہیئے۔ نیز شرعی اَحکامات خواہ اُن کا تعلق فقہ سے ہو یا عقیدہ وغیرہ سے، اُن میں بھی صرف معتمد باتوں کو ہی منتخب کرنا چاہیئے۔

اور کسی عالم کی یہ شان نہیں ہے کہ اُس کی ذات اللہ کے دین میں نادر ونایاب اور عجیب وغریب معلومات کا سرچشمہ بن جائے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۷۸)

(بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر عجیب وغریب اور نادر ونایاب روایات ومضامین پیش کرنے کو بڑا کمال سمجھتے ہیں، اور سامعین بھی ایسی باتوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں؛ حالاں کہ اصل علم نافع وہی ہے جو لوگوں میں معروف ہو، اور مستند ذرائع سے ثابت شدہ ہو، اِس لئے ہر عالم کو چاہیئے کہ وہ صرف مستند اور معروف باتیں ہی پیش کرنے کا اہتمام کرے) (مرتب)

علم اُصولِ حدیث اور اُصولِ فقہ کے فوائد

ویسے تو سبھی شرعی علوم اپنے اعتبار سے نفع بخش اور مفید ہیں؛ لیکن خاص طور پر ''فن اُصولِ حدیث'' اور ''فن اُصولِ فقہ'' میں مہارت حاصل کرنے سے خصوصاً درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) دیگر علومِ شرعیہ کی بے حد وحساب معرفت نصیب ہوتی ہے۔

(۲) معلومات کی تنقیح کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) اَحادیث وآثار اور اَقوال کو پرکھنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے کہ اُن میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟

(۴) فکر میں غیر معمولی وسعت اور روشنی پیدا ہوتی ہے۔

گویا کہ یہ دونوں علوم علومِ نقلیہ اور علومِ عقلیہ کے لئے ایک میزان اور معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۳۷۸)

غیر معتبر روایات بیان کرنے کا بڑا نقصان

اکثر دیکھا گیا ہے کہ واعظین اور خطیب حضرات اپنی عمومی اور خصوصی مجالس میں ترغیب وترہیب وغیرہ سے متعلق اَحادیث وروایات بڑے اعتماد سے بیان کرتے ہیں؛ لیکن جب اُن سے بعد میں تحقیق کی جاتی ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ وہ روایات انتہائی درجہ کی ضعیف یا بالکل من گھڑت اور ناقابل اعتبار ہیں، تو اُنہیں سن کر سننے والوں کے دلوں میں جو ایک خاص اِیمانی حرارت پیدا ہوئی تھی، جب اُنہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب روایات غیر معتبر ہیں، تو اُن کی اِیمانی کیفیت سرد ہوجاتی ہے، اور اُس واعظ وخطیب پر سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے؛ حتیٰ کہ بعض مرتبہ یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ اُس شخص کے سامنے اگر کوئی صحیح بات بھی پیش کی جاتی ہے، تو وہ اُس پر کما حقہ اثر انداز نہیں ہوتی۔

خاص کر اگر اُس روایت کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وخصائص اور

دلائل نبوت سے ہو، تو اگر سننے والے کو اُس کا من گھڑت ہونا یا نہایت کمزور ہونا معلوم ہو، تو اُسے سن کر پہلے اُس کے دل میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت، ذوق وشوق اور تعظیم واحترام میں قوت پیدا ہوئی تھی، وہ سب کافور ہو جاتی ہے، بلاشبہ یہ بہت خطرہ کی بات ہے، اور ہر عالم کو اِس سے اپنے کو بچانا چاہیے۔

اور سامعین کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی ایک خطیب غلطی کرے تو دیگر واعظین کو اُس پر قیاس نہ کریں، اور اُن ضعیف روایتوں کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کے بارے میں اَدنیٰ سے نقصان کا خیال بھی دل میں نہ لائیں؛ کیوں کہ آپ علیہ السلام کی ذاتِ عالی کی عیوب سے محفوظ اور ہر اعتبار سے قابل تکریم ہے (جن کا ثبوت معتبر دلائل سے ثابت شدہ ہے) (معالم اِرشادیہ ۳۷۸-۳۷۹)

بارہویں فصل:

حوالوں کی اصل سے مراجعت ضروری ہے

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اُستاذ کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو اِس بات کا ضرور عادی بنائے کہ وہ محولہ عبارتوں کی اُن کے اصلی ماٴخذ سے مراجعت ضرور کرلیا کریں، اور جب اُستاذ اُن سے کوئی تحقیقی مقالہ لکھوائے، تو اُنہیں پابند کرے کہ اصل مصدر سے ہی عبارات نقل کیا کریں (یعنی کسی دوسری کتاب سے نقل شدہ عبارت پر اعتماد نہ کریں)

اِس کی میں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ مثلاً میں نے کسی کتاب میں امام ذہبی رحمہ اللہ کی ''میزان الاعتدال'' کے حوالہ سے کسی راوی کی توثیق یا تضعیف کے بارے میں کوئی عبارت دیکھی، تو میرے اُوپر لازم ہے کہ میں صرف اُس عبارت پر اعتماد نہ کروں؛ بلکہ اُس کے اَصل مصدر (میزان الاعتدال) کی طرف رجوع کروں، پھر اصل کتاب میں جب میرے سامنے یہ بات آئے کہ اِمام ذہبیؒ نے اس راوی کی توثیق اِمام یحییٰ بن معینؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ اور اِمام اَبوحاتمؒ اور اِمام اَبوزرعہؒ سے فرمائی ہے، تو میرے اُوپر ضروری ہوگا کہ میں اُن اَکابر کی اصل کتابوں سے اُن کے اَقوال کی مراجعت کروں، یعنی جہاں تک ممکن ہوسکے اُس قول کے اَصل ماٴخذ تک پہنچنے کی کوشش کروں، اور محض ''میزان الاعتدال'' کے صفحہ اور راوی کے نمبر کے حوالے پر اکتفاء کرکے اُسے مثالی تحقیق نہ قرار دوں؛ بلکہ مجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ متأخرین کی کتابیں علم کے خزانے ہیں، جن کے ذریعہ ہم اَصل ماٴخذ تک پہنچ سکتے ہیں، مگر یہ متأخرین کی تصانیف مصدرِ اصلی کی حیثیت نہیں رکھتیں، جیسا کہ بہت سے طلبہ اِسی خوش گمانی میں ہیں۔

اور ایک دوسری مثال بھی پیش ہے کہ اِمام ابن حجر ہیثمیؒ نے ایک فقہی مسئلہ اِمام نوویؒ کے

حوالے سے بیان کیا، تو میں نے اِمام نووی ؒ کی ''کتاب المجموع'' کی طرف رجوع کیا، وہ مسئلہ مجھے وہاں مل گیا؛ لیکن اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے علامہ عُمرانی کی کتاب ''البیان'' کے حوالے سے نقل کیا تھا، تو ایسی صورت میں میں میرے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ میں صرف ''المجموع'' سے رجوع پر اعتماد کر لیتا؛ بلکہ میں نے ''البیان'' کی طرف رجوع کیا، جب وہاں پہنچا تو پتہ چلا کہ صاحب البیان نے وہ بات ''مختصر مزنی'' سے نقل کی ہے؛ چناں چہ میں نے بالآخر ''مختصر مزنی'' کی طرف رجوع کیا، یہی اصل ماٰخذ تک پہنچنے کا طریقہ ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۰-۳۸۱)

ڈیجیٹل علمی لائبریریوں سے استفادہ

فضیلۃ الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں کمپیوٹر اور موبائل میں موجود ڈیجیٹل لائبریریوں کے پروگرام مثلاً: (المکتبۃ الشاملۃ وغیرہ) کی حیثیت دراصل مصادر اَصلیہ کی طرف رہنمائی کرنے کی ہے؛ لہٰذا اُن پر کلی اعتبار کرنا مناسب نہیں ہے (بلکہ اُن کے ذریعہ سے اصل کتابوں اور مراجع تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اِس کے بغیر علمی رسوخ حاصل نہ ہوگا) (معالم اِرشادیہ ۳۸۰)

دوسروں کی بات نقل کرنے میں کامل احتیاط

ہر عالم اور محقق کو اِس کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے کہ جب وہ کسی دوسرے مذہب کے عالم کی بات نقل کرے تو اُن کی اَصل کتاب سے ضرور رجوع کرے، مثلاً اِمام ابوبکر جصاص رازی حنفیؒ جب اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں حنفیہ کے علاوہ کسی اور مذہب سے کوئی حکم نقل کریں، تو قاری کو چاہئے کہ اُس منقول حکم کی صحت کے بارے میں پختہ ثبوت کے لئے اُس دوسرے مذہب کی اصل کتابوں سے رجوع کرے (اور محض ''احکام القرآن'' کی بات پر اعتماد نہ کرے)

اِسی طرح علامہ کِیا الہراسی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں شافعیہ کے علاوہ دیگر مذاہب کی جو باتیں نقل کی ہیں، اُن پر کامل اعتماد جبھی ہوگا، جب کہ مذہب

کی اصل کتابوں سے اُنہیں ملا لیا جائے، یہی بات قاضی ابوبکر ابن العربی المالکیؒ کے نقل کردہ اَقوال کے سلسلے میں بھی کہی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ سبھی علوم فقہ، اُصولِ فقہ اور شروحات حدیث وغیرہ کی کتابوں میں جس مذہب کی جو باتیں نقل کی جائیں، اُن کے متعلق اُس مذہب کی خاص کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے؛ حتیٰ کہ مشائخ نے تو یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ مذہب کی کتابوں میں یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ جس باب کا جو مسئلہ ہو، اُسی باب میں تلاش کیا جائے، اور دیگر اَبواب میں ضمناً مسئلہ سے متعلق کوئی عبارت آئے تو اُس پر اعتماد نہ کیا جائے؛ تاکہ صحیح نقل میں کسی طرح کا بھی شبہ نہ رہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۱)

تحقیق و مراجعت کے عمل کا طریقہ

الف:- جس کتاب کی عبارت کی تحقیق مقصود ہو، تو اُس کے حاشیہ پر منقول عنہ کتاب کی جلد اور صفحہ لکھ دیا جائے؛ تاکہ حسب ضرورت اُس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

ب:- بعد اَزاں دونوں کتابوں کی عبارتوں کا مقارنہ کیا جائے؛ تاکہ معلوم ہوسکے کہ نقل درست ہے یا نہیں؟ اِس لئے کہ بسا اَوقات مصنفین دوسرے کی عبارتوں کو مختصر کرکے نقل کرتے ہیں، جس میں کبھی کبھی خلل بھی واقع ہوجاتا ہے، اِس لئے پوری عبارت کا مقارنہ ضروری ہے۔

ج:- اگر طباعت کی کوئی غلطی ہو تو اُس کو درست کیا جائے، اور اُس پر تنبیہ کی جائے، اِس طرح کی غلطیاں آج کل عام ہیں۔

د:- اُس کے بعد اَہم ترین مرحلہ یہ آتا ہے کہ مصنف نے منقول عنہ عبارت سے جو بات سمجھی ہے وہ محقق کی نظر میں درست ہے یا نہیں؟ تو اِس کی تمیز ہر ایک نہیں کرسکتا۔ اِس کے لئے غیر معمولی مہارت، لمبا تجربہ اور فہم کی گہرائی اور گیرائی کی ضرورت ہوتی ہے، جو طویل عرصہ اسی مشغلے میں مسلسل لگے بغیر حاصل نہیں ہو پاتی۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۱-۳۸۲)

تحقیق کی راہ کی مشکلات

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ درست منہج کے مطابق تحقیق ومراجعت کے عمل میں قدم قدم پر بڑی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، مثلاً:

الف:- ذہنی وجسمانی محنت ومشقت۔

ب:- قیمتی اَوقات صرف کرنا؛ چناں چہ بسا اَوقات کسی ایک بات کی تحقیق کے لئے گھنٹوں گھنٹوں صرف ہوجاتے ہیں۔

ج:- مال صرف کرنا؛ اِس لئے کہ کمپیوٹر پروگراموں سے استفادہ کے باوجود محقق کو اکثر اصل کتاب سے مراجعت کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جس کتاب میں بھی اُس کے مفید مطلب کی کوئی بات ملنے کی اُمید ہوتی ہے، وہ اُسے ذاتی طور پر خریدنے کی کوشش کرتا ہے، اور کبھی ایک ہی کتاب کے متعدد نسخے خریدنے پڑتے ہیں، اور کبھی اطمینان قلب کے لئے مخطوطات کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی ہے، وغیرہ۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۲-۳۸۳)

تحقیق کا اہم فائدہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ومراجعت کا سب سے بڑا فائدہ اور ثمرہ یہ ہے کہ اُس کے ذریعہ جو کوئی علمی بحث کسی خاص لفظ یا جملے کی تحقیق پر مبنی ہو، تو اُس کے متعلق صحیح اور درست پہلو سامنے آجاتا ہے، خاص کر ایسی صورت میں جب کہ مثلاً طباعت کی غلطی کی وجہ سے نفی کا حرف چھوٹ جائے اور "لَا یَصِحُّ" کے بجائے "یَصِحُّ" چھپ جائے (اور ایسا بکثرت ہوتا ہے) تو اُس کی مراجعت اور تحقیق سے صحیح صورتِ حال سامنے آجاتی ہے۔ اِسی طرح کوئی حدیث کسی کتاب کی طرف منسوب ہو؛ حالاں کہ اُس کتاب کے مطبوعہ نسخوں میں اُس کا وجود نہ ہو، تو اُس کی تحقیق سے علمی فائدہ سامنے آتا ہے۔

اِس بات کو ایک مثال سے سمجھئے کہ بالفرض میں ایک چھوٹے رسالے کی تحقیق کا اِرادہ کروں،

جس میں سو عبارات منقول ہوں، تو جب میں ہر عبارت کو اُس کے اصل مصدر سے تلاش کروں گا، اور وہ سو کی سو نقلیں مجھے بعینہٖ مل جائیں گی، تو یقیناً یہ ایک بہتر بات ہوگی، اور میں اپنی علمی ذمہ داری بجالانے کے ساتھ ساتھ اُس رسالے کے مؤلف کی بھی خدمت بجالاؤں گا (کہ اس کی وجہ سے اُن پر اعتماد میں اِضافہ ہوگا) اور مزید یہ کہ میں قارئین کا حق بھی اَدا کروں گا کہ وہ میری تحقیق کے بعد اُس رسالے کے مضامین پر اطمینان کریں گے اور اُسے معتبر سمجھیں گے۔

اور اگر بالفرض اُس رسالے کی ۹۹ نقلیں صحیح نکلیں؛ لیکن ایک نقل حوالے کے موافق نہ نکلی، تو بھی میں اُس عبارت سے اپنی ذمہ داری پوری کروں گا کہ جس منقولہ عبارت کے متعلق مؤلف یا قاری کو وہم ہوسکتا ہے، میرے عمل اور تحقیق کی وجہ سے وہ وہم دور ہوگیا، اور یہ ایسی خدمت ہے کہ اگر مؤلف کو عالم برزخ میں اُس کا علم ہوجائے گا تو وہ بھی خوش ہوں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۳)

تنبیہ میں اَدب ضرور ملحوظ رکھیں!

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تحقیق کے دوران مؤلف کی کوئی فروگذاشت نظر پڑے، تو اُس پر اَدب اور نرمی کے ساتھ متنبہ کرنا چاہیے، اُس غلطی پر اپنی جانب سے بڑائی اور غرور کا ہرگز اِظہار نہ کیا جائے؛ اِس لئے کہ بالفرض مؤلف کی ایک غلطی آپ کی نظر میں آئی ہے، تو اُس کی کیا گارنٹی ہے کہ اُس تحقیقی عمل میں خود آپ سے کوئی غلطی نہ ہوئی ہو؟

لہٰذا محقق پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان وقلم سے حفاظت سے پہلے اپنے دل کی ضرور حفاظت کرے (کہ اُس میں تکبر اور دوسرے کی تحقیر نہ در آئے) اور کسی بھی عالم کی بے توقیری بالکل نہ کرے؛ اِس لئے کہ اِسلام کے اَئمہ کا مقام بہت بلند ہے، اور یہ ایک دو نقل کی غلطیاں اُن کے صحیح نقل کردہ سمندروں کے مقابلے میں نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۴)

معتبر اور غیر معتبر عالم کا معیار

اِمام دار الہجرۃ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام التابعین حضرت سعید بن المسیب

رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ ''دنیا میں کوئی ایسا عالم یا فضل وشرافت والا کوئی ایسا شخص نہیں جس میں کوئی نہ کوئی عیب اور کمزوری نہ ہو؛ البتہ جس کی فضیلت والی باتیں کوتاہیوں سے کم ہوتی ہیں، تو اُس کے عیوب کو اُس کے فضل کی بنا پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور جس سے غلطیاں زیادہ سرزد ہوتی ہیں تو اُس کا فضل وکمال بھی رخصت ہو جاتا ہے''۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ ''لَا يَسْلَمُ الْعَالِمُ مِنَ الْخَطَاءِ فَمَنْ أَخْطَأَ قَلِيْلاً وَأَصَابَ كَثِيْرًا فَهُوَ عَالِمٌ، وَمَنْ أَصَابَ قَلِيْلاً وَأَخْطَأَ كَثِيْرًا فَهُوَ جَاهِلٌ'' (کوئی عالم غلطی سے مبرا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا؛ لیکن جس کی غلطیاں کم اور صحیح باتیں زیادہ ہوں تو وہ عالم کہلائے جانے کے لائق ہے، اور جس کی صحیح باتیں کم اور غلطیاں زیادہ ہوں تو وہ نرا جاہل ہے)

شیخ محمد عوامہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ''معتبر اور غیر معتبر عالم کی پہچان کا یہ ایسا پیمانہ ہے جس کا کوئی دانش مند انکار نہیں کر سکتا؛ لیکن اِس میں ایک شرط لگانی ضروری ہے کہ اُسی عالم کی بعض غلطیوں کی چشم پوشی کی جائے گی جو سلف صالحین کے راستے پر چلنے والا ہو، پس اگر وہ اُس راستے سے ہٹا ہوا ہو تو وہ قابل اعتبار نہ ہوگا، اور اُس کی صحیح باتوں کو بھی اِس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ اُس سے اتفاقیہ صادر ہوگئی ہیں، جیسا کہ کوئی اَناڑی شخص تیر چلا دے، اور وہ نشانہ پر لگ جائے تو اُسے ''تیر انداز'' نہیں کہا جاتا''۔ (معالم ارشادیہ ۳۸۴-۳۸۵)

اَحادیث ورواۃ کے متعلق تبصروں میں محتاط جملوں کا استعمال

اِس سلسلے میں ایک اَہم بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ محقق کو اگر محولہ بالا روایت یا حدیث دستیاب نہ ہو، تو اُسے اُس کے متعلق تبصرہ اور استدراک کرتے وقت احتیاطی اَلفاظ استعمال کرنے چاہئیں، مثلاً مصنف نے کسی حدیث کو ''صحیح البخاری'' کی طرف منسوب کیا اور محقق کو وہ روایت بخاری شریف میں دستیاب نہیں ہوئی، تو وہ اُس پر اُسی اَنداز میں تبصرہ کرے جیسا کہ ہمارے اَساتذہ نے ہمیں تربیت دی ہے، یعنی یہ کہے کہ: ''لَا أَعْرِفُهُ'' (میں اِس حدیث کو نہیں جانتا) یا ''لَا يُعْرَفُ'' (یہ حدیث معروف نہیں ہے) اِس کے برخلاف بعض

اَحادیث کے بارے میں محدثین یہ لکھتے ہیں کہ: ''لَمْ أَجِدْ لَهُ أَصْلاً'' (ہم نے اِس حدیث کی کوئی اصل نہیں پائی) یا ''لَا أَصْلَ لَهُ'' (اِس کی کوئی اصل نہیں ہے)

ظاہر ہے کہ پہلے اَلفاظ ''میں اِس حدیث کو نہیں جانتا'' اور بعد کے اَلفاظ ''اِس کی کوئی اصل نہیں ہے'' میں معنی کے اعتبار سے فرق واضح ہے، اِس میں ایک اہم علمی اور عملی سبق بھی پایا جاتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۵)

(کیوں کہ جس حدیث کو بالکل بے اَصل کہا جائے گا، وہ اِس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ حدیث کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے، جب کہ ''لَا أَعْرِفُهُ'' جیسے اَلفاظ میں صرف اپنے علم کی نفی کی جارہی ہے، تو بہت ممکن ہے کہ وہ حقیقت میں موجود ہو) (مرتب)

ایک مثال سے وضاحت

کسی بات کی نفی کرتے وقت کتنی احتیاط کرنی چاہیے؟ اِس کی ایک مثال سے وضاحت کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت اِمام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے آغاز میں یہ حدیث ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' درج فرمائی ہے، جو حضرت اِمام مالکؒ سے مروی ہے، اور یہ دراصل ''مؤطا اِمام محمد'' میں ہے (یعنی اِمام محمدؒ نے اِمام مالکؒ سے نقل فرمائی ہے) اور راوی بخاری ''ابن دحیہ'' نے اسے ''المؤطا'' کی طرف منسوب فرمایا ہے، جس پر تنبیہ فرماتے ہوئے شارح بخاری علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ ''اِس روایت کی نسبت مؤطا مالکؒ کی طرف صحیح نہیں ہے''؛ لیکن بعد میں علامہ سیوطیؒ نے حافظ ابن حجرؒ پر رد کیا کہ ''یہ حدیث مؤطا محمد میں موجود ہے، اور ''کتاب النوادر'' سے تین ورقے پہلے لکھی گئی ہے''۔ گویا علامہ سیوطیؒ نے ابن دحیہ کے قول کی تائید فرمائی اور اِس پر علامہ ابن حجرؒ پر نقد کی تردید فرمائی۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۵)

کسی روایت کی تردید آسان نہیں

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ کسی حدیث کا دوسری کتابوں سے اِثبات تو قدرے

آسان ہے؛ لیکن حدیث کی نفی کرنا بہت مشکل ہے؛ کیوں کہ اِس کے لئے سارے ذخیرۂ حدیث کے تتبع اور استقراء کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ خود جو نفی کرنے والا ہے اُس کو اُس نفی میں مہارتِ تامہ حاصل ہو۔ اِس کے باوجود کبھی بڑے ائمہ اور علماء سے بھی غلطی ہو جاتی ہے؛ جیسا کہ گذشتہ مثال میں حضرت حافظ ابن حجرؒ سے ذہول ہوا، تو پھر دیگر علماء کا کیا حال ہوگا؟ خود ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اور روایت کی نفی دو طرح سے ہوتی ہے:

الف:- صراحۃً نفی:- جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث **"إنما الأعمال بالنيات"** کے مطلقاً "مؤطا" میں ہونے کی نفی فرمادی۔

ب:- ضمنی نفی:- مثلاً محقق یہ کہے کہ "یہ حدیث ضعیف ہے"، تو یہ الفاظ اِس پر دال ہیں کہ اِس حدیث کی کوئی دوسری سند صحیح یا حسن، یا حسن لغیرہ موجود نہیں ہے، یا آپ یہ کہیں کہ "یہ حدیث غریب ہے" تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ صرف ایک ہی سند سے مروی ہے۔ یا آپ لکھیں کہ "یہ حدیث عزیز ہے" یعنی اِس کی دو سندیں ہیں، تو یہ جملے اِس بات پر دلیل ہیں کہ غریب کی مزید کوئی سند نہیں ہے، جو اُسے عزیز بنادے، اور عزیز کی مزید سند نہیں ہے کہ وہ مشہور کے درجہ میں ہو جائے۔

تو یہ ضمنی نفی بھی اُسی وقت معتبر ہوگی جب کہ ایسے اِمامِ فن کی طرف سے صادر ہو جو پورے ذخیرۂ حدیث پر نظر رکھنے والا ہو، ورنہ ایرے غیرے کی بات اِس سلسلے میں قبول نہیں کی جائے گی، اِس لئے ایسے معاملات میں بہت احتیاط اور غور وفکر کی ضرورت ہے، اور بلا وسیع تحقیق کے کسی بات کی عجلت بازی میں تردید نہیں کرنی چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۶)

❍❖❍

تیرہویں فصل:

فتویٰ نویسی کی تربیت

تمام اِسلامی علوم حاصل کرنے کا آخری درجہ یہ ہے کہ طالب علم اللہ کے دین اور شریعت کے متعلق فتویٰ دینے کی اہلیت کے مرتبہ پر فائز ہوجائے۔ بریں بنا اُستاذ اور مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ طالب علم کو فتویٰ نویسی سے متعلق ضروری اُمور سے آگاہ کرے؛ بلکہ اِس معاملے میں بذاتِ خود اُس کی تربیت کرے۔

اِس سلسلے میں سب سے پہلی اہم بات یہ ہے کہ مفتی کے سامنے جو سوالات آتے ہیں، اگر اُن کا تعلق روزمرہ پیش آنے والے واقعات ونوازل سے ہے، تو اُن کا جواب تو نسبتاً آسان ہے؛ لیکن بسا اَوقات مفتی کی خدمت میں ایسے مسائل ومعاملات پیش کئے جاتے ہیں جو بہت مشکل اور اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں؛ گویا کہ اُن کے متعلق سوالات تہہ در تہہ اور پرت در پرت ہوتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں مفتی کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ محض استفتاء کی تحریر کو پڑھ لے، یا مستفتی سے روبرو یا ٹیلی فون پر گفتگو کرلے؛ بلکہ اُس پر لازم ہے کہ وہ پوری گہرائی کے ساتھ مسئلہ پر غور کرے، اور مضمون کے بین السطور میں جو چیزیں چھپی ہوئی ہوں، یا زبانی گفتگو میں جن باتوں کو چھپایا گیا ہو، اُن کی وضاحت کرائے؛ بلکہ مستفتی کو اپنے سامنے بلاکر خود اُس سے جب تک تحقیق نہ کرلے، اُس وقت تک جواب نہ دے۔

خاص طور پر موجودہ دور میں اقتصادی اور معاشی معاملات - جو کفار نے ہم پر مسلط کررکھے ہیں - سے متعلق جدید سوالات جب سامنے آئیں، تو باخبر ماہرین سے پوری طرح سمجھے بغیر جواب میں پیش قدمی نہ کی جائے۔

اور مفتی کو چاہئے کہ وہ شریعت سے متعلق ائمہ کے اَقوال و مذاہب کی بھی کچھ نہ کچھ معرفت رکھتا ہو؛ تا کہ عوام کی ضرورت پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُن سے استفادہ کیا جاسکے؛ تاہم ایسے مواقع پر مفتی کو اکیلے اپنی رائے پر فتویٰ نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ اِجتماعی اجتہاد کی صورت اپناتے ہوئے وقت کے اَکابر علماء اور باخبر ماہرین سے مشورہ کر کے کوئی رائے قائم کرنی چاہئے۔

اور اُستاذ کو چاہئے کہ وہ بتدریج طالب علم کی تربیت سے غافل نہ رہے، اور اُن کے ساتھ ''عالم ربانی'' بن کر رہیں، جس کی ایک تعریف یہ ہے کہ ''وہ اپنے شاگردوں کو بتدریج اور بالترتیب علم سکھلاتا ہے، یعنی اَوّلاً آسان مسائل سمجھاتا ہے، اور بعد اَزاں بڑے مسائل کی طرف لے جاتا ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۷-۳۸۸)

برصغیر کے علماء و مفتیان کا اِمتیاز

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِس سلسلے میں وہ طریقہ یقیناً قابل تعریف اور موجب مسرت ہے، جس پر ہندوستان اور اُس کے اَطراف کے علماء قائم رہے ہیں۔ اُن کا طریقہ یہ ہے کہ ''مدارس سے تعلیمی فراغت کے بعد منتخب طلبہ کو ''تخصص فی الافتاء'' کے شعبے میں داخل کرایا جاتا ہے، جس میں وہ طلبہ مختلف اَساتذہ کی زیرنگرانی سال دو سال گذارتے ہیں، اُس کے بعد اُن کی صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے اُنہیں سند دی جاتی ہے''۔

ہندو پاک میں بعض اتنے بڑے بڑے مدارس ہیں جن میں صرف شعبہ افتاء میں طلبہ اور اَساتذہ کی تعداد عربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں ''شریعہ کالج'' کے اَساتذہ و طلبہ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کاش کہ یہ مبارک طریقہ عربی ممالک میں بھی جاری ہو، تو کتنا بہتر ہو؟ (معالم اِرشادیہ ۳۸۸)

برصغیر کے مدارس کے لئے شیخ محمد عوامہ کا اہم مشورہ

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ جس طرح برصغیر کے علماء اور ذمہ دارانِ مدارس نے تکمیلِ اِفتاء کے شعبے قائم کر رکھے ہیں، کاش کہ اگر وہ حضرات سنت نبویہ اور اَحادیث شریفہ سے

متعلق تخصص کے شعبے بھی قائم کریں تو بہت بہتر ہو، جس میں ماہر اَساتذۂ کرام کی نگرانی میں ''اَسماء الرجال'' پر جرح وتعدیل کی بحثیں کی جائیں، اور اَحادیث کی سندوں کے متصل یا منقطع ہونے اور متون کے صحیح یا ضعیف ہونے پر پوری گیرائی سے تحقیق ومراجعت کرائی جائے۔ اِس سے حق کی وضاحت میں بہت مدد ملے گی؛ تاہم یہ کام دیر طلب ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۸۸-۳۸۹)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ الحمدللہ برصغیر (ہندوپاک اور بنگلہ دیش وغیرہ) کے مرکزی مدارس میں ''تخصص فی الحدیث النبوی الشریف'' کے شعبے قائم کردئے گئے ہیں، جو کامیابی کے ساتھ جاری ہیں، اور روز اَفزوں ہیں) (مرتب)

مفتی کے اَہم اَوصاف وذمہ داریاں

علوم شرعیہ میں کمال حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مفتی میں درج ذیل باتوں کا پایا جانا بھی لازم ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار۔

(۲) دین کے بارے میں اَمانت اور ذمہ داری کا احساس۔

(۳) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ۔

(۴) دنیا میں پیش آمدہ معاملات ومسائل سے پوری طرح باخبر رہنا۔

(۵) مستفتی کے متعلق فراست (یعنی اُسے دیکھ کر یہ اَندازہ لگانا کہ سوال سے اُس کا منشاء کیا ہے؟)

اِس کے علاوہ بھی بہت سے آداب ہیں، جن کا یہاں تذکرہ کرنا موجب طوالت ہے۔ (اس کے لئے آدابِ فتویٰ سے متعلق کتب ورسائل کی طرف رجوع کرنا چاہئے) (معالم اِرشادیہ ۳۸۹)

فتویٰ دینے میں جلد بازی نہ کریں!

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ مفتی کو چاہئے کہ وہ فتویٰ دینے میں لاپروائی اور

جلد بازی ہرگز نہ کرے۔ خاص کر موجودہ دور میں جب کہ اکثر آن لائن سوشل میڈیا کے پروگراموں میں فتاویٰ پوچھے جاتے ہیں، تو اِس طریقہ پر فی الفور سوال وجواب میں اس بے احتیاطی کا اکثر مظاہرہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایسی صورت میں اُن فتاویٰ کو بسا اَوقات دسیوں لاکھ لوگ بیک وقت سنتے ہوئے ہوتے ہیں، اَب اگر غلط فتویٰ دیا جائے گا تو اِس کا نقصان صرف مستفتی یا اُس کے متعلقین تک ہی نہیں رہے گا؛ بلکہ سب سننے والوں تک پہنچے گا۔ اِس میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفتی کسی خاص مستفتی کے اَحوال کے پیشِ نظر کوئی حکم بتاتا ہے؛ لیکن اس کے عام ہونے کی وجہ سے جو لوگ سہولت پسند ہیں، وہ اُس سے اپنی فاسد غرض پوری کرتے ہیں: حالاں کہ اگر اُن لوگوں کے حالات مفتی کے سامنے ہوتے تو وہ اُنہیں ہرگز ایسا فتویٰ نہ دیتے۔

علاوہ اَزیں خود مفتی سے بھی ہاتھوں ہاتھ جواب دینے میں سبقت لسانی کا ظہور ہوسکتا ہے، یا عین ممکن ہے کہ اُس وقت ذہن حاضر نہ ہو، یا مستفتی کی بات سمجھنے میں قصور ہوجائے، وغیرہ۔ اِس لئے بہر حال فتویٰ دینے میں جلد بازی نقصان دہ ہے (بلکہ اچھی طرح غور وفکر کر کے اور مستفتی کی منشا سمجھ کر ہی جواب دینا چاہئے) (معالم اِرشادیہ ۳۸۹-۳۹۰)

مفتی کی فراست اِیمانی

مفتی کے اندر یہ فراست ہونی چاہئے کہ مستفتی کے سوال کی اَصل غرض کیا ہے؟ اگر اُسے پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو آدمی صحیح جواب تک نہیں پہنچ پائے گا۔ اور اس کی معرفت جبھی ہوگی جب کہ خود مستفتی سامنے ہو، جس کی صورت دیکھ کر یا اُس کے سابقہ کردار کو ملحوظ رکھ کر ہی صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت اِمام مالکؒ نے ''الموطا'' میں نقل فرمایا ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ ''روزے دار کے لئے بیوی کو بوسہ لینے کا کیا حکم ہے؟'' تو آپ نے فرمایا کہ ''بوڑھے شخص کے لئے گنجائش ہے اور جوان کے لئے ممنوع ہے''۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما سے آ کر پوچھا کہ ’’کیا مؤمن کے قاتل کے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟‘‘ تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ ’’نہیں! اس کا ٹھکانہ جہنم ہے‘‘، جب وہ سائل چلا گیا تو حاضرین نے عرض کیا کہ ’’حضرت! پہلے تو آپ ہمیں یہ فتویٰ نہیں دیتے تھے؟‘‘ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ’’مجھے یہ شخص غصہ میں لگ رہا تھا، شاید اس کا کسی مؤمن کو قتل کرنے کا اِرادہ تھا (اِس لئے میں نے وہ فتویٰ دیا؛ تاکہ وہ اِقدامِ قتل سے باز آجائے) راوی فرماتے ہیں کہ بعد میں جب تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ واقعۃً بات یہی تھی (کہ وہ قتل کا اِرادہ کررہا تھا) (معالم اِرشادیہ ۳۹۰-۳۹۱)

(تو معلوم ہوا کہ مفتی ایسا روشن دماغ ہونا چاہئے کہ وہ مستفتی کو دیکھ کر تاڑ لے کہ اُس کی غرض کیا ہے؟ پھر اپنے فتویٰ سے اُسے غلط عمل سے روکنے کی کوشش کرے، اور کسی غلطی میں اُس کا تعاون نہ بنے) (مرتب)

جھک بازوں کو اِلزامی جواب

بخاری شریف اور ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک عراقی شخص نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ’’اگر مچھر کا خون کپڑے پر لگ جائے تو کیا حکم ہے؟‘‘ یہ عجیب سوال سن کر آپ نے پوچھا کہ تم کس علاقے سے آئے ہو؟ تو اُس سائل نے کہا کہ عراق سے۔ تو سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ’’اُسے دیکھو یہ مچھر کے خون کا تو مسئلہ پوچھ رہا ہے؛ حالاں کہ انہی عراقیوں نے پیغمبر علیہ السلام کے لختِ جگر اور نورِ نظر (سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا اور میں نے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ’’إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا‘‘ (یعنی حسن وحسین میرے لئے دنیا کے خوشبودار پھول ہیں)

علامہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ ترمذی ’’تحفۃ الاحوذی‘‘ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ جواب اِس بنا پر دیا کہ اُنہیں تعجب تھا کہ عراق کے لوگ ایک معمولی بات یعنی مچھر کے خون کے بارے میں تو اتنا شوق رکھتے ہیں اور اِس سے کہیں بڑے معاملے

(قتل حسینؓ) کی اُن کی نظر میں کوئی اَہمیت نہیں''۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۱)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی بالکل غیرضروری باتوں کی توٹوہ میں رہتے ہیں اور کج بحثی میں لگے رہتے ہیں، جب کہ بڑے بڑے واضح مسائل واحکام سے بالکل غافل رہتے ہیں، اُن کے لئے مذکورہ واقعہ میں بڑی نصیحت ہے) (مرتب)

افتاء کے اُصول وآداب پر چند اہم کتابیں

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں فتویٰ نویسی میں مشغول اَحباب کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ خاص طور پر علماء سابقین کی چار کتابوں کو ضرور مطالعہ میں رکھیں: (۱) آداب الفقیه والمتفقه / للخطیب البغدادي (۲) جامع بیان العلم / لابن عبد البر (۳) أدب المفتي والمستفتي / لابن الصلاح (۴) مقدمة المجموع / للنووي۔

نیز ہم عصر علماء کی ذیل کی کتابیں بھی مطالعہ میں رہنی چاہئیں: (۱) الفتویٰ بین الانضباط والشیب / للشیخ یوسف القرضاوي (۲) صناعة الفتویٰ وفقه الأقلیات / للشیخ عبد اللّٰه بن بیة الموریطانی۔

اِن دونوں کتابوں کے مؤلف زمانہ کے اَحوال اور ضروریات سے باخبر ہیں، فجزاہما اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۲)

چودھویں فصل:

علماءِ دین کا عوام کے ساتھ برتاؤ کیسا ہو؟

ایک کامیاب اُستاذ کا اہم ترین کام یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کی اِس اَنداز پر تربیت کرے کہ وہ عصرِ حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق عوام سے میل جول رکھیں؛ لیکن اِس میں اتنا غلو بھی نہ ہو کہ وہ اپنے علمی مشاغل سے بالکل غافل ہوجائیں (بلکہ دونوں باتوں کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے زندگی گذاریں)

چناں چہ پیغمبر علیہ السلام کے شمائل واَخلاقِ عالیہ سے متعلق حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کی طویل حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات وخصائل بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ’’أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ‘‘ (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں سے اُن کے مشاغل وغیرہ کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس طرزِ عمل سے خاص طور پر درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

الف:- عالم کے اِس اِسلامی طریقے کو اختیار کرنے کی بنا پر عوام یہ محسوس کریں گے کہ یہ عالم دین اُن کے متعلق فکرمند ہے اور اُن کے ساتھ خوشی اور غمی میں شریک ہونے والا ہے۔ اور اُس کا کام صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ہفتہ وار ممبر پر آکر بس ایک تقریر کردے (بلکہ وہ عوام کے اَحوال سے بذاتِ خود دلچسپی رکھنے والا ہے)

ب:- جو عالم دین مذکورہ اِسلامی طرزِ عمل اپنائے گا تو خود بخود لوگوں کے دلوں میں اُس کی عظمت اور محبت پیدا ہوجائے گی، اور قریب اور دور کے لوگ اُس سے وابستہ ہوتے چلے جائیں گے، اور اُس کا یہ کردار عوام کو اپنے سے قریب کرنے کا ذریعہ بنے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

ج:- اور جب وہ عوام وخواص کے درمیان جاری معاملات اور ملکی وعالمی حالات سے اچھی طرح واقف ہوگا تو اُس کی طرف سے جاری کردہ فتاویٰ صحیح اور مستحکم ہوں گے؛ اِس لئے کہ حقائق وواقعات پر اُن کا انطباق آسان ہوگا، اور اُس کی مثال ایسے ڈاکٹر کی طرح ہوگی جو پہلے مریض میں بیماری کی صحیح تشخیص کر چکا ہو، تو اُس کے لئے دوا کی تعیین آسان اور مفید اور مؤثر ہوتی ہے۔

چناں چہ اِسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت اِمام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ رنگ ریزوں کے درمیان رائج معاملات کو سمجھنے کے لئے بنفس نفیس رنگ ریزوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ بلاشبہ آپ کا یہ عمل کمالِ تفقہ اور اعلیٰ درجہ کے ورع وتقویٰ کی دلیل ہے۔ اور ساتھ میں دیگر علماء اور مفتیان کے لئے یہ رہنمائی ہے کہ وہ صنعت کاروں سے براہِ راست اُن کے معاملات کو جاننے کی کوشش کریں، اور پرانے اور نئے عرف کو جانیں؛ تاکہ اُن کے فتاویٰ ہر قسم کی غلطیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

د:- اور ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو عالم اور مفتی اَحوالِ زمانہ سے واقف ہو اور لوگوں کے مزاجوں پر نظر رکھتا ہو، وہ کبھی بھی اَربابِ اقتدار یا کج فکر لوگوں سے نہ تو مرعوب ہوگا اور نہ اُن کے جھانسے میں آئے گا؛ کیوں کہ بسا اَوقات ایسے شاطر لوگ بہت سادگی سے مفتی سے فتویٰ طلب کرتے ہیں؛ حالاں کہ اُس کے پیچھے اُن کے مذموم مقاصد ہوتے ہیں جسے وہ مفتی کے فتویٰ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور ایسے واقعات پہلے کم تھے، مگر اَب بکثرت پیش آنے لگے ہیں، مگر بالغ نظر مفتی اُن کا آلۂ کار نہیں بنتا؛ البتہ سادہ لوح لوگ اُن کا شکار بن سکتے ہیں۔

بہر حال خلاصہ یہ نکلا کہ جو عالم دنیا کے اَحوال سے جتنا زیادہ باخبر ہوگا اور اُس کے تعلقات جتنے وسیع ہوں گے، اُسی اعتبار سے اُس کی خیر اور نافعیت میں اِضافہ ہوتا چلا جائے گا، اور اُس کی دینی ودعوتی خدمات کا دائرہ پھیلتا چلا جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۴)

عوام میں گفتگو اُنہی کی زبان میں کی جائے

عالم کو چاہئے کہ وہ عوام سے گفتگو کرتے وقت عام فہم زبان استعمال کرے، جبھی اُس کا

کامل فائدہ سامنے آئے گا۔ اِسی لئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ﴾ [إبراهيم، جزء آيت: ٤] (اور ہم نے ہر رسول کو اُن کی قومی زبان کے ساتھ مبعوث کیا؛ تاکہ وہ اُن کے سامنے وضاحت سے بیان کر سکے) پس ظاہر ہے کہ وضاحت جبھی ہوگی جب کہ قوم سے اُن کی مادری زبان (مثلاً اہل عرب کے لئے عربی یا دیگر علاقے والوں کے لئے اُن کی ملکی زبان وغیرہ) میں ہی گفتگو کی جائے، اور عام فہم تعبیرات اور اصطلاحات استعمال کی جائیں؛ تاکہ پوری وضاحت سے دینی پیغام اُن تک پہنچے اور گفتگو میں کوئی شبہ نہ رہے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۵)

اَب معاشرہ میں مغفل عالم کا کوئی کردار نہیں رہا

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ بہت اَفسوس کی بات ہے کہ آج کل والدین اپنے زیادہ ذہین بچوں کو عموماً علم دین کی تعلیم کی طرف متوجہ نہیں کرتے؛ لیکن اِس کے باوجود جو طلبہ آرہے ہیں اُن پر مسلسل محنت کرنے اور اُنہیں اُمت کے لئے کسی قابل بنانے کی فکر ضروری ہے۔

اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ”لَا مَكَانَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ الْمُغَفَّلِ فِيْ أَيَّامِنَا هٰذَا“ (یعنی آج کے ہمارے دور میں مغفل اور بے پروا طالب علم کا کوئی مقام نہیں ہے) اِس لئے حضرات اَساتذۂ کرام جو دراَصل مستقبل کے علماء کے لئے ”عالم گر“ کی حیثیت میں ہیں، اُن کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کو اِس جانب متوجہ کریں، اُن کو بیدار مغز بنائیں؛ تاکہ وہ اُمت کو ایک کامل مکمل اور باشعور عالم دین سے سرفراز کرسکیں، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۵)

پندرہویں فصل:

طالبِ علم کو بیدار مغز ہونا چاہئے

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے اندر علمی باتوں کو پرکھنے کا مادہ پیدا کریں، یعنی یہ نہ ہو کہ وہ آنکھ بند کر کے ہر سنی یا پڑھی ہوئی باتوں پر یقین کرلیں؛ بلکہ وہ اپنی معلومات کی روشنی میں نئ حاصل شدہ معلومات کو علمی اور تاریخی طور پر جانچنے کی عادت ڈالیں؛ تا کہ وہ صحیح اور غلط اور قوت وضعف کا فیصلہ کرسکیں، اِس بات کی وضاحت چند مثالوں سے ہوگی:

پہلی مثال:- اِمام ابن عطاء اللہ الاسکندریؒ کی معروف حکمت آمیز کتاب ''الحکم العطائیۃ'' کے متعلق یہ بات زبان زد ہے کہ اِس کتاب کے بارے میں مشہور عابدہ زاہدہ بافیض خاتون حضرت رابعہ عدویہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اگر نماز میں قرآنِ کریم کے علاوہ کسی کتاب کی قرأت جائز ہوتی تو میں نماز میں ''الحکم العطائیۃ'' پڑھتی''۔

لیکن جب ہم نے غور کیا اور تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ''ابن عطاء اللہ'' کی وفات تو ۷۰۹ھ میں ہے، جب کہ حضرت رابعہؒ کی وفات ۱۳۵ھ میں ہوئی۔

پھر میں نے ''الحکم العطائیۃ'' کا ایک قدیم نسخہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس کے سرورق پر اِسی مضمون کے دو شعر لکھے ہیں، جو ''ملاح'' نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہیں (تو پتہ چلا کہ اِس کی نسبت حضرت رابعہؒ کی طرف درست نہیں)

دوسری مثال:- طالب علمی کے زمانہ میں میرے مطالعہ میں یہ بات گذری کہ حضرت اِمام بخاریؒ کو سمرقند سے نکالنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اُن سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر دو بچے ایک گائے کا دودھ پی لیں، تو کیا اُن کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ تو حضرت اِمام

بخاریؒ نے ''اِثبات'' میں جواب دیا، جس کی وجہ سے علماءِ سمرقند آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو سمرقند سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

میں نے یہ بات پڑھی تو مجھے بڑی عجیب اور نادر معلوم ہوئی، اور میں نے یہ گمان کیا کہ مجھے ایسا علم حاصل ہوا ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا؛ چناں چہ اگلے روز (یہ ۱۳۷۸ھ کا طالب علمی کے دور کا واقعہ ہے) جب میں فقہ حنفی کے درس میں حاضر ہوا، اُس میں ہمارے اُستاذ سیدی فضیلۃ العلامۃ الاجل الشیخ عبداللہ سراج الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے، تو میں نے حضرت کے سامنے بڑے شوق کے ساتھ حضرت اِمام بخاریؒ کے متعلق اپنی پڑھی ہوئی بات پیش کی، تو حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہٗ نے بلاکم وکاست یہ مختصر مگر نہایت نصیحت آموز اور گراں قدر جملہ اِرشاد فرمایا: ''لَا تُصَدِّقْ کُلَّ مَا تَقْرَأُ'' (ہر پڑھی ہوئی بات کی تصدیق مت کیا کرو)

بلاشبہ اِس مختصر سے جملے کے اندر مجھ جیسے لوگوں کے لئے بڑا عظیم سبق ہے، اور اِس میں نہایت درست اور صاف شفاف علمی منہج کی تعلیم دی گئی ہے، جس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ ایسا قیمتی ملفوظ ہے جس کا ہر عالم اور طالب علم محتاج ہے؛ لہٰذا جب تک پختہ علم نہ ہو اُس وقت تک نہ تو کسی بات کی تصدیق کی جائے اور نہ ہی بلاوجہ تردید کی جائے؛ بلکہ جو بھی کہنا ہو وہ تحقیق کے بعد کہنا چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۳۹۶-۳۹۷)

نصوص کی عبارات پر گہری نظر

طالب علم کو چاہئے کہ وہ قدیم علماء اور سلف صالحین کے منہج کو اختیار کرتے ہوئے مطالعہ کے وقت عبارات پر گہری نظر ڈالے اور خوب غور و فکر کیا کرے۔ اور نہ تو ظاہر پر ایسا جمود ہو جیسا کہ علامہ ابن حزم ظاہری کے یہاں دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی نصوص کی حد سے زیادہ تاویل ہو جو اِلحاد تک پہنچا دے؛ گویا کہ ''نہ تو ظاہری اَلفاظ پر حروف پر جمود ہو اور نہ ہی نص کو اپنی فہم کے مطابق بنانے کا ضبط ہو''۔

اَولاً نص فہمی کی پوری کوشش کی جائے اور اُس کے لئے اُس موضوع کی دیگر کتابوں کی

طرف مراجعت مفید ہوگی؛ تاکہ بحث کے پوشیدہ گوشے اور سیاق وسباق واضح ہوسکے۔ اور اگر اِس کے باوجود بحث منقح نہ ہو تو غور کرنا چاہیے کہ کہیں عبارت کی طباعت میں تو غلطی نہیں ہوئی؟ لیکن اِس کے لئے بڑی محنت اور مشقت کی ضرورت ہوگی، اُس کتاب کے متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے تلاش کرنے ہوں گے، تب اصل حقیقت واضح ہوگی۔

اگر یہ تحقیق نہ کی جائے تو آدمی غلط عبارت پڑھے گا تو غلط مطلب سمجھے گا، اور غلط بات یاد کر کے اپنے شاگردوں کو بھی غلط ہی پڑھائے گا، جس کا نقصان واضح ہے۔

اِسی لئے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ علماء نے محض مخطوطات سے علم حاصل کرنے پر اعتماد نہیں کیا ہے؛ بلکہ اُستاذ کے سامنے باقاعدہ پڑھ کر حاصل شدہ علم کو معتبر مانا ہے: تاکہ ایسی غلطیوں کا تدارک ہوسکے۔ اور آج کل کتابوں کی عبارات میں تحریف کا خطرہ پہلے سے زیادہ بڑھ چکا ہے؛ اِس لئے کہ پہلے تو چند ہی مخطوطے لکھے جاتے تھے اور آج جو بھی کتاب چھپتی ہے، اُس کے بیک وقت کئی کئی ہزار نسخے شائع کئے جاتے ہیں، اِس طرح غلطیاں بڑی تعداد میں دور تک پہنچ جاتی ہیں۔

بریں بنا طالب علم اَولاً فہم صحیح حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اگر اِطمینان نہ ہو تو عبارت کی غلطی کو درست کرنے کی فکر کرے، اور اِس میں جو کتابیں معتبر محققین کی تحقیق سے شائع شدہ ہیں، اُن میں خاص کر اُن حواشی کا مطالعہ مفید ہوگا جو محقق نے خاص کر کاتب کی غلطی کے متعلق لگائے ہیں، اُن کو بغور پڑھنے سے طالب علم میں غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہوگی، اور اُس موضوع پر کام کرنے کا سلیقہ معلوم ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (معالم ارشادیہ ۳۹۹-۴۰۰)

کتابت کی غلطی کی ایک مثال

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر بیدار مغز طالب علم کتابوں میں طباعت و کتابت کی غلطیوں کو جمع کرنے لگے تو چند مہینوں اور سالوں میں بے شمار غلطیوں کا ذخیرہ اُس کے پاس جمع ہو جائے گا، یہ کوئی عجیب بات نہیں، مثلاً خود میرے ساتھ اِسی مضمون کے لکھنے کے دوران یہ

معاملہ پیش آیا کہ حضرت امام بخاریؒ نے ''الادب المفرد'' میں ایک روایت اِس سند سے لکھی ہے: ''حدثنا مخلد بن مالک قال حدثنا حجاج بن محمد قال أخبرنا ابن المبارک عن بکر بن عبد الله المزني'' تو مجھے یہ بات کھٹکی کہ ''ابن المبارک'' ''بکر المزنی'' سے کیسے روایت فرمارہے ہیں؟ چناں چہ اَولاً میں نے ''تہذیب الکمال'' کی طرف رجوع کیا، تو اُس میں اِس سند سے کوئی روایت نہیں ملی، پھر میں نے تاریخی حیثیت سے غور کیا تو پتہ چلا کہ ''ابن المبارک'' کی پیدائش ۱۱۸ھ میں ہے، جب کہ ''بکر المزنی'' ۱۰۶ھ یا ۱۰۸ھ میں وفات پاچکے ہیں۔ گویا ''ابن المبارک'' کی ''بکر المزنی'' سے براہِ راست روایت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ لیکن اَب یہ طے کرنا دشوار تھا کہ اِس سند کو منقطع مانا جائے یا نہیں؟ تو میں نے ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں اِسی روایت میں یہ دیکھا کہ اِس کی سند میں ''ابن المبارک'' کے بجائے ''مبارک بن فضالۃ عن بکر المزنی'' کے اَلفاظ ہیں، تو یا تو یہ سمجھا جائے گا کہ ''ابن المبارک'' اور ''ابن فضالۃ'' کی سند میں متابعت ہے، یا پھر ''الادب المفرد'' کے مطبوعہ نسخے میں ''مبارک'' سے پہلے ''ابن'' کا اِضافہ ہوگیا ہے؛ البتہ اِس میں کسی ایک جانب کو ترجیح دینا مشکل تھا؛ تا آں کہ میں نے تحقیق و مراجعت کا عمل جاری رکھا؛ حتیٰ کہ بعینہٖ ''الادب المفرد'' والی سند اِمام بخاریؒ کی دوسری کتاب ''تاریخ کبیر'' میں مل گئی اور اُس میں ''ابن المبارک'' کے بجائے ''مبارک بن فضالۃ'' کے اَلفاظ لکھے ہیں۔ نیز حضرت اِمام اَحمد بن حنبلؒ کی ''کتاب الزہد'' میں بھی یہی سند ہے، تو اِس طویل محنت کے بعد یہ بات منقح ہوئی کہ ''الادب المفرد'' کی سند میں طباعت کی غلطی ہوئی ہے، اِس میں ''مبارک بن فضالۃ'' کے بجائے ''ابن المبارک'' لکھ دیا ہے، یعنی ''مبارک'' سے قبل ''ابن'' کا اِضافہ کرنے سے سند ہی بدل دی گئی؛ چناں چہ اِس کی تصحیح کر دی گئی۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۰-۴۰۱)

نقد و تحقیق میں اَدب ملحوظ رکھیں!

تاہم نقد و تحقیق کی خدمت بجالاتے وقت محقق اور ناقد کو نقد اور اَدب کے دونوں ہی

پیمانوں کے درمیان مکمل توازن رکھنے کا اہتمام کرنا ہوگا، اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے بچنا ہوگا؛ کیوں کہ اگر صرف نقد کو پیش نظر رکھ کر غلطی کو اُجاگر کرنے میں حد سے آگے بڑھے تو بے اَدبی کا مرتکب ہوگا، اور اگر مؤلف کے اَدب کو ترجیح دیتے ہوئے غلطی کی وضاحت میں کمی کرے گا، تو وہ علم کے ساتھ نا اِنصافی کرنے والا ہوگا، اِس لئے تنقید بہر حال اَدب اور اعتدال کے دائرے میں ہونی چاہیے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۱)

حوالے سے متعلق ایک اہم اَدب

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اِسی مناسبت سے میں خود اپنا ایک واقعہ ذکر کرنا مفید سمجھتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے ابتدائی دور طالب علمی ۱۳۷۸ھ میں ''مدرسہ سیافیہ حلب شام'' میں اپنے کمرہ میں موجود تھا کہ اَچانک میرے انتہائی مشفق و مربی اُستاذ فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ میرے کمرے میں تشریف لائے، اور اِرشاد فرمایا کہ ''کیا تمہارے پاس علامہ عزیزیؒ کی ''جامع صغیر'' کی شرح ہے؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''جی ہاں! موجود ہے''۔ پھر میں نے حضرت کو جو جلد مطلوب تھی وہ نکال کر پیش کی، حضرت نے اُس میں جو عبارت دیکھنی تھی، اُس کا کئی مرتبہ مطالعہ کیا، اور پھر مجھے کتاب واپس لوٹاتے ہوئے فرمایا کہ ''شیخ کی مراد واقعی یہی ہے، اور ہم اُن سے زیادہ اچھی فہم نہیں رکھتے''۔

اِس بات کو ۳۰/ سال گذر گئے، تو میں ایک دن حضرۃ الاستاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر تھا، اِسی درمیان ''مسند احمد'' پر علامہ احمد شاکرؒ کی شاندار تحقیق کا ذکر ہوا، اور اِسی ضمن میں یہ بات بھی آئی کہ اُس کے تکملہ کا کام ''دکتور عبدالمجید ہاشم الحسینیؒ'' نے انجام دیا ہے، تو یہ سن کر حضرۃ الاستاذ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے شیخ عبدالمجیدؒ پر یہ کہتے ہوئے تنقید فرمائی کہ ''وہ مسند احمد پر حواشی اور تعلیقات میں علامہ عزیزیؒ کی باتیں کیوں نقل کرتے ہیں؟''۔

حضرۃ الاستاذؒ کا منشاء یہ تھا کہ مسند احمد اہل سنت کی بنیادی کتابوں میں ہے، پس اُس کی

تحقیق وتشریح میں صرف اکابر علماء اور ائمہ کی کتابوں ہی سے اِستفادہ کرنا چاہیے، اور ہر کہہ ومہ کے اَقوال نقل نہیں کرنے چاہئیں۔

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر حضرۃ الاستاذ نے بتدریج ہماری تربیت فرمائی کہ ابتدائی طالب علمی میں جب کہ شیخ عزیزیؒ کی عقیدت ومحبت میرے رگ وپے میں پیوست تھی، تو اُن کی کتاب کے بارے میں عمدہ کلمات اِرشاد فرمائے؛ لیکن ۳۰ سال کے بعد جب میں حضرۃ الاستاذؒ کی اِجازت؛ بلکہ اُن کے حکم سے بعض کتابوں کی تحقیق وطباعت کی خدمت میں مشغول ہوا، تو میرے سامنے علامہ عزیزیؒ کا حوالہ دینے کے متعلق مذکورہ بات اِرشاد فرمائی، اِن دونوں باتوں میں ہمارے لئے بہت سے سبق ہیں۔ مثلاً:

(۱) علمی تربیت میں تدریج کا خیال رکھنا۔

(۲) تنقید کرتے وقت علماء کے ساتھ اَدب اور بیدار مغزی کا اہتمام کرنا۔

(۳) بنیادی کتابوں کی تحقیق کرتے وقت ہر کتاب کو اُس کے حق کے مطابق اَہمیت دینا، اور اُس کے علمی مرتبہ کو ملحوظ رکھنا۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۱-۴۰۲)

(فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسند احمد'' کی تحقیق کے متعلق تبصرہ کے ضمن میں بہت ہی اَہم بات کی طرف اِشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس کتاب کی تحقیق کی جائے، اُس کی تائید میں مؤلف کے ہم عصر یا اُس سے پہلے کے اعلیٰ درجہ رکھنے والے حضرات کے اَقوال وآراء سے اِستفادہ کرتے ہوئے اُنہیں کا حوالہ دیا جائے، اور بعد والوں کا حوالہ نہ دیا جائے؛ اِس لئے کہ بعد والوں کے حوالے سے مؤلف کی تائید ایک بے معنی سی بات ہوگی؛ بلکہ ایک طرح کی بے اَدبی کہلائے گی، جس کو اہل علم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر آج کوئی شخص قطب عالم، اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ''فتاویٰ رشیدیہ'' پر تحقیق کا کام کرے، اور اُن کے کسی فتویٰ کی تائید میں موجودہ دور کے مفتیان کے مطبوعہ فتاویٰ کا حوالہ دے، تو یہ ہرگز مناسب نہ ہوگا) (مرتب)

محققین کا طرزِ عمل

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ یہاں اِس بات کا ذکر مناسب ہے کہ ہمارے جن اَئمہ اور علماء نے اپنے دور میں مختلف کتابوں میں شائع شدہ اَحادیث کی تخریج فرمائی ہے، مثلاً: اِحیاء العلوم، نصب الرایۃ، الدرایۃ، البدر المنیر، التلخیص الحبیر اور دیگر کتب اُصول وتفسیر جن کی تخریج وتحقیق کا کام علامہ زیلعی ابن کثیر، علامہ عراقی، علامہ ابن الملقن اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ وغیرہ نے انجام دیا ہے، اور اُنہوں نے کسی حدیث کے بارے میں ضعیف لکھا، کسی کو موضوع اور باطل قرار دیا، یا کسی کو بے اصل کہا، اور یہ اُن پر دینی اعتبار سے لازم تھا کہ غلط کو غلط کہیں، اور اَحادیث کا درجہ متعین کریں؛ لیکن قابل تقلید بات یہ ہے کہ آپ اِن حواشی اور تعلیقات میں کہیں بھی دور دور تک اُن کتابوں کے مؤلفین ومصنفین کے بارے میں حدِ اَدب سے گذرا ہوا کوئی بھی جملہ نہیں پائیں گے۔ اُن کا یہ طرزِ عمل علماء سابقین کی تعظیم اور اکرام پر دلیل ہے۔

اور اگر کسی نے حدِ اَدب سے گذری ہوئی کوئی بات لکھ دی تو دوسرے اَکابر علماء نے اُس پر ناگواری کا اِظہار فرمایا؛ چناں چہ ایک موقع پر علامہ ابن طاہر مقدسیؒ نے کسی مسئلہ میں رائے دیتے ہوئے اِمام الحرمین کے متعلق بے اَدبی کے اَلفاظ اِستعمال کئے، جسے دیکھ کر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی، اور فرمایا کہ وہ اِمام الحرمین کی تردید میں نرم اور موزوں اَلفاظ سے کام لے سکتے تھے۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ اِن بزرگوں کا مذکورہ طرزِ عمل ہمارے لئے بہت سبق آموز ہے، اور خاص کر ہمارے دور میں بعض نام نہاد طلبہ کی کج فکری اور بد عملی کو صحیح راہ دکھانے والا ہے کہ یہ بے توفیق لوگ آج اَئمہ سابقین کے بارے میں کیسی زبان درازیاں کرتے ہیں؟ اور فقہاء پر یہ اِلزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے مطلب کے مطابق حدیثوں میں کتر بیونت کر دیتے ہیں، وغیرہ۔ اِسی طرح یہ حضرات حضرت اِمام غزالیؒ کی کتاب ''اِحیاء علوم الدین'' پر بھی بے دھڑک تنقید کرتے ہیں، اور بے اَدبی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حالاں کہ اگر اُن کے یہ تبصرے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ علماء سلف کے سامنے سے گذریں، تو وہ کیا کہیں گے؟ (معالم اِرشادیہ ۴۰۳-۴۰۴)

دنیا سے اَدب ناپید ہوتا جارہا ہے

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو با اَدب لوگ پسند ہیں، اور ایسے روشن کردار والے حضرات مروت اور رواداری کی موت سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوتے جارہے ہیں، کسی شاعر نے کہا ہے:

مَرَرْتُ عَلَى الْمُرُوْءَةِ وَهِيَ تَبْكِيْ ❖ فَقُلْتُ عَلَى مَ تَنْتَحِبُ الْفَتَاةُ؟

فَقَالَتْ: كَيْفَ لَا أَبْكِيْ وَأَهْلِيْ ❖ جَمِيْعًا – دُوْنَ خَلْقِ اللّٰهِ – مَاتُوْا!

ترجمہ:- (۱) میرا گذر مروت پر ہوا جو رو رہی تھی، تو میں نے پوچھا کہ یہ دوشیزہ کیوں رو رہی ہے؟ (۲) تو اُس نے جواب دیا کہ میں کیوں نہ رؤوں؟ جب کہ میرے گھر والے - اللہ کی مخلوق کو چھوڑ کر - سب کے سب مر چکے ہیں۔

لہٰذا علماء اور طلبہ کو ہر جگہ علم کے آداب کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۴-۴۰۵)

چوتھا باب

طلبہ کی روحانی تربیت

پہلی فصل:

○

حسنِ نیت اور حسنِ عمل کا اہتمام

اُستاذ کو چاہئے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی روحانی تربیت پر بھی خاص نظر رکھے؛ چناں چہ حضرت اِمام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اُستاذ کے لئے مناسب ہے کہ وہ طالب علم کو بتدریج شان دار آداب، پسندیدہ عادت وخصائل کے آداب سکھلائے، اور اُسے ظاہری اور باطنی زندگی اور سبھی معاملات میں شریعت کی حفاظت کا عادی بنائے، اور زندگی کے چُھپے ہوئے آداب میں اُسے ڈھالنے کی کوشش کرے۔

اور سب سے پہلے طالب علم کو اِخلاص، سچائی، حسن نیت اور ہر لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا استحضار رکھنے کی تاکید کرے، اور اُس کے دل میں یہ بات بٹھائے کہ ایسی حسن نیت اور سچائی کی بدولت معارف کے دروازے کھلیں گے، اور اُس کے دل میں حکمتوں اور لطائف کے چشمے پھوٹیں گے۔

نیز اُستاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے دل میں دنیا کی بے رغبتی پیدا کرے اور اُسے بتائے کہ یہ دنیا جلد ہی فنا ہو جانے والی ہے اور آخرت کی آنے والی زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اور طالب علم کو علم دین کی ترغیب دیتا رہے، اور علم اور علماء کے فضائل ومراتب اُسے یاد دلاتا رہے، اور یہ بتائے کہ کائنات میں علم دین سے اعلیٰ مرتبہ کسی بھی مشغلہ کو حاصل نہیں ہے‘‘۔

(المجموع للنووی ۱/۳۰)

تو معلوم ہوا کہ اُستاذ کو شاگرد کی مسلسل اور ہر وقت نگرانی کرنی چاہئے؛ جیسا کہ ایک ماں

اپنے چھوٹے بچے کی ہر وقت نگرانی کرتی ہے؛ چناں چہ علامہ زاہد الکوثریؒ اپنے مقالہ ''احیاء علوم السنۃ'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''فاضل مربی (اُستاذ) کی ذمہ داری ہے کہ وہ طالب علم کے سبھی اَحوال پر نظر رکھے؛ حتیٰ کہ کھانے پینے، صفائی ستھرائی، لباس، انداز گفتگو، معاملات، راستے میں چلنے کی کیفیت اور اُن کے دن رات کے مشاغل کی بھی نگرانی کرے؛ تاکہ وہ اُمت کے سامنے ایسے اَفراد پیش کر سکے جو بہترین ہدایت یافتہ اور واقعۃً مہذب رہنما ہوں''۔

اور طلبہ کی تربیت مرحلہ بمرحلہ ہونی چاہئے اور ایسی ہونی چاہئے جو زندگی کے ہر پہلو کو شامل ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۶-۴۰۷)

دوسری فصل:

اُستاذ کی طرف سے علم وعمل کی تربیت پر زور

اِسی طرح تربیت کرنے والے اُستاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو علم وعمل کے آداب اور اُن کے کمالات حاصل کرنے کی طرف راغب کرے، اور اُن کے سامنے اَکابر واَسلاف اور علماء راسخین کے واقعات بیان کرے؛ تاکہ اُن کے دل میں اُونچے مراتب حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہو، اور سلف صالحین کی محبت دل میں جاگزیں ہو۔

اِس سلسلے میں دسیوں مرفوع اَحادیث اور سیکڑوں آثار سلف موجود ہیں، جن میں علم پر عمل کرنے اور اپنے اَقوال واَفعال اور دل کی کیفیات کا مسلسل محاسبہ کرتے رہنے اور راہِ سلوک وہدایت میں کمال حاصل کرنے اور اپنی زندگی کے سبھی شعبوں کو سلف صالحین کے موافق بنانے کی تاکید کی گئی ہے۔

جو طالب علم اِس طرح کے دلائل وشواہد کو حاصل کرنا چاہے، اُس کے لئے علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اِقْتِضَاءُ الْعِلْمِ الْعَمَلَ'' بہت مفید ثابت ہوگی۔ اِسی طرح علماء کے حالات پر لکھی ہوئی طویل کتابوں کا سرسری مطالعہ بھی مفید ہوگا، مثلاً: اِمام اَبونعیم کی ''حلیۃ الاولیاء'' اور علامہ ابن الجوزیؒ کی ''صفۃ الصفوۃ''۔ اِسی طرح علامہ ذہبیؒ کی ''سیر اعلام النبلاء'' بہت کار آمد ہیں۔

اور طالب علم کو چاہئے کہ وہ اُن اَحادیث شریفہ کی روشنی میں تہہ دل سے اپنا جائزہ لے، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہؓ کے واسطے سے پوری اُمت کو عمومی طور پر تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کی تاکیدات فرمائی ہیں، اور خاص خاص مواقع پر مختلف قولی

اور عملی نیکیوں کا حکم دیا ہے، اور ہر طرح کی گھٹیا اور ردی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (تو اِس طرح کی اَحادیث کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے کردار کو درست کرنے کی فکر ضرور ہونی چاہئے)

اور اُستاذ کو چاہئے کہ وہ دین پر اِستقامت، اِتباعِ سنت وشریعت اور قول وعمل میں مطابقت کے بارے میں ائمہ سابقین کے حالات وواقعات وقتاً فوقتاً طلبہ کے سامنے ذکر کرتا رہے؛ تاکہ اُن کے اندر اُن کے طریقے پر چلنے کا شوق پیدا ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۴۰۸-۴۰۹)

طالب علم کے باوضو رہنے کا اہتمام

ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اُستاذ ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزیؒ کی خدمت میں حاضر تھا، اِسی درمیان ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، تو اِمام ابوعبداللہ نے اَذان دی، تو میں اِس دوران مسجد سے باہر چلا گیا، جب واپس آیا تو حضرت نے پوچھا کہ ''کہاں گئے تھے؟'' تو میں نے عرض کیا کہ ''نماز کے لئے وضو کرنے گیا تھا'' تو حضرت الاستاذ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تمہارے بارے میں میرا یہ گمان نہیں تھا کہ نماز کا وقت اِس حالت میں شروع ہو کہ تم بے وضو ہو؟''۔

اِس واقعہ پر میرے انتہائی باذوق اور بابصیرت اُستاذ محترم فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ نوراللہ مرقدہٗ نے ''رسالۃ المسترشدین'' کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''هٰذَا فِيْ غَايَةِ الْمُرَاقَبَةِ إِذْ مِنَ الْحَقِّ عَلَى الْمَمْلُوْكِ أَنْ يَكُوْنَ بَيْنَ يَدَيْ مَالِكِهٖ قَبْلَ أَنْ يَدْعُوَهٗ لَا أَنْ يَدْعُوَهٗ فَيَحْضُرُ'' (شیخ ابوعبداللہ کی یہ تنبیہ اُن کے ہر وقت ذاتِ خداوندی کے مراقبے اور تصور میں مشغول رہنے کی دلیل ہے، اِس لئے کہ مملوک غلام پر لازم ہے کہ وہ مالک کے آواز دینے سے پہلے ہی سے اُس کے سامنے تعمیلِ حکم کے لئے حاضر رہے، نہ یہ کہ صرف بلانے پر حاضر ہو (اور یہ جبھی ہوگا جب کہ بندہ نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی باوضو ہوکر تیار رہے) (معالم اِرشادیہ ۴۱۰)

(اِس سے یہ سبق ملا کہ طالب علم کو اُستاذ سے اِستفادے کے وقت باوضو رہنے کا اہتمام کرنا چاہئے) (مرتب)

ایک درہم میں جنت خرید لی

علم پر عمل کا کیسا عظیم فائدہ ہے؟ اِس سلسلے میں صاحب السنن حضرت اِمام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سبق آموز واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک مرتبہ آپ کشتی میں تشریف لے جارہے تھے، اِسی درمیان ساحل پر کھڑے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی، اور اُس نے ''الحمد للہ'' کہا، جسے اِمام اَبوداؤدؒ نے سن لیا، تو آپ نے اُسی وقت فوراً ایک چھوٹی کشتی ایک درہم میں کرایہ پر لی، اور اُس چھینکنے والے کے پاس جاکر چھینک کا جواب دیا، اور پھر واپس کشتی میں تشریف لے گئے۔ تو لوگوں نے اُن کے اِس عمل کے بارے میں جب سوال کیا، تو آپ نے اِرشاد فرمایا کہ ''بہت ممکن ہے کہ وہ چھینکنے والا اللہ کے نزدیک مستجاب الدعوات ہو''۔ تو جب بعض کشتی والے سوگئے، تو اُنہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''يَا أَهْلَ السَّفِيْنَةِ! إِنَّ أَبَا دَاوُدَ اشْتَرَى الْجَنَّةَ مِنَ اللّٰهِ بِدِرْهَمٍ'' (اے کشتی والو! اِمام اَبوداؤد نے ایک درہم کے بدلے میں اللہ سے جنت خرید لی ہے) (معالم اِرشادیہ ۴۱۰-۴۱۱)

(تو دیکھئے! ایک معمولی سی حدیث پر عمل کرنے کی بدولت دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک) (مرتب)

ہر حدیث پر عمل کا عجیب جذبہ

علامہ خطیب بغدادیؒ نے ''الجامع'' میں نقل فرمایا ہے کہ اِمام اَبوجعفر حمدان الحیریؒ اپنے مجموعہ اَحادیث ''مستخرج علی صحیح مسلم'' کو لوگوں کے سامنے اپنی مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھ کر سنایا کرتے تھے، اور اُن کی مجلس میں الامام الزاہد ابوعثمان سعید بن اسماعیل الحیریؒ بھی شریک ہوتے تھے۔ شیخ ابوجعفر حمدانؒ کے صاحب زادے ابوعمر محمد بن ابی جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میں عشاء کے قریب مسجد میں پہنچتا تھا؛ تاکہ نماز کے بعد اَبا جان کو اپنے ساتھ گھر لے کر آؤں، تو ایک دن میں نے دیکھا کہ شیخ ابوعثمانؒ اِس حالت میں عشاء کی نماز پڑھنے جارہے ہیں

کہ اُنہوں نے صرف ایک لنگی اور چادر اوڑھ رکھی ہے (کرتا وغیرہ کچھ نہیں ہے) وہ نماز پڑھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے، اور میں والد صاحب کے ساتھ گھر واپس آنے لگا، تو میں نے اَبا جان سے پوچھا کہ ''کیا شیخ ابوعثمان نے احرام باندھ لیا ہے؟''، تو ابا نے فرمایا کہ ''نہیں! ایسی بات نہیں ہے؛ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ اُن کا یہ معمول ہے کہ اگر اُن کے سامنے پہلی مرتبہ کوئی ایسی سنت آتی ہے جس پر اُنہوں نے پہلے کبھی عمل نہ کیا ہو، تو وہ اُس سنت پر کم اَزکم ایک دن رات عمل کرتے ہیں؛ چناں چہ آج جو سبق ہوا اُس میں یہ حدیث آئی تھی کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لنگی اور ایک چادر میں نماز اَدا فرمائی''، تو شیخ ابوعثمانؒ نے صبح ہونے سے پہلے ہی اِس سنت پر عمل کرنا پسند کیا''۔ (معالم اِرشادیہ ۴۱۱)

(سبحان اللہ! اتباعِ سنت کا کیسا شاندار جذبہ ہے)

تین دن سے زیادہ چھپے رہنے سے اِنکار

شیخ ابراہیم بن ہانی النیسابوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتنہ کے زمانے میں حضرت اِمام احمد بن حنبلؒ میرے پاس تین دن تک روپوش رہے، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ''میرے چھپنے کے لئے کوئی اور جگہ تلاش کرو''، میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! مجھے آپ کے بارے میں خطرہ ہے''؛ لیکن حضرت نے فرمایا کہ ''اگر تم دوسری جگہ کا انتظام کردو گے تو میں تمہیں ایک اہم علمی بات بتاؤں گا''؛ چناں چہ میں نے ایک جگہ تلاش کرلی، جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو مجھ سے فرمایا کہ ''بات یہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''غارِ ثور'' میں صرف تین دن روپوشی اختیار فرمائی، پھر وہ جگہ بدل دی، اور یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم اَمن وسکون اور خوش حالی کی حالت میں تو پیغمبر علیہ السلام کی اتباع کریں، اور سختی اور شدت کی حالت میں اتباع کو چھوڑ دیں''۔ (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو اور اُن کو اپنے سے راضی کرے) (معالم اِرشادیہ ۴۱۱-۴۱۲)

(اِسی طرح کا عمل اَکابر علماءِ دیوبند کے سرخیل، اُستاذ الفقہاء والمحدثین، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ نے مکہ معظّمہ میں اُس وقت فرمایا، جب کہ انگریزوں کے حکم پر شریف مکہ نے آپ کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کیا تھا۔ اُس وقت صرف تین دن روپوش رہ کر سامنے آ گئے اور فرمایا کہ ''نبی اکرم علیہ السلام نے ''غارِ ثور'' میں صرف تین دن ہی روپوشی فرمائی تھی'') (مرتب)

نگرانی اور تربیت کے بغیر محض ڈگریاں کار آمد نہیں

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماہر اَساتذہ کی مسلسل نگرانی اور تربیت میں طالب علم روز اَفزوں علمی ترقیوں اور اَخلاقی کمالات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور جو طالب علم اپنے اَساتذہ سے ربط وضبط نہ رکھے اور نہ اُن سے براہِ راست اِستفادہ کرے، تو اُس کو یہ فوائد ومنافع اور بہترین مشورے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ خاص کر جو لوگ دروس میں پابندی اور بحث ومباحثہ میں حصہ لئے بغیر یونیورسٹیوں سے بڑے القاب وآداب والی ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں، وہ علم کے اَصل فوائد ومنافع کی خوشبو تک نہیں سونگھ پاتے۔ اِسی طرح جو لوگ اوپن یونیورسٹیوں میں دور بیٹھ کر الیکٹرانک آلات کے ذریعہ آن لائن پڑھ کر ڈگریاں حاصل کرتے ہیں، اُن کا بھی تعلیم وتربیت میں یہی حال ہوتا ہے۔ (یعنی اُنہیں کچھ معلومات تو ضرور حاصل ہو جاتی ہیں؛ لیکن علم کے جو حقیقی اَثرات ہیں اُس سے وہ محروم رہتے ہیں) (معالم اِرشادیہ ۴۱۳)

طالب علم کیسا نظر آنا چاہئے؟

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام دار الہجرۃ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اِرشاد نقل فرمایا ہے کہ ''إِنَّ حَقًّا عَلیٰ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ أَنْ یَکُوْنَ لَهٗ وَقَارٌ وَسَکِیْنَةٌ وَخَشِیَّةٌ وَأَنْ یَکُوْنَ مُتَّبِعًا لِأَثَرِ مَنْ مَضٰی قَبْلَهٗ'' (طالب علم پر لازم ہے کہ اُس میں وقار، سکون اور خشیت خداوندی کا اثر ظاہر ہو، اور وہ گذرے ہوئے اَکابر واَسلاف کے طریقے پر گامزن ہو) (معالم اِرشادیہ ۴۱۳)

(حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا اِرشاد بلاشبہ ایک طالب علم کے لئے روشن منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس جو طالب علم اِس معیار پر پورا اُترے گا وہی کامیاب ہوگا، اِن شاءاللہ تعالیٰ) (مرتب)

علم دین کو دنیا طلبی کے لئے وسیلہ نہ بنائیں!

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم دین کو محض ایک صنعت اور ذریعہ معاش سمجھ کر اُس میں مشغول ہو، تو نہ تو اُس کے علم میں کوئی خیر ہوگی اور نہ اُسے طلب علم کا ثواب ملے گا۔

اِسی طرح جو شخص علم کو لوگوں سے بحث ومباحثہ اور کسی کی تردید یا کسی کی تائید کا ذریعہ بنائے، یا محض متعدد مدارس وجامعات کی ڈگریاں جمع کر کے اُن پر فخر کرے، تو اُس میں بھی کوئی خیر نہیں۔

بلکہ علم دین سیکھتے وقت درج ذیل باتوں کا استحضار رہنا چاہئے:

(۱) عمل:- جو تخلیہ اور تحلیہ پر مشتمل ہے، یعنی معاصی اور منکرات کو ترک کرنا اور مأمورات اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا۔

(۲) تعلیم وتدریس:- یعنی علم سیکھ کر اُمت کو سکھلانا۔

(۳) فکرِ صحیح پر اِستقامت:- یعنی خود بھی عقائد صحیحہ پر قائم رہنا اور اُمت کو بھی قائم رکھنے کی کوشش کرنا۔ اور کتاب وسنت کو جس اَنداز میں سلف صالحین نے سمجھا ہے اور جس منہج کو اُنہوں نے اختیار کیا ہے، پوری مضبوطی کے ساتھ اُس پر ثابت قدم رہنا۔

یہی علم دین سیکھنے کے اصل مقاصد ہیں، جن کو کسی بھی عالم اور طالب علم کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۱۳-۴۱۴)

علم دین میں ترقی کے لئے گناہوں سے بچنا ضروری ہے

متعدد ائمہ کرام اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے علم کی حفاظت کے ذریعہ کے طور پر بالخصوص

معاصی اور منکرات سے اِجتناب کی تاکید منقول ہے؛ چناں چہ پہلی مرتبہ حضرت اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ''مؤطا'' پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے، تو حضرت اِمام مالکؒ نے اُن سے فرمایا: ''یَا مُحَمَّدُ! اِتَّقِ اللّٰہَ، وَاجْتَنِبِ الْمَعَاصِيَ؛ فَإِنَّہٗ سَیَکُوْنُ لَکَ شَأْنٌ مِنَ الشَّأْنِ'' (اے محمد! (اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام) اللہ سے ڈرو، اور گناہوں سے بچتے رہو؛ کیوں کہ عنقریب تمہاری بلند سے بلند شان ہونے والی ہے)

نیز ایک موقع پر حضرت اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ: ''إِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَلْقٰی عَلیٰ قَلْبِکَ نُوْرًا، فَلَا تُطْفِئْہُ بِالْمَعْصِیَۃِ'' (اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ڈالا ہے، پس اُس کو معصیت اور گناہ کے ذریعہ بجھا مت دینا) (معالم اِرشادیہ ۴۱۴-۴۱۵)

حضرت اِمام اَعظمؒ کا گناہ سے بچنے کا اہتمام

اِمام اَعظم حضرت اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ کو کسی مسئلے میں اِشکال پیش آتا اور وہ حل نہ ہوتا، تو آپ اپنے شاگردوں سے فرماتے کہ ''یہ شاید میرے کسی تازہ گناہ کا اثر ہے'' پھر آپ خوب استغفار فرماتے، اور کبھی نماز میں مشغول ہوجاتے؛ تا آں کہ اُس مسئلہ کا حکم آپ پر منکشف ہوجاتا، تو آپ اِرشاد فرماتے کہ ''مجھے اُمید ہے کہ میری توبہ قبول کرلی گئی ہے''۔

منقول ہے کہ جب اِمام صاحبؒ کی یہ بات مشہور بزرگ حضرت فضیل بن عیاضؒ تک پہنچی، تو آپ پر سخت گریہ طاری ہوگیا، اور جب اِفاقہ ہوا تو فرمایا: ''ذٰلِکَ لِقِلَّۃِ ذَنْبِہٖ، فَأَمَّا غَیْرُہٗ فَلَا یَنْتَبِہُ لَہٗ'' (یعنی حضرت اِمام اَعظمؒ کا یہ حال اِس وجہ سے ہے کہ اُن کے گناہ بہت ہی کم ہیں، ورنہ تو دوسرے لوگوں کو تو ایسی باتوں پر تنبہ بھی نہیں ہوتا) (معالم ارشادیہ ۴۱۵)

(اللہ اکبر کبیرا! حضرت اِمام اَعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ واقعہ اور اُس پر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ہم جیسے نام نہاد طلبۂ علم کے لئے بہت ہی عبرت آموز ہے کہ یہاں

غفلت اور لا پرواہی کا یہ عالم ہے کہ ہزار نافرمانیوں کے باوجود کبھی اُن کے نقصان دہ ہونے کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا، الامان والحفیظ) (مرتب)

حمد و شکر؛ علم کے لئے موجبِ ترقی ہے

حضرت اِمامِ اَعظم اَبو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک طرف خشیت کا وہ حال تھا جو اُوپر مذکور ہوا، اور دوسری طرف اُن کے علم میں اِضافہ کا ایک اور سبب بھی تھا، جسے آپ نے خود اِن اَلفاظ میں بیان فرمایا کہ ”إِنَّمَا أَدْرَكْتُ الْعِلْمَ بِالْحَمْدِ وَالشُّكْرِ فَكُلَّمَا فَهِمْتُ وَوَقَفْتُ عَلىٰ فِقْهٍ وَحِكْمَةٍ فَقُلْتُ: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالىٰ“ اِزْدَادَ عِلْمِي“ (اور میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اُس کی شکر گذاری کے ذریعہ علم کو حاصل کیا ہے؛ چناں چہ جب بھی مجھے کوئی علمی بات سمجھ میں آتی یا کسی فقہی مسئلے یا حکمت کی بات پر میں مطلع ہوتا تو میں فوراً ”الحمد للہ تعالیٰ“ کہتا تھا، جس کی بدولت میرے علم میں اِضافہ ہوتا)

حضرۃ الامامؒ کا یہ عمل اِرشادِ خداوندی: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [ابراهيم: ۷] (اگر تم شکر گذاری بجالاؤ گے تو میں تمھیں مزید نوازوں گا) کی تعمیل کے طور پر تھا، جس سے کتاب اللہ پر آپ کی گہری نظر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۱۵-۴۱۶)

گناہوں کی نحوست

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم اور طے شدہ ہے کہ گناہوں اور معاصی کا طالب علم کی زندگی پر بہت ہی منفی اثر پڑتا ہے؛ کیوں کہ علم ایک نور اور پیغمبر علیہ السلام کی وراثت ہے، جب کہ گناہ ظلمت اور تاریکی ہے، پس ایک دل میں روشنی اور تاریکی جمع نہیں ہوسکتی۔

پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ گناہوں کی نحوست اور اُن کا وبال صرف گنہگار تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ دور تک اُس کے زہریلے اثرات پہنچتے ہیں، جیسا کہ اِرشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا

تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾ [الانفال: ۲۵] (اور بچتے رہو اُس فساد سے جس میں صرف تم میں سے گنہگار ہی مبتلا نہ ہوں گے) (بلکہ اُس فساد کا اثر گنہگاروں کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچے گا) (معالم اِرشادیہ ۴۱۶)

دو اہم نصیحتیں

شیخ اِمام علی بن احمد بن محمد الحسینی البغدادیؒ (المتوفی ۵۷۵ھ) نے خاص طور پر طالب علم کے لئے اور عمومی طور پر ہر مسلمان کے لئے دو انتہائی قیمتی اور جامع نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ کا اِرشاد ہے: "اِجْعَلِ النَّوَافِلَ كَالْفَرَائِضِ، وَالْمَعَاصِيَ كَالْكُفْرِ" (یعنی جس طرح فرائض کا اِلتزام اور اہتمام ہوتا ہے اِسی طرح تمہیں اَعمالِ نافلہ کا اِلتزام کرنا چاہئے، اور جس طریقے پر ہر مسلمان کفر کو سخت ناپسند سمجھتا ہے، اِسی طرح ہر گناہ کو کفر کے درجہ میں رکھ کر اُس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے) (معالم اِرشادیہ ۴۱۶)

(بلاشبہ یہ نصیحتیں آبِ زر سے لکھے جانے اور دل میں جاگزیں کرنے کے قابل ہیں)

تیسری فصل:

اپنے شاگردوں کی حوصلہ اَفزائی

اُستاذ مربی کو چاہئے کہ موقع بموقع طلبہ کی ہمت اَفزائی اور حوصلہ اَفزائی کا سلسلہ جاری رکھے، اور اِس کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً:

(۱) کبھی اپنے شاگرد کو اِمامت کے لئے آگے بڑھادے۔

(۲) اپنی موجودگی میں اُن سے بیان اور وعظ کرائے۔

(۳) اپنی کتاب میں شاگرد کی کسی کتاب سے کوئی مضمون حوالے کے ساتھ نقل کرے۔

(۴) کوئی حدیث یا کوئی علمی مسئلہ شاگرد سے نقل کر کے بیان کرے۔

(۵) عام لوگوں اور ہم عصروں کے سامنے شاگرد کا اچھے اَلفاظ میں تذکرہ کرے۔

اِس طرح کے واقعات اَسلاف واَکابر سے بکثرت منقول ہیں (جن کی وجہ سے طالب علم میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، اور مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ جس کا اندازہ ہر محنتی طالب علم بآسانی لگا سکتا ہے کہ اُستاذ معظم کی طرف سے معمولی حوصلہ اَفزائی شاگرد کو منٹوں میں بلندی کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے اور ذہن ودماغ کی گرہوں کو کھول دیتی ہے) (مرتب)

چناں چہ اِمام المحدثین حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جلالت شان کے باوجود اپنے دو شاگردوں - ابن خزیمہ اور ابوالعباس السراج - سے ''تاریخ کبیر'' میں روایات نقل فرمائی ہیں (جو اِن شاگردوں کے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے) اِسی طرح حضرت اِمام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سنن ترمذی'' میں خود لکھا ہے کہ اُن کے اُستاذ حضرت اِمام بخاریؒ نے اُن سے بعض روایات سماعت فرمائی ہیں۔

اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ عبد الغنی بن سعید الازدیؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ جس وقت اپنی کتاب **"المؤتلف و المختلف"** کی تالیف وترتیب میں مشغول تھے، تو اُس دوران اُن کے اُستاذ گرامی حضرت اِمام دار قطنیؒ اُن کے پاس تشریف لائے، تو شیخ عبد الغنیؒ نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے اِمام دار قطنیؒ سے بہت سی روایت اَخذ فرمائیں، اور اُنہیں اپنی کتاب میں درج کیا، مگر شیخ عبد الغنی فرماتے ہیں کہ تعجب اور حیرت کی بات یہ ہوئی کہ جب میں کتاب مکمل کر چکا تو حضرت اِمام دار قطنیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم سے یہ پوری کتاب سننا چاہتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ حضرت اِس کتاب میں زیادہ تر وہی باتیں ہیں جو میں نے آنجناب سے حاصل کی ہیں۔ تو حضرۃ الاستاذ نے فرمایا "یہ مت کہو! اِس لئے کہ تم نے مجھ سے متفرق چیزیں الگ الگ جمع کی ہیں؛ لیکن اِس کتاب میں تم نے سب کو یکجا کر دیا ہے، اور مزید یہ کہ اِس میں دیگر اَساتذہ سے حاصل کردہ باتیں بھی ہیں"؛ چناں چہ میں نے آپ کو پوری کتاب سنانے کا شرف حاصل کیا۔

الغرض اُستاذ کی طرف سے ذہین شاگردوں کی حوصلہ اَفزائی یہ بہت اہم صفت ہے، جو خود اُستاذ کے لئے بھی قابل تعریف ہے؛ چناں چہ حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوحیان الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: **"كَانَ لَهُ إِقْبَالٌ عَلیٰ أَذْكِيَاءِ الطَّلَبَةِ يُعَظِّمُهُمْ وَيُنَوِّهُ بِقَدْرِهِمْ"** (یعنی علامہ ابوحیان ذہین طلبہ پر خصوصی نگاہ رکھتے تھے، اُن کو آگے بڑھاتے اور قدردانی فرمایا کرتے تھے) (معالم ارشادیہ ۴۱۷-۴۱۸)

(یہی بات ہم نے اپنے مشفق حضراتِ اَساتذۂ کرام میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی کہ وہ قدم قدم پر اپنے شاگردوں کی حوصلہ اَفزائی فرماتے ہیں، اور اُن کی خدمات پر دلی مسرت اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور دوسروں کے سامنے بلاتکلف اُن کا اچھے اَلفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے شاگردوں کے اندر آگے بڑھنے کی مزید ہمت پیدا ہوتی ہے، فجزاہم اللہ احسن الجزاء) (مرتب)

پیغمبر علیہ السلام کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاص صفات بیان کرنا

حضراتِ اَساتذۂ کرام کی طرف سے خاص شاگردوں کی حوصلہ اَفزائی کا عمل دراَصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ اِس لئے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض صفات میں ممتاز صحابہؓ کی طرف لوگوں کو متوجہ فرمایا؛ جیسا کہ سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْ بَكْرٍ (میری اُمت میں اُمتیوں کے ساتھ سب سے زیادہ مہربانی کرنے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں)

وَأَشَدُّهُمْ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ (اور دینی معاملات میں سب سے سخت حضرت عمرؓ ہیں)

وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ (اور سب سے سچے حیادار حضرت عثمان غنیؓ ہیں)

(اور ایک روایت میں ہے: ”وَأَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ“ (اور سب سے زیادہ قضا میں ماہر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں)

وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ (اور حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں)

وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ (اور وراثت کے مسائل میں سب سے زیادہ ماہر حضرت زید بن ثابتؓ ہیں)

وَأَقْرَأُهُمْ أُبَيٌّ (اور صحابہ میں سب سے بڑے قاری صاحب حضرت ابی بن کعبؓ ہیں)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِيْنٌ وَأَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (اور ہر اُمت میں ایک اَمانت دار شخص ہوتا ہے، اور اِس اُمت کے اَمین حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہیں) (سنن الترمذی رقم: ۳۷۹۰، سنن ابن ماجۃ رقم: ۱۵۴)

اور مسند احمد میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِيْ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (میرے بعد اِن دونوں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی پیروی کرنا)

وَتَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ عَمَّارٍ (اور حضرت عمارؓ کی نصیحتوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو)

وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْهُ (اور ابن مسعودؓ جو بات تمہارے سامنے بیان کرے تم اُس کی تصدیق کرو) (مسند احمد رقم: ۶۷۲)

اِس طرح کی روایات سے اِستدلال کرتے ہوئے علامہ خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ ''فقیہ کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے علمی مراتب اور فضائل اور بلند معیار کا لوگوں کے سامنے تذکرہ کرے؛ تاکہ نئے پیش آمدہ مسائل میں اُس فقیہ کے بعد لوگ اُن ممتاز فضلاء سے رجوع کر کے اُن سے اِستفادہ کرسکیں''۔ (آداب الفقیہ والمتفقہ ۲/۲۹۰)

اِسی بنا پر خلیفہ دوم اَمیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: ''لَقَدْ عَلِمْتَ عِلْمًا مَا عَلِمْنَاهُ'' (آپ نے ایسا علم سیکھا ہے جس کا ہمیں بھی پہلے سے علم نہ تھا)

تو اَکابر کا اِس طریقے پر اپنے چھوٹوں کی حوصلہ اَفزائی کرنا اور اُن کی خصوصیات کو اُجاگر کرنا؛ اِس سے نہ صرف یہ کہ طالب علم کی ہمت بڑھتی ہے؛ بلکہ اِس کی وجہ سے اُمت کی بھی رہنمائی ہوتی ہے؛ گویا کہ یہ حوصلہ اَفزائی کرنے والا اُستاذ عام لوگوں کو خاص صلاحیت والے علماء سے اِستفادہ کی دعوت دے رہا ہے، مزید یہ کہ اِس میں خصوصاً دیگر طلبۂ علم کے لئے یہ رہنمائی بھی ہے کہ وہ علماء سے خاص کر ایسے علم میں اِستفادہ کی کوشش کریں جس میں وہ عالم اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہو۔ (معالم اِرشادیہ ۴۱۸-۴۲۰)

ایک اہم تنبیہ

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ یہاں اُستاذ کے سامنے یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہئے کہ حوصلہ اَفزائی اور طلبہ کی تعریف والا عمل محض ایک دوا کے درجہ میں ہے، جس کو برمحل صرف اُتنی

مقدار میں استعمال کیا جانا چاہئے جو مفید ہو، نہ ضرورت سے کم ہو اور نہ زیادہ۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۰)

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ کی مذکورہ تنبیہ بہت اہم اور ضروری ہے؛ کیوں کہ جس طرح طالب علم کے لئے اُستاذ کی طرف سے حوصلہ شکنی نقصان دہ ہے، اِسی طرح ضرورت سے زائد حوصلہ اَفزائی اور بے جا تعریف بھی بہت زیادہ مضر ہے، اِس کی وجہ سے طالب علم عجب اور خود رائی میں مبتلا ہوسکتا ہے، جس میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے؛ لہٰذا ہمدرد اور خیر خواہ اُستاذ وہی کہلائے گا جو دونوں باتوں کے درمیان توازن کو قائم رکھ کر تربیت کرے؛ تاکہ وہ اُمت کے سامنے ایک بہترین نمونے کو پیش کر سکے) (مرتب)

چوتھی فصل:

اَکابر واَسلاف کی سیرت کا مطالعہ

ایک نہایت قابل توجہ اَمر یہ ہے کہ طلبہ کو گذشتہ زمانے کے اَکابر علماء کی علمی اور عملی زندگی کے بارے میں مطالعہ کی تاکید کرنی چاہئے؛ تاکہ سلف صالحین کی عادات وخصائل اور اَفکار صحیحہ طلبہ کے دلوں میں راسخ ہوسکیں۔ علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر اِس جانب توجہ دلائی ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں ''پرانے علماء کی ہمتیں بہت بلند تھیں، جس پر اُن کی بلند پایہ تصانیف دال ہیں، جو اُن کی زندگیوں کا ماحصل ہیں؛ لیکن اَکثر تصانیف ناپید ہوتی جارہی ہیں؛ اِس لئے کہ (موجودہ دور کے) طلبہ کی ہمتیں کمزور ہوگئیں، اَب وہ صرف مختصر کتابیں ہی پسند کرتے ہیں؛ حالاں کہ علم میں کمال حاصل کرنے کا راستہ یہی ہے کہ علماء متقدمین کی کتابوں کا بکثرت مطالعہ کیا جائے؛ کیوں کہ اُن کے مطالعہ سے اُن علماء کے علوم کا صحیح اَندازہ ہوگا، اور اُن کی بلند ہمتوں کا پتہ چلے گا، جس سے خود طالب علم کی فکر اور حوصلہ میں اِضافہ ہوگا، اور کوئی بھی کتاب کسی نہ کسی فائدے سے خالی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن میں موجودہ دور کے اکثر لوگوں کے اَحوال سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، جن میں نہ تو بلند ہمتی نظر آتی ہے کہ مبتدی طالب علم اُن کی پیروی کرے اور نہ ورع وتقویٰ کا رنگ دکھائی دیتا ہے، جس سے کوئی زاہد اِستفادہ کرسکے، پس ایسے لوگوں سے اللہ ہی بچائے۔ تمہیں تو سلف صالحین کے حالات وواقعات اور اُن کی تصانیف وکتب کا ہی مطالعہ کرنا چاہئے''۔

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ یہ ایک بابصیرت عالم کی تحریر کا اقتباس ہے جو علماء

متقدمین کے اَحوال واَخبار کے مطالعہ پر اُبھارتا ہے؛ اِس لئے کہ اُن کی سوانح پڑھنا گویا کہ اُن کے ساتھ زندگی گذارنا ہے۔ اِس کے ذریعہ سے اُن بزرگوں کے اَحوال پڑھنے والے کی روح میں اِس طرح سرایت کرجاتے ہیں جیسا کہ پانی ٹہنی میں سرایت کرکے اُسے طاقتور، مضبوط اور ثمر آور بنادیتا ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۱-۴۲۲)

سیرتِ اَسلاف سے متعلق دو اَہم قابل مطالعہ کتابیں

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں اپنے اَحباب طالبانِ علومِ نبوت کو خاص کر دو کتابوں کے مطالعہ کا خیرخواہانہ مشورہ دیتا ہوں:

(۱) رسالہ قشیریہ:- یہ اِمام اَبوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (المتوفی ۴۶۵ھ) کا تحریر فرمودہ ہے، جس کے مؤلف کے بارے میں علامہ سمعانیؒ نے اپنی کتاب ''الانساب'' میں لکھا ہے کہ ''وہ دنیا کے اُن چند مشہور لوگوں میں سے ہیں جو علم وفضل اور زہد میں مشہور ہوئے''۔

اور علامہ ذہبیؒ نے خود علامہ سمعانیؒ سے اُن کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ''علم وعمل اور مہارتِ فن میں علامہ قشیری رحمہ اللہ اپنے دور میں بے مثال تھے، اُنہوں نے شریعت اور حقیقت (تصوف) دونوں میں کمال حاصل کیا تھا''۔

اور علامہ ابن عساکرؒ نے علامہ باخرزیؒ سے نقل کیا ہے کہ ''علامہ قشیریؒ کو جو علوم پر دسترس حاصل تھی، وہ اِنسانی طاقت سے باہر تھی۔ (یعنی محیر العقول تھی)

اور علامہ سبکیؒ نے ''الطبقات'' میں اِمام سمعانیؒ سے نقل کیا ہے کہ ''اِمام قشیریؒ ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے، تو اُس سال حج میں اَطراف واَکنافِ عالم سے چار سو قاضی اور اِمامِ فن جمع تھے، اور مسجد حرام میں وعظ ونصیحت کے لئے کسی فرد کو متعین کرنا تھا، تو سب نے اِمام قشیریؒ کے نام پر اتفاق کیا؛ چناں چہ آپ نے مسجد حرام میں دینی واِصلاحی گفتگو فرمائی''۔

اور آپ کی تالیف ''رسالہ قشیریہ'' کی اَہمیت کا اَندازہ اِس سے لگایا جاسکتا ہے کہ گذشت

۱۰ر صدیوں سے وہ مسلسل علماء کے درمیان مقبول و معتمد رہی ہے، اور اتنی مشہور ہے کہ خود اِمام قشیریؒ کا تعارف اِس تالیف سے کرایا جاتا ہے کہ آپ ''رسالہ قشیریہ'' کے مؤلف ہیں۔

پس جو کتاب ایسے اعلیٰ مقام پر ہو اور اُسے علماء کے درمیان اِس قدر مقبولیت حاصل ہو، وہ یقیناً اِس لائق ہے کہ اُس کے مطالعہ کا خوب اہتمام رکھا جائے۔

(۲) سیر اعلام النبلاء:- یہ دوسری کتاب ہے جس کے مطالعہ کا میں مشورہ دیا کرتا ہوں، یہ اِمام الحافظ، الناقد شمس الدین الذہبیؒ کی تالیف ہے، اور یہ کتاب واقعۃً ایک مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس میں علم، عمل، راہِ سلوک و ہدایت اور سلف صالحین اور اُن کے متبعین کی زندگی گذارنے کے طریقے سب کچھ بکھرے پڑے ہیں (البتہ کہیں کہیں حواشی میں کچھ نازیبا باتیں بھی ہیں، تو اُن کو نظر انداز کرنے کی ضرورت ہے) (معالم اِرشادیہ ۴۲۲-۴۲۳)

پانچویں فصل:

دنیاداری سے پرہیز

طلبہ کی تربیت کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ دنیا کی زیب وزینت اور رنگ رلیوں سے پوری طرح بے زار رہیں، اور سب سے اَچھا طالب علم؛ بلکہ عالم وہ ہے جو طالب نہ ہو؛ بلکہ مطلوب ہو، اور قاصد نہ ہو؛ بلکہ مقصود ہو۔ اور ایسا کردار پیش کرے کہ لوگوں کی نظر میں مرغوب الیہ بن جائے، جب کہ خود اُن کی طرف راغب نہ ہو۔

اور دنیا کے معمولی اَسباب پر راضی رہنا اور کفایت شعاری اختیار کرنا دنیا سے بے رغبت رہنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۴)

شہزادے کے لئے الگ مجلس درس سے انکار

راویانِ حدیث شریف میں ایک راوی قبیصۃ بن عقبہ السوائی ہیں، جو حضرت اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اَساتذہ میں سے ہیں، اُن کے حالات بیان کرتے ہوئے اِمام ابن اَبی حاتم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے خاندان کا ایک شخص حضرت قبیصہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ اُس کے لئے درسِ حدیث شریف کی ایک خصوصی مجلس منعقد کریں، تو حضرت قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُس سے فرمایا کہ درس کی عمومی مجلس میں دیگر طلبہ کے ساتھ آپ بھی حاضر ہوجائیں؛ گویا کہ آپ نے اُس کے لئے الگ مجلس سے معذرت کرلی، تو اُس عباسی شخص نے آپ کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ ''آپ بنو ہاشم کے حق سے واقف نہیں ہیں؟'' یہ سن کر حضرت قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کر گھر کے اندر تشریف لے گئے، اور ایک روٹی لے کر باہر تشریف لائے، جس پر نمک کی ڈلی رکھی ہوئی تھی، اور اُس عباسی شہزادے سے فرمایا کہ

''جو شخص دنیا میں صرف اِسی نمک آمیز روٹی پر راضی ہو، اُس کی نظر میں تیری دھمکی آمیز گفتگو کی کوئی حیثیت نہیں ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۴)

(واقعی یہی وہ استغناء ہے جس نے حضراتِ اکابر واَسلاف کو سربلندی عطا فرمائی تھی) (مرتب)

شہزادوں کے ساتھ اِمام نخعیؒ کا سبق آموز رویہ

مشہور عالم قاضی شریک بن عبداللہ النخعیؒ کی مجلس میں خلیفہ مہدی عباسی کی اَولاد میں سے ایک شخص حاضر ہوا، اور دیوار پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے کھڑے (نہایت تکبر سے) کسی حدیث کے بارے میں سوال کرنے لگا، حضرت قاضی صاحب نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اُس نے کئی مرتبہ اپنا سوال دوہرایا، مگر حضرت نے کوئی التفات نہیں فرمایا۔ تو وہ کہنے لگا کہ ''آپ خلفاء کی اَولاد کے ساتھ اِہانت آمیز معاملہ فرماتے ہیں؟'' تو حضرت اِمام نخعیؒ نے فرمایا کہ ''یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ دراصل اَہل علم کی نظر میں علم بہت قیمتی اور مزین شئ ہے، وہ اُسے ضائع نہیں کرنا چاہتے'' یہ سن کر وہ عباسی شخص گھٹنوں کے بل (تواضع کے ساتھ) بیٹھ گیا اور اَب اُس نے سوال عرض کیا، تو حضرت نے جواب مرحمت فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ ''علم اِس طرح طلب کیا جاتا ہے''۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۵)

علم دین کے ذریعہ مال ودولت کی طلب

بہرحال عالی مرتبت طالب علم اور نبی کے وارث کو ہوشیار رہنا چاہئے اور علم کے ذریعہ مادی مفادات حاصل کرکے اُس کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے۔ حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالیؒ فرماتے ہیں: ''مَنْ طَلَبَ بِالْعِلْمِ الْمَالَ كَانَ كَمَنْ مَسَحَ أَسْفَلَ مَدَاسِهٖ بِوَجْهِهٖ لِيُنَظِّفَهٗ، فَجَعَلَ الْمَخْدُوْمَ خَادِمًا وَالْخَادِمَ مَخْدُوْمًا'' (یعنی جو شخص علم دین کے ذریعہ مال کی طلب کرے، اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے جوتے کے تلوے کو اپنے چہرہ سے صاف کرے، پس اُس نے مخدوم کو خادم اور خادم کو مخدوم بنادیا) (معالم اِرشادیہ ۴۲۵)

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قابل تقلید معمولِ مبارک

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو ہم کج فکری کا خطرہ زیادہ تر عوام میں محسوس

کرتے تھے، اور اُنہیں تاکید کرتے تھے کہ وہ اُس معمول پر عمل کریں جسے خلیفہ اول سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا تھا، کہ آپ مغرب کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد رکوع سے پہلے یہ قرآنی دعا پڑھا کرتے تھے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ۸] (اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد آپ ہمارے دلوں میں کجی مت پیدا فرمائیے! اور ہمیں اپنی جانب سے رحمت سے نوازئے! بلاشبہ آپ بہت عطا فرمانے والے ہیں)

لیکن اَب اِس کج فکری کا خطرہ عوام کے بجائے اُن لوگوں میں زیادہ ہے، جنہوں نے طلبہ علم کا چولا پہن رکھا ہے؛ کیوں کہ اُن میں سے بہت بڑی تعداد دین کے ذریعہ دنیا کمانے میں یا شہرت حاصل کرنے میں لگی ہوئی ہے، یہ لوگ اپنے علم کے ذریعہ اَربابِ اقتدار کو خوش کرکے اللہ کے دین میں کھلواڑ کے مرتکب ہورہے ہیں۔ اور اُن پر درحقیقت یہ شعر صادق آتا ہے:

يَوْمًا يَمَانٍ إِذَا لَاقَيْتَ ذَا يَمَنٍ ❖ وَإِنْ لَقِيتَ مَعَدِّيًّا فَعَدْنَانِيُّ

ترجمہ:- جب کسی یمنی سے ملاقات ہو تو تم یمنی بن جاؤ، اور جب قبیلہ معد والوں سے سامنا ہو تو عدنانی بن جاؤ۔ (یعنی جب جیسا موقع ہو اپنے مفاد کے لئے حق و باطل دیکھے بغیر اُس کی تائید کردو)

یا یہ کہئے کہ ایسے لوگوں کا حال اِن اَشعار کا مصداق ہے:

تَزَنْدَقَ مُعْلِنًا لِيَقُوْلَ قَوْمٌ ❖ مِنَ الْأُدَبَاءِ، زِنْدِيقٌ، ظَرِيفٌ

فَقَدْ بَقِيَ التَّزَنْدُقُ فِيهِ وَصْفًا ❖ وَمَا قِيلَ الظَّرِيفُ وَلَا الْخَفِيفُ

ترجمہ:- (۱) کسی نے علی الاعلان بددینی اور اِلحاد کی روش اختیار کی؛ تاکہ لوگ اُسے آزاد خیال اور خوش طبع اَدیب کہیں۔ (۲) البتہ ہوا یہ کہ اُسے ظرافت اور ہنسے ہنسانے کے حوالے سے تو کسی نے جانا نہیں؛ لیکن مذہب بیزاری کی صفت ہمیشہ کے لئے اُس کے نام کے ساتھ جڑ گئی۔

تو عوام کے مقابلے میں ایسے نام نہاد طلبہ اور علماء سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

معمولِ مبارک کو اختیار کرنے کے زیادہ مستحق ہیں؛ اِس لئے کہ وہ اُمت کے قائد اور سردار بننے والے ہیں؛ کیوں کہ اگر ستارے ہی بے نور ہو جائیں تو عنقریب رہنما بھی راستہ بھٹک سکتے ہیں۔

اَفسوس اور تشویش کی بات یہ ہے کہ ایسے نام نہاد لوگوں کے اندر اپنے علم وعمل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا سچا جذبہ اکثر نہیں پایا جاتا، ایسا لگتا ہے کہ اُنہوں نے قرآنِ کریم کی یہ آیت: ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ [التوبة: ٦٢] (اللہ اور اُس کے رسول اِس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ اُن کی خوشنودی حاصل کی جائے) پڑھی ہی نہیں ہے۔ اُن کی توجہ تو بس اِس جانب ہے کہ وہ اَربابِ اقتدار کو کیسے خوش کریں؟ اور اُن کے منظورِ نظر کیسے بنیں؟ اُن کا حال یہ ہے کہ اُنہیں مشرق کی طرف چلایا جائے تو اُدھر چل پڑتے ہیں، اور مغرب کی طرف اُن کا رخ کیا جائے تو اُس طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اُن کے سر اور چہرہ پر اِسلام اور سنت کی علامتیں کیسے پائی جاسکتی ہیں؟ (معالم اِرشادیہ ۴۲۵-۴۲۶)

علم کی لاج رکھنے والے علماء

شیخ محمد عوامہ مدظلہم فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے اَساتذہ کو خود دیکھا ہے کہ وہ اگرچہ اپنے بیوی بچوں کے لئے ایک دن کے خرچ کے بھی مالک نہ ہوتے تھے؛ لیکن سرمایہ داروں کے سامنے بہت بے رخی اور بے نیازی سے پیش آتے تھے، اُن کا یہ عمل علم کے اعزاز اور اُس اِسلامی تاج کی تعظیم اور اِکرام کے طور پر تھا جو اُن کے سر پر رکھا ہوا تھا۔

اور یہ لوگ بہت پہلے زمانہ کے لئے نہیں ہیں؛ بلکہ ہمارے اُن خصوصی اَساتذہ میں ہیں، جن کی طرف نسبت کرنا اور جن کی شاگردی اختیار کرنا ہمارے لئے فخر اور اعزاز کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی خوشنودی اور رحمت میں ڈھانپ لیں، آمین۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۷)

(بلاشبہ یہی سچے اور مخلص علماء کی نشانی ہے کہ وہ سادگی اور استغناء کے ساتھ زندگی گذار کر اپنے علم کی لاج رکھتے ہیں، یہی لوگ دراصل ملت کے مقتدیٰ بننے کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اُن کی پیروی کرنے اور اُن کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین) (مرتب)

❍❖❍

چھٹی فصل:

اچھے اور برے کی تمیز

اُستاذ کی یہ بھی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ مبارکہ کو اختیار کرتے ہوئے اپنے شاگردوں کی اِس طرح تربیت کرے کہ اُن کے اندر اچھی اور بری بات کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے؛ چناں چہ ''شمائل ترمذی'' میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: ''كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ''. (شمائل ترمذي رقم: ۳۳۰) (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی خبر گیری فرماتے تھے اور لوگوں کے مشاغل و مصروفیات کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے، اور اچھی باتوں کی تحسین و تائید فرماتے تھے، اور بری باتوں پر ناگواری کا اِظہار فرما کر اُس سے بیزاری کی تلقین کرتے تھے)

اِس حدیث شریف میں ''يُحَسِّنُ الْحَسَنَ'' الخ والا جملہ تربیت اور سلوک کے باب میں جوامع الکلم کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ ایسا جامع اور مختصر جملہ ہے جس کے مظاہر بکثرت پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں نظر آتے ہیں کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے معاشرہ کی اچھی باتوں کی تحسین و تائید فرماتے تھے، اور بری باتوں کی حوصلہ شکنی فرماتے تھے۔

یہی طریقہ حضراتِ اَساتذۂ کرام کو اپنے شاگردوں کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے کہ وہ اُن کی مسلسل خبر گیری رکھیں، اور اگر وہ کبھی غیر حاضر ہوں تو اُن سے غیر حاضری کا سبب پوچھیں، اور اچھے برے حالات میں اُن کے ساتھ خیر خواہی اور مؤاسات کا معاملہ کریں، اور اُن سے معاشرہ کے مسائل واَحوال کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرتے رہیں؛ تاکہ اُستاذ کے سامنے جب صحیح

صورتِ حال ہو، تو وہ روحانی طبیب بن کر اُمت کا صحیح طریقے پر علاج کر سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ زمانہ آگے بڑھ جائے اور عالم اُس سے بے خبر رہ کر اُمت کی رہنمائی کی ناکام کوشش کرے۔

پھر طلبہ میں جو اچھی باتیں پائی جائیں، تو اُن پر شاباشی اور حوصلہ اَفزائی بھی ضروری ہے؛ تاکہ اُن اچھائیوں کا تسلسل جاری رہے، اور اگر کوئی برائی نظر میں آئے، تو اُس کی صراحۃً یا دلالۃً حسن تدبیر اور حکمت عملی کے ساتھ تردید اور حوصلہ شکنی کی جائے۔ یہ کامل اُستاذ کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ (معالم اِرشادیہ ۴۲۷-۴۲۸)

❏❖❏

اختتامیہ

ایک اہم اور جامع وصیت نامہ

شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ اِس مفید ترین کتاب کے آخری باب میں فرماتے ہیں کہ ''آج کے طالب علم'' اور ''کل کے عالم'' کی کردار سازی کے بارے میں اہم ہدایات اور خاص نصائح پر مشتمل اِس مجموعہ کے سلسلے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ اُمید ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب اور باتوفیق ہوں، اور یہ کتاب خود میرے لئے، میری اَولاد، میرے تلامذہ اور اِس کتاب کے پڑھنے والوں کے لئے نفع بخش ہوگی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ تفصیلات اپنی جگہ؛ لیکن ''دکتور محمد عزوز'' نے ایک چھوٹا سا کتابچہ ''مختارات من وصایا أُندلسیة مغربیة'' کے نام سے طبع کرایا ہے، اُس میں سبھی وصیت نامے نفع بخش اور بہترین ہیں؛ لیکن میں نے اُن میں سے گیارہویں صدی کے مشہور ومعروف مغربی عالم علامہ حامد محمد العربی بن یوسف الفاسیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) کے اُس وصیت نامے کو جو اُنہوں نے اپنی اُن اَولادوں کے لئے لکھا تھا، جو علم سیکھنے کے لئے ''فاس'' شہر میں آئے تھے، اُس کو اِس مجموعہ میں شامل کرنا بہتر سمجھا؛ کیوں کہ وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ طالب علم سے متعلق سبھی اَہم آداب کو شامل ہے، اور لائق مطالعہ ہے۔

شیخ فاسیؒ اپنے بچوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

- ''سب سے پہلے میں تمہیں تنہائی اور لوگوں کے سامنے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔
- اور یہ تاکید کرتا ہوں کہ صرف مفید کاموں میں ہی مشغول رہیں (لغویات سے بچیں)
- باجماعت نماز کی پابندی کریں۔
- علمی مشغلے میں لگے رہیں، اور جہاں تک ہو سکے اُس میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

○ تم لوگوں کی توجہ اَہم ترین علوم کی طرف پہلے ہونی چاہیئے، ویسے تو سارے ہی علوم اَہمیت رکھتے ہیں؛ لیکن اُن میں سب سے اَہم علم شریعت کا علم ہے۔

○ جس مسئلہ کا حکم تمہیں آج معلوم ہوسکتا ہو، اُسے کل پر مت ٹالو (بلکہ آج ہی اُسے سیکھ لو)

○ کسی بھی علم کو حقیر مت سمجھو؛ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ [الزمر: ۹] (کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟ یقیناً عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

○ سب سے پہلے ''علم نحو'' حاصل کرو، اور اُس کے اہم اور بنیادی قواعد کو حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرو۔ اور اِس سلسلے میں کتاب ''الفیۃ'' بہت کافی ہے، اُس کو سمجھ کر اچھی طرح یاد کرلو؛ کیوں کہ ''علم نحو'' عربی زبان کے لئے چابی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اُسی سے ملحق ''علم صرف'' ہے، اور اُس کے توابع میں ''عروض وقافیہ'' کا علم ہے، جس کی بعض مسائل میں ضرورت پیش آتی ہے۔

○ اور عقائد کا علم بھی ضرور حاصل کرو؛ کیوں کہ وہ اِس دین کی اصل اور بنیاد ہے، پھر اگر کوئی محقق اُستاذ مل جائے تو اُس سے ''علم کلام'' پڑھو۔ اور اگر اِسلامی فلسفہ کی تحقیق کرسکو تو اِس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ اِس کے ذریعہ سے عقل کے گوشے کھلتے ہیں، قوتِ فکر میں اِضافہ ہوتا ہے، گفتگو میں کشادگی اور تحریر میں نظم وضبط، اور فکر میں درستگی، اور مناظرہ کرنے کی جرأت پیدا ہوتی ہے، جس سے دیگر علوم میں بھی بحث کرنے میں مدد ملتی ہے۔

○ اور ''علم منطق'' سے بھی نظر مت پھیرو؛ کیوں کہ شیخ بن عرفہؒ کا قول ہے: ''مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْمَنْطِقَ لَا يُوثَقُ بِعِلْمِهِ'' (یعنی جو منطق نہ جانے اُس کے علم کا کوئی بھروسہ نہیں) اِس کی تعلیم کا سلسلہ جاری اور عام ہے، اور اُس کا سیکھنا آسان ہے۔

○ اور جس قدر حساب جاننا علم فرائض اور علم ہیئت کے لئے ناگزیر ہو، اُتنا حساب بھی سیکھو؛ لیکن یاد رکھو کہ حساب کا علم اپنی ذات کے اعتبار سے مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود لغیرہ ہے؛ لہٰذا صرف بقدر ضرورت اُسے سیکھو، اور اُس میں زیادہ غلو مت کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے دیگر علوم کی طلب سے مانع بن جائے۔

○ اور نمازوں کے اَوقات اور قبلہ وغیرہ جاننے کے لئے کسی قدر ''علم نجوم'' کو بھی سیکھو۔

○ اور ''علم طب'' بھی نظر میں رہنا چاہئے، جس کے لئے ابن سیناؒ کی کتاب ''اُرجوزہ'' کافی ہے؛ لیکن مجھے اُمید نہیں ہے کہ اُس کا پڑھانے والا تمہیں کوئی مل پائے گا۔

○ اور انتہائی اَہم بات یہ ہے کہ تمہیں قرآنِ کریم اچھی طرح حفظ ہونا چاہئے، اور اُس کے اَلفاظ وحروف کی اَدائیگی اور رسم الخط پر تمہاری پوری نظر رہنی چاہئے۔ اور کوشش کرو کہ سب سے بہترین اُستاذ کے پاس ہی تم قرآن پڑھو۔ پھر قرآنِ کریم کو سمجھنے اور اُس کے احکام کو جاننے کے لئے پوری طاقت لگادو، کوئی چیز تمہیں اُس کے سیکھنے سے نہ روک پائے ......الخ۔ (یہاں بعض مغربی کتابوں اور شخصیات کا ذکر ہے)

○ اور ''علم معانی وبیان'' اور اُس کے توابع کو بھی جاننا لازم ہے؛ کیوں کہ اُن کے ذریعہ سے قرآنِ کریم اور اَحادیث شریفہ کی عبارت کے اَسرار ورموز کھل کر سامنے آتے ہیں......الخ۔

○ اور مذکورہ تمام علوم کے ساتھ تمہارا سب سے بڑا سرمایہ ''علم فقہ'' ہونا چاہئے، جس میں تم اپنی پوری صلاحیتیں صرف کرو۔ اور اِس سلسلے میں ''الرسالۃ'' اور ''المختصر'' کو سمجھ کر یاد کرنا ضروری ہے، پھر جب کسی مسئلے پر اِشکال ہو تو اُس کو ویسے ہی مت چھوڑو؛ بلکہ ماہرین فن سے سوال کر کے اور بڑی کتابوں کے مطالعہ سے اُنہیں حل کئے بغیر تمہیں چین نہ آنا چاہئے۔

○ پھر اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے اور تمہارے اندر گیرائی اور فہم کی اَہلیت پیدا ہوجائے، تو کتاب وسنت اور اِجماع کے مسائل کے دلائل وماٰخذ کو جاننے اور جزئیات کو اُصول سے مربوط کرنے کی معرفت ضرور حاصل کرو۔

○ اور ساتھ میں اپنے اِمام کے اُن قواعد کو بھی ضرور جانو، جن پر اُنہوں نے اپنے مسلک کے اُصول وجزئیات کو مبنی کیا ہے، اور اس کے لئے اُصولِ فقہ کو جاننے کی ضرورت پڑے گی......الخ۔

○ پھر اِس تمام تر محنت سے تمہاری نیت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے تقرب کی ہونی چاہئے، اور تم اپنے صاف ستھرے اِرادے کو کسی دنیوی غرض کو ملا کر ملیامیٹ نہ ہونے دینا؛ اِس لئے کہ دنیا اِس لائق ہرگز نہیں ہے کہ اُسے ''اشرف المطالب'' یعنی علم دین کے بدلے میں حاصل کیا جائے۔

○ اور علم کا اَصل فائدہ عمل ہے۔
○ اور سمجھ دار آدمی کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔
○ اِرشادِ نبوی ہے: ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (اَعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) لٰہذا جہاں تک ہو سکے، اپنی نیتوں کی درستگی کی فکر کرو۔
○ اور تقویٰ اور نیک عمل کو لازم پکڑو؛ کیوں کہ یہی دنیا و آخرت میں تمہارے لئے ذخیرہ بنیں گے اور نجات کا سبب ہوں گے۔
○ اور اُمت کے نیک لوگوں کا حلیہ اور طریقہ اختیار کرنے کی حتی الامکان کوشش کرو۔ اور جن اَخلاق کو اللہ تعالیٰ نے تعظیم کا سبب بنایا ہے اُنہیں اختیار کرو، جیسے: تواضع، شرم و حیا، وقار، سکینت، ذاتی شرافت، عفو و درگذر، محرمات سے نظر کو جھکا کر رکھنا، عفت مآبی، حسن معاشرت، نرم روی، نفس کی پاکیزگی وغیرہ اور لغویات اور مروت میں خلل ڈالنے والے کاموں سے مکمل اجتناب کرو۔ الغرض حتی الامکان اچھی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور برائیوں سے بچو۔
○ اور تم خاص کر تعلیم و تعلم میں کبر و غرور، لوگوں پر رعب جمانے اور شہوتوں کے اتباع سے بچو۔
○ اور سب سے نقصان دہ چیز برے دوست کی صحبت ہے؛ کیوں کہ یہ برا دوست آدمی کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، اور طبعیتیں دوسروں کی طبعیت سے متأثر ہوتی ہیں۔ اور عام لوگ کہتے ہیں کہ ''جس کے ساتھ رہو گے ویسے ہی ہو جاؤ گے''۔
○ اور کسی گرے پڑے شخص کی صحبت پر ہرگز راضی نہ ہو، اور ایسے شخص کی صحبت ہرگز اختیار نہ کرو جس کا حال تمہارے لئے نفع بخش نہ ہو، اور جس کی گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے والی نہ ہو۔
○ پس اگر تم کسی قوم کے درمیان رہتے ہو، تو جو اُن میں اچھے لوگ ہیں، اُن کے ساتھ اُٹھو بیٹھو؛ لیکن اُن کا اَدب اور وقار ضرور ملحوظ رکھو، اور تم لوگوں سے حد سے زیادہ بے تکلف ہو کر زیادہ ہنسی مذاق مت کرنا؛ کیوں کہ اِس سے دشمنیوں کی آبیاری ہوتی ہے، اور چھپا ہوا بغض ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں سے مذاق کرتا ہے، اُس کی حیثیت گھٹ جاتی ہے، اور اُس کی ہر بات کو مذاق پر محول کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اگر چہ اِنسانی طبعیت ہنسی مذاق کی طرف راغب

ہے؛ لیکن یہ بس اِسی قدر مناسب ہے جیسے کہ کھانے میں نمک۔

○ اور اپنے کلام کو بھی عمل میں شامل رکھو (یعنی بدگوئی نہ کرو) اور جہاں تک ہو سکے اپنے اعمال کو درست رکھو، اور مفید مشاغل میں لگے رہو؛ اِس لئے کہ ''اچھے مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے''۔

○ اور اپنے آباء واَجداد سے تعلق رکھنے والوں کے حق کو پہچانو؛ اِس لئے کہ ''والد کے اہل تعلق کا اِکرام کرنا آدمی کی نیکی کی دلیل ہے''۔ (وصیت پوری ہوئی) (معالم اِرشادیہ ۴۳۱-۴۳۷)

اختتامی دعا

اے اَکرم الاکرمین! میں آپ سے اِخلاص، قبولیت، خیر کی توفیق اور اِس کتاب کی نافعیت کی درخواست کرتا ہوں۔ اور اللہ ارحم الراحمین کی ذات سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ اُمت محمدیہ کو تنگیوں سے کشادگی، خاص نصرت، لطف ومہربانی اور عزت وسربلندی سے سرفراز کر کے احسان فرمائیں گے، آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وکتبہ: محمد عوامہ مدینہ منورہ ۹/۲/۱۴۳۴ھ

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اُس نے اِس مفید کتاب کے منتخب مضامین کی آسان اُردو زبان میں تلخیص وترتیب کی توفیق اَرزانی فرمائی۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلف محترم کو پوری اُمت کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں، اور اصل کتاب کے ساتھ ساتھ تلخیص وترجمانی کی اِس حقیر خدمت کو بھی اپنے دربار میں قبولیت سے نواز کر قارئین کے لئے نفع بخش بنائیں، آمین، وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۷/۲/۱۴۴۳ھ بروز بدھ شب ۳۰-۱۰ تقریباً

’’**معالم إرشادية لصناعة طالب العلم**‘‘ کے نام سے موسوم فضیلۃ الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی ایک بڑی نافع، معرکۃ الآراء اور اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مفید کتاب ہے، جس میں علم دین کی عظمت اور قدر و منزلت، علماء اور اَساتذہ کی فضیلت اور اُن کی مجالسِ علمیہ کی اَہمیت و اِفادیت کو ذکر کرتے ہوئے دین اور عقیدے کے تحفظ اور اِشاعتِ حق کی راہ میں اُن کے قابلِ فخر کارناموں اور علمی مصروفیات میں اِنہماک کے قابلِ تقلید جذبات کو واقعات کے آئینہ میں اُتار کر ایسے خوبصورت اور محقق انداز میں پیش کیا ہے، جس کو پڑھ کر ذوقِ علم پروان چڑھتا ہے اور اَصحابِ علم کی عظمت کا سکہ بھی دل میں بیٹھتا چلا جاتا ہے۔

اِس کے ساتھ ساتھ شیخ نے طالبانِ علوم نبوت کے لئے وہ رہنما اُصول تحریر فرمائے ہیں جن پر عمل کر کے ایک طالبِ علم اپنے وجود کو نافع اور کارآمد بنا سکتا ہے، جس میں بنیادی طور پر دو باتوں کو بڑی اَہمیت اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے: (۱) اُستاذِ کامل اور عالم ربانی کی صحبت اختیار کرتے ہوئے اُن کی رہنمائی میں زندگی گذارنا، یعنی کسی کو اپنا بڑا ماننا۔ (۲) اپنے آپ کو علمی کاموں میں مشغول رکھنا اور تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کو تحصیلِ علم کی خاطر بروئے کار لانا۔

اِس سلسلے میں اَکابر و اَسلاف کے جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں، وہ واقعۃً باذوق طلبہ کے لئے مہمیز کا کام کرنے والے ہیں۔

اِس کے علاوہ معلمین و اَساتذہ کے کیا فرائض ہیں؟ اُن کو طلبہ کے تئیں کس درجہ شفیق ہونا چاہئے؟ اور اپنے تلامذہ کے مستقبل کی تابناکی اور کامیابی کے حوالے سے اُنہیں کیسے فکر مند رہنا چاہئے؟ یہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ آیاتِ قرآنیہ، اَحادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور واقعاتِ سلف کی روشنی میں بڑے مؤثر پیرائے میں ذکر کی گئی ہیں۔

کتاب کیا ہے؟ ایک ایسی علمی سوغات ہے جس کا مطالعہ علماء و طلبہ کے لئے علمی تشنگی کی سیرابی کا باعث اور حد درجہ فائدہ کا سامان ہے۔ باری تعالیٰ مؤلف محترم حفظہ اللہ کو جزائے خیر مرحمت فرمائیں اور اُن کے سایۂ عاطفت کو ہم سب پر دراز فرمائیں، آمین۔

اَب تک اِس کتاب سے اِستفادہ کا دائرہ عربی داں طبقہ تک محدود تھا؛ لیکن اَب یہ کتاب بحمدہ تعالیٰ ’’علماء اور طلبہ کے لئے فکر اَنگیز اور کارآمد باتیں‘‘ کے نام سے اُردو کے قالب میں بھی طبع ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے۔

برادر بزرگوار حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم مفتی و اُستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے ’’معالم اِرشادیہ‘‘ کے اَہم مضامین کو اُردو کا خوب صورت جامہ پہنا کر ایسے مرتب انداز میں پیش کیا ہے جس سے بلا مبالغہ کتاب کی اِفادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں اور استفادہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔

(مولانا مفتی قاری سید محمد عفان صاحب منصور پوری کی تأثراتی تحریر سے ماخوذ)